مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کی کتاب "قادیانیت" کا جواب

احمدیت

مصنفہ

جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ و علی عبدہ المسیح الموعود

احمدیت

مصنفہ

جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف

بجواب

"قادیانیت" مصنفہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی



مصنّف کی دیگر کُتب

۱۔ الحقّ المبین فی تفسیر خاتم النبیّٰین ۔ مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی کتاب "ختمِ نبوت" کا جواب۔

۲۔ تحقیقِ عارفانہ ۔ پروفیسر غلام جیلانی برقؔ کی کتاب "حرفِ محرمانہ" کا جواب۔

۳۔ تبصرہ ملک جعفر خان ایڈووکیٹ کی کتاب "احمدیہ تحریک" کا جواب۔

۴۔ شانِ خاتم النبیّین ۵۔ مقامِ خاتم النبیّین

۶۔ علمی تبصرہ مولوی مودودی صاحب کے رسالہ "ختمِ نبوت" کا جواب

۷۔ احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک

۸۔ شانِ مسیح موعودؑ ۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مصری کے مضامین کا جواب۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

"قادیانیت" مصنفہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے جواب "احمدیت" میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصالتاً نازل ہونا ختم نبوت کے منافی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل نبی تھے اور کسی مستقل نبی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آجانا آیت خاتم النبیین کے منافی ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب میں اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ خاتم النبیین ہونے کے مطلق آخری نبی ہیں لہٰذا اگر ان کے بعد کوئی نبی آجائے تو وہ خاتم النبیین بن جاتا ہے اور یہ محال ہے۔ مولوی صاحب کے ان دونو عقیدوں میں صریح تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے۔ اب اگر وہ یہ نظریہ اختیار کریں کہ مسیح موعود نبی اللہ بھی ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بھی تو انہیں خاتم النبیین کے بعد ایک نئی قسم کے نبی کا آنا مُسلّم ہوگا جسے وہ خاتم النبیین کے خلاف نہیں سمجھیں گے لہٰذا خاتم النبیین کے معنے جو وہ "مطلق آخری نبی" کرتے ہیں غلط قرار پاجائیں گے اور انکی اس توجیہہ کے لحاظ سے خاتم النبیین کا مفہوم یہ بن جائیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری تشریعی اور مستقل نبی ہیں جن کی شریعت کا عمل قیامت تک رہیگا۔ ان معنوں میں ختم نبوت مسیح کے اُمتی نبی کی حیثیت سے آنے میں مانع نہیں ہوگی اس طرح انہیں ختم نبوت کے ان معنوں میں ہم سے اتفاق کرنا پڑے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے جو مسیحی عقیدہ کے قائل تھے یہ سوال کیا جبکہ بحث مسیح کے ولد اللہ ہونے کے متعلق چل رہی تھی اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَبَّنَا حَیٌّ لَا یَمُوْتُ وَاَنَّ عِیْسٰی اَتٰی عَلَیْہِ الْفَنَاءُ ؟ قَالُوْا بَلٰی[1] ۔ کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے اور وہ

لہ اسباب النزول تالیف ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری ۴۶۸ ہجری مطبوعہ مصر ص ۵۳

نہیں مریگا اور عیسیٰؑ پر فنا وارد ہو چکی ہے' انہوں نے کہا - ہاں ایسا ہی ہے!

اسی طرح حدیث نبوی میں وارد ہے انّ عیسی ابن مریم عاش مائة وعشرین سنة۔[1] کہ بیشک عیسیٰ ابن مریم ایک سو بیس برس زندہ رہے۔

یہ ہر دو حدیثیں وفات مسیحؑ پر روشن دلیل ہیں اور انکی صدیوں تک جسمانی زندگی کے متعلق کوئی حدیث نبوی موجود نہیں - اگر مولوی ندوی صاحب کوئی ایسی حدیث پیش کر سکیں جس میں یہ مذکور ہو کہ وہ کئی صدیاں جسمانی زندگی پائیں گے تو پیش کریں انہیں یکصد روپیہ دم نقد انعام دیا جائیگا لیکن اگر وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہ کر سکیں اور وہ ہرگز پیش نہ کر سکیں گے تو انہیں اس باطل عقیدہ سے رجوع کرنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر صدیوں سے بحیات جسمانی زندہ ہیں لہذا وہی اصالتاً نازل ہوں گے۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے اپنی کتاب "قادیانیت" میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر مستقل صاحب شریعت ہونے کا الزام دیا ہے جس کو کتاب ہذا میں سراسر بہتان ثابت کرتے ہوئے ان پر اتمام حجت کر دی گئی ہے۔ اسی طرح ان کے باقی سب الزامات کی روشن دلائل کے ساتھ تردید کر دی گئی ہے اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تحریروں سے دکھا دیا گیا ہے کہ آپ کی نبوت بحیثیت تابع النبوۃ کے ہے نہ بطور مستقل نبوت کے۔

مولوی ابوالحسن صاحب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ انہوں نے مثیل مسیح یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ حضرت مولوی نورالدین رضؓ کے مشورہ سے کیا تھا اور ساتھ ہی دبے لفظوں میں یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ آپ نے یہ دعویٰ انگریزوں کے ایماء پر کیا ہے کتاب "احمدیت" میں اُن کے اِن شبہات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا ہے۔ ایک بڑا اعتراض مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ تھا کہ حضرت بانیٔ احمدیت نے انگریزی حکومت سے جہاد نہیں کیا بلکہ آپ انگریزی حکومت کے وفادار رہے

---

[1] کنز العمال

ہیں اس اعتراض کا بھی شافی جواب دیا گیا ہے اور اس بارہ میں علماء کے فتاوی نقل کئے گئے ہیں جو اہلحدیث شیعہ اور سنی علماء کے خواہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی ایسے فتاوی پر مشتمل ہیں کہ انگریزوں سے جہاد ممنوع ہے اور بالخصوص اس میں مولوی ابوالحسن صاحب کے بزرگوار حضرت سید احمد صاحب بریلوی مجدد صدی سیزدہم علیہ الرحمۃ کا فتویٰ بھی درج ہے کہ انگریزوں سے جہاد جائز نہیں۔

ہم حیران ہیں کہ انکے گھر کے بزرگ تو یہ فتوے دے رہے ہیں کہ انگریزوں سے جہاد شرعاً جائز نہیں لیکن حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اگر ایسا فتویٰ دیدیں تو مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک وہ مقام خلافت سے گر جاتے ہیں۔ گویا مولوی صاحب نے دو پیمانے رکھے ہوئے ہیں اپنوں کے لئے اور پیمانہ استعمال کرتے ہیں اور جس کے مخالف ہو جائیں اس کے لئے اس سے مختلف پیمانہ استعمال کرتے ہیں۔

سیرت سید احمد حصہ اول صفحہ ۱۹۰ مرتبہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی پر لکھا ہے:۔

"اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز گھوڑوں پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے (حضرت سید احمد صاحب بریلوی ؒ نے۔ ناقل) کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم کو یہاں کھڑا کر دیا تھا کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع دی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں، یہ اطلاع پاکر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لیکر قافلہ میں تقسیم کر لیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔"

اس واقعہ پر مولوی مشتاق احمد صاحب نظامی نے جو تبصرہ ہوا اعتراض کیا ہے اسے ہم نقل کرتا ہیں

ل جوالہ خون کے آنسو حصہ اول صفحہ ۳ مصنفہ مولوی مشتاق احمد نظامی ناشر مکتبہ عالیہ گنج بخش روڈ لاہور۔

چاہتے بہرحال اس واقعہ سے اتنا ظاہر ہے کہ انگریزوں سے آپ کو کوئی پرخاش نہ تھی۔ تب ہی تو ان کی دعوت قبول فرمائی ــــ "تواریخ عجیبہ" صفحہ ۱۸۲ پر لکھا ہے :-

"اس سوانح اور مکتوبات متمسکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ارادہ ہرگز نہ تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔"

اسی تاریخ کے صفحہ ۹۱ پر سید صاحب کا یہ مقولہ بھی درج ہے :-

"سرکار انگریزی سے کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔" (خون کے آنسو صفحہ ۳۳-۳۴)

"حیات طیبہ" صفحہ ۳۰۲ میں لکھا ہے :-

"سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے تو سید صاحب نے مولانا اسمٰعیل کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الٰہ آباد کی معرفت لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی پاکستان کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کی تیاری کر رہے ہیں سرکار کو تو اس پر کچھ اعتراض نہیں ہے؟ لفٹنٹ گورنر صاحب نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری میں اگر امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں کچھ سروکار نہیں۔"

(بحوالہ خون کے آنسو صفحہ ۳۴)

پھر "حیات طیبہ" صفحہ ۱۶۱ مرتبہ مرزا حیرت دہلوی مطبوعہ فاروقی دہلوی میں لکھا ہے :-

"کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے

اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا اُن پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں۔ ایک تو اُن کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے بلکہ اُن پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اُس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

(بحوالہ نخوان کے آنسو صد ۳۲)

یہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب حضرت سید احمد صاحب بریلوی مجدد صدی سیزدہم کے مرید خاص تھے۔ اب جائے تعجب ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنے بزرگوں کے اِس فتویٰ کو نظر انداز کر کے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو انگریزوں سے جہاد نہ کرنے پر مطعون قرار دے رہے ہیں حالانکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جو جہادِ انگریزوں کے خلاف جائز تھا یعنی اسلامی تبلیغ کا جہاد، جو قرآنی الفاظ کی رُو سے جہادِ کبیر کہلاتا ہے، اس کا حق پورے طور پر ادا کر دیا۔ کیونکہ آپ نے حضرت مسیح ابن مریمؑ کی طبعی وفات اور سرینگر محلہ خانیار میں ان کا مدفون ہونا ثابت کر کے صلیبی عقیدہ کو پاش پاش کر دیا ہے اور قیصرہ ہند ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلّیت کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر آپؑ کو انگریزوں نے کھڑا کیا ہوتا تو آپؑ کو کبھی اِس بات کی جرأت نہ ہوتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک یہی ہے کہ آپؑ کی جماعت جس ملک میں بھی رہتی ہو اُسے اپنے ملک کا پورا وفادار ہونا چاہیئے تا آنکہ حکومتِ وقت

مداخلت فی الدین نہ کرے اور اگر کوئی حکومت مداخلت فی الدین پر اُتر آئے تو پھر سنّتِ نبوی کے مطابق وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہوگی۔ ملک کے اندر رہتے ہوئے حکومت سے جنگ وجدال سُنّتِ نبوی کی رُو سے جائز نہیں۔ پھر باقی علماءِ اسلام کے بھی یہی فتوے ہیں جن کی نقول کتاب میں درج کردی گئی ہیں

خُذ ھذا ولا تکن من الغافلین ؁

قاضی محمد نذیر لائلپوری

۱۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء

ناظر تصنیف و اشاعت لٹریچر

ربوہ

نوٹ:۔ مَیں نے کتاب کا اکثر حصّہ زبانی لکھوایا ہے۔ مَیں محترم ڈاکٹر سید ظہور احمد شاہ صاحب واقفِ زندگی اور سید عبدالحی صاحب ایم۔ اے واقفِ زندگی کا ممنون ہوں جنہوں نے میرے زبانی بیان کو املا کیا ہے۔

خاکسار۔ قاضی محمد نذیر

(نورالدین خوشنویس۔ ربوہ)

تعداد ۲۰۰۰

تاریخ اشاعت .. .. اکتوبر ۱۹۷۲ء

ناشر:- مہتمم نشرو اشاعت نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف

صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

مطبع:- ضیاء الاسلام پریس - ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۞ وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر



مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے احمدیت کے خلاف تنابز بالالقاب سے کام لیتے ہوئے عرصہ ہوا ایک کتاب "قادیانیت" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے متفرق اہم سوالوں کے جوابات گاہے گاہے احمدیہ لٹریچر میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

نظارت کے سامنے بعض احباب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کتاب کا جواب یکجائی طور پر شائع ہونا ضروری ہے۔

گو اس کتاب کی زبان دوسرے معاندینِ احمدیت کی طرح خلافِ تہذیب نہیں لیکن یہ کتاب اپنی سپرٹ کے لحاظ سے اُن کتابوں سے مختلف نہیں جو گالیاں دینے والے معاندینِ احمدیت نے شائع کی ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں یہ کتاب بھی متعصبانہ رنگ میں احمدیت کے خلاف غلط فہمیاں پھیلانے کی نیت سے لکھی گئی ہے۔ گو اس کی طرزِ نگارش مستشرقین کی طرح

ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغییر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ راہِ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتداء اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں۔ کوئی مرتبہ شرف کمال کا اور کوئی مقام عزت اور قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔" (ازالہ اوہام حصہ اول ص۱۳۷، ۱۳۸)

"جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنا رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کی کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کے وقت جب

حدیث اور قرآن میں پیدا ہو، قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ بالخصوص قصوں میں جو بالاتفاق نسخ کے لائق بھی نہیں ہیں۔

اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق، اور حشرِ اجساد حق، اور روزِ حساب حق، اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیانِ مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شَرِیْعَتِ اِسْلَام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرّہ زیادہ کرے یا ترکِ فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے اُن سب پر ایمان لاویں اور صَوم اور صَلٰوۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے

مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا، اور وہ امور جو اہلِ سنّت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں، اُن سب کا ماننا فرض ہے۔ اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۸۶-۸۷)

"ہم مسلمان ہیں۔ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے قائل ہیں۔ اور خدا کی کتاب قرآن اور اُس کے رسول مُحَمَّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو جو خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ ہے مانتے ہیں۔ اور فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور اہلِ قبلہ ہیں۔ اور جو کچھ خدا اور رسول نے حرام کیا اُس کو حرام سمجھتے ہیں اور جو کچھ حلال کیا اُس کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور نہ ہم شریعت میں کچھ بڑھاتے اور نہ کم کرتے ہیں۔ اور ایک ذرّہ کی کمی بیشی نہیں کرتے۔ اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں پہنچا اُس کو قبول کرتے ہیں چاہے ہم اُس کو سمجھیں یا اُس کے بھید کو سمجھ نہ سکیں اور اس کی حقیقت

تک پہنچ نہ سکیں اور ہم اللہ کے فضل سے مؤمن موحّد مسلم ہیں۔" (نورالحق جزء اوّل صث)

"مَیں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح ہر ایک سچے مسلمان کو لانا چاہیئے۔ مَیں ایک ذرّہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپؐ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔" (لیکچر لدھیانہ صفحہ ۱۲، ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۵)

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی رُوحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! مَیں پُورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی رُوحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔" (تریاق القلوب صث)

"اے دوستو! یقیناً یاد رکھو کہ دُنیا میں سچا مذہب جو ہر ایک غلطی سے پاک اور ہر ایک عیب سے منزّہ ہے صرف اسلام ہے۔ یہی مذہب ہے جو انسان کو خدا تک پہنچاتا اور خدا کی عظمت دلوں میں بٹھاتا ہے۔"

(تبلیغِ رسالت جلد ۹ صفحہ ۱۵۴)

"یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ وہ صرف قصّوں کی ناقص اور ناتمام تسلّی کو پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ڈھونڈنے والوں کو زندہ نشانوں سے اطمینان بخشتا ہے۔ ..... زندہ مذہب وہ ہے جس کے ذریعہ سے زندہ خدا ملے۔ زندہ خدا وہ ہے جو ہمیں بلاواسطہ ملہم کر سکے اور کم سے کم یہ کہ ہم بلاواسطہ ملہم کو دیکھ سکیں۔ سو میں تمام دُنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے۔"

(تبلیغِ رسالت جلد ۹ صفحہ ۱۵۴)

"ہمیں بڑا فخر ہے کہ جس نبی علیہ السلام کا ہم نے دامن پکڑا ہے، خدا کا اُس پر بڑا ہی فضل ہے۔ وہ خدا تو نہیں مگر اُس کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اُس کا مذہب جو ہمیں ملا ہے خدا کی طاقتوں کا آئینہ ہے۔ ..... ہم کیا چیز ہیں جو اِس شکر کو ادا کر سکیں کہ وہ خدا جو دوسروں پر مخفی ہے اور وہ پوشیدہ طاقت جو دوسروں

سے نہاں در نہاں ہے، وہ ذوالجلال خدا محض اس نبی کریم کے ذریعہ سے ہم پر ظاہر ہو گیا۔"

(تتمہ چشمۂ معرفت صفحہ ۹-۱۰)

"میرا مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا اِدھر اُدھر جانا بے ایمانی میں پڑنا ہے۔"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۰۳)

"مَیں کھول کر کہتا ہوں اور یہی میرا عقیدہ اور مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِتّباع اور نقش قدم پر چلنے کے بغیر کوئی انسان کوئی رُوحانی فیض اور فضل حاصل نہیں کر سکتا۔" (ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۳۲-۲۳۳)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔" (ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۵۲)

"عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۵)

"میں باربار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحبِ کرامات بنا دیتا ...... چنانچہ میں اس میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذہب مُردے' اُن کے خدا مُردے اور خود وہ تمام پیرو مُردے ہیں اور خدا تعالےٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں، ہرگز ممکن نہیں"

(تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۱۵)

"میں مسلمان ہوں۔ قرآن کریم کو خَاتَمُ الْکُتُب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خَاتَمُ الْاَنْبِیَاء مانتا ہوں اور اسلام کو ایک زندہ مذہب اور حقیقی نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی مقادیر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہوں۔ اسی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہوں۔ اتنی ہی نمازیں پڑھتا ہوں۔ رمضان کے پورے روزے رکھتا ہوں۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۱۰۷-۱۰۸)

"ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں"

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں

سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے"

(ازالہ ادہام حصہ دوم ص۷۶۶)

"ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا
نور ہے نور! اُٹھو! دیکھو! سُنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چُھپایا ہم نے"

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص۲۲۴)

اپنی نبوت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ مَیں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا

دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکمِ الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَصْطَلِحَ۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

نیز اپنے آخری خط مندرجہ اخبار عام میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی

دعویٰ نہیں ۔" (اخبار عام لاہور ۲۳ رمئی ۱۹۰۸ء)

نزول المسیح میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اِس نکتہ کو یاد رکھو کہ مَیں نبی اور رسول نہیں ہوں باعتبار نئی شریعت اور نئے دعویٰ اور نئے نام کے ۔ اور مَیں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیتِ کاملہ کے ۔ وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے ۔"

(نزول المسیح ص۳)

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کے بالمقابل کسی متوازی دین یا شریعت جدیدہ کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ آپ کا دعویٰ ظلّی اور انعکاسی نبوت کا ہے اور یہ مقام آپ کو باتباعِ نبویؐ حاصل کرنے کا دعویٰ ہے نہ مستقل طور پر براہِ راست نبوت پانے کا دعویٰ ۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمتی ۔ کیونکہ احادیث نبویہ میں آنے والے مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نواس بن سمعانؓ کی روایت میں چار دفعہ نبی اللہ قرار دیا ہے ۔ (صحیح مسلم باب خروج الدجال) اور بخاری اور مسلم کی روایات میں اس مسیح موعود کو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ میں اُمتی فرد ہونے کی حیثیت میں اُمت کا امام بھی قرار دیا ہے ۔ (باب نزول عیسیٰ) اور مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق موعود عیسیٰ کو ہی یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ

یَلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَہْدِیًّا کے الفاظ میں امام مہدی قرار دیا گیا ہے (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)۔ انہی پیشگوئیوں کے مطابق آپؑ کو اُمتی نبوت کا دعویٰ ہے نہ کہ مستقل نبوت کا۔ جب سرے سے آپؑ کا مستقلہ نبوت کا دعویٰ ہی نہیں تو کسی مستقل شریعت کا دعویٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے دعاوی سے آپؑ نے ہمیشہ انکار کیا ہے۔ چنانچہ آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس جس جگہ مَیں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف اِن معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ مَیں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر اِن معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علمِ غیب پایا رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۸ مطبوعہ نظارت اصلاح و ارشاد)

چونکہ اِس قسم کا دعویٰ مولوی ابو الحسن ندوی کے نزدیک ختمِ نبوت کے منافی نہ تھا اسلئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کے خلاف غلط فہمی پھیلانے اور آپؑ سے لوگوں کو بدگمان کرنے کے لئے انہوں نے آپؑ پر اپنی اِس کتاب میں یہ الزام دیدیا ہے کہ آپؑ کا دعویٰ جدید شریعت لانے اور مستقل نبی ہونے کا ہے۔

خاتم النبیین کے کن معنوں پر اجماع ہے؟

ندوی صاحب اس بات کو خوب جانتے تھے کہ آیت خاتم النبیین کی رُو سے اُمّت کا اجماع صرف اس بات پر ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا یا مستقل نبی نہیں آسکتا۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا ہے لَا یَأْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ مُسْتَقِلٌّ بِالتَّلَقِّیْ (الخیر الکثیر ص۸۰) اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اُمّتِ محمدیہ کے اندر نبی کا ہونا ختمِ نبوّت کے منافی نہیں کیونکہ حضرت ملا علی القاری علیہ الرحمۃ نے خاتم النبیین کے معنی یہ کئے تھے۔ اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَأْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ (موضوعاتِ کبیر ص۵۹) کہ آیتِ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔ گویا ایسے نبی کی آمد جو شریعت کو منسوخ نہ کرے اور اُمّت میں سے ہو آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں۔

پھر مولوی صاحب موصوف یہ بھی جانتے تھے کہ حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تشریح علماء نے یہ بھی کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا نبی نہیں آسکتا جیسا کہ حضرت امام علی القاری نے لکھا ہے:۔

"حَدِیْثُ لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَہٗ نَعَمْ وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاہُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا یَحْدِثُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسِخُ شَرْعَہٗ"۔
(الاشاعة فی اشراط الساعة ص۲۲۶ و المشرب الوردی فی مذہب المہدی

کہ یہ حدیث کہ میرے بعد وحی نہیں ہوگی باطل ہے البتہ حدیث لا نبیّ بعدی وارد ہے جس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آئندہ ایسا کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ بھی لکھا ہے:۔
"اِنَّ النُّبُوَّۃَ تَتَجَزّٰی وَجُزْءٌ مِنْھَا بَاقٍ بَعْدَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ"۔ (المسوی شرح الموطا جلد ۲ ص۲۱۶ مطبوعہ دہلی)

کہ نبوت قابلِ انقسام ہے اور اس کا ایک حصہ خاتم الانبیاء کے بعد باقی ہے۔" آپ کا یہ قول صحیح بخاری کے قول لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ کے مطابق ہے کہ نبوت میں سے مبشرات کا حصہ باقی ہے۔

مولوی صاحب جانتے تھے کہ مسیح موعود جس کی آمد اُمّت میں متوقع چلی آتی ہے حدیث نبوی کے مطابق تشریعی اور مستقل نبی کی

حیثیت میں نہیں آئیں گے کیونکہ تشریعی اور مستقل نبوّت تو بموجب حدیث نبوی باقی نہیں رہی اور وہ صرف مبشرات پانے کی وجہ سے نبی کہلائیں گے اور اُمتِ محمدیہ کے لئے حَکَم و عدل ہوں گے۔ اسی منصب کے پانے کا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے۔

مسئلہ ختم نبوّت میں ہمارے اور مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے خیال میں اصولی طور پر کوئی اختلاف نہیں نہ مسیح موعود کے اس منصب کے بارہ میں کوئی اختلاف ہے کہ وہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی ہوگا۔ اگر اختلاف ہے تو وہ صرف مسیح موعود کی شخصیت میں ہے۔ ہمارے نزدیک مولوی ابوالحسن صاحب اس خیال میں غلطی پر ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہی اصالتاً دوبارہ نازل ہونگے۔ ہمارے نزدیک قرآن و حدیث کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیگر انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہوئے ہیں اور جس مسیح کے نزول کی پیشگوئی تھی اس کا مصداق اُمتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد تھا۔ ہمارے نزدیک یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ قادیانی کے وجود میں پوری ہوگئی ہے اور آپ ہی اِس اُمت کے لئے مہدی معہود اور مسیح موعود ہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کے اِس دعویٰ کو کہ آپ ایک پہلو سے

نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمتی آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مخالف تو نہیں پاتے تھے مگر چونکہ آپ کو قبول کرنے کیلئے بھی آپ کا دل مائل نہیں تھا اسلئے انہوں نے یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی ڈیوٹی اپنے ذمہ لیکر آپؑ کی طرف یہ دعویٰ منسوب کر دیا ہے کہ آپؑ نئی شریعت لانے والے مستقل نبی ہونے کے دعویدار ہیں۔

مولوی ابوالحسن ندوی کا افتراء

ندوی صاحب نے مستقل نبوت کے عنوان کے تحت لکھا ہے:۔

"مرزا صاحب کی تصنیفات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی مستقل صاحب شریعت ہونے کے قائل تھے۔" (قادیانیت صد ۹۴)

مولوی ابوالحسن صاحب کا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر نبی مستقل ہونے کا الزام بہتانِ عظیم اور افتراء ہے۔ مگر اس امر کو ثابت کرنے کے لئے وہ لکھتے ہیں:۔

"انہوں نے اربعین میں تشریعی یا صاحب شریعت کی تعریف کی ہے کہ جس کی وحی میں امر و نہی ہو اور وہ کوئی قانون مقرر کرے۔ اگرچہ یہ امر و نہی کسی سابق نبی کی کتاب میں پہلے آ چکے ہوں۔ ان کے نزدیک صاحب شریعت نبی کے لئے اس کی شرط نہیں کہ وہ بالکل جدید احکام لائے پھر

وہ صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس تعریف کے مطابق
صاحبِ شریعت اور مستقل نبی ہیں۔" (قادیانیت ص۹۵)

اس کے بعد انہوں نے اربعین کی عبارت پیش کی ہے مگر اس عبارت
میں مستقل نبی کے الفاظ موجود نہیں۔ وہ عبارت یہ ہے:۔

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔
جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے
اور اپنی اُمّت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت
ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم
ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام
قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا اَبْصَارَهُمْ وَيَحْفَظُوْا
فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۔ یہ براہین احمدیہ
میں درج ہے۔ اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر
تیئیس برس بھی گزر چکے ہیں۔

اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے
احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا
لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى
یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی پائی جاتی ہے۔"

اس عبارت کے منطوق سے ظاہر ہے کہ یہ عبارت بطور
الزام خصم کے لکھی گئی ہے اور اس میں الزامی رنگ میں مخالفین پر

حجت قائم کی گئی ہے۔ مگر اس میں آپ نے مستقل صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مستقل نبی ہونے کا دعویٰ ایک سراسر جھوٹا الزام ہے۔ اربعین ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اصطلاحی نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس سے انکار کیا ہے۔ اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں لکھتے ہیں :-

"جس جس جگہ میں نے نبوت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا نبی نہیں ہوں اور نہ مستقل طور پر نبی ہوں۔"

پس ایسی واضح عبادت کی موجودگی میں جو اربعین سے بعد کی ہے۔ ایک محقق عالم کا فرض ادا کرتے ہوئے ندوی صاحب کا فرض تھا کہ وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا الزام نہ لگاتے کیونکہ آپ صاف لفظوں میں ایسے دعویٰ سے انکار کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے اربعین کی عبارت بھی ادھوری پیش کی ہے۔ اور اس کے بعد کی اس عبارت کو لوگوں کی نگاہ سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں :-

"ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے

نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید دین کے طور پر کسی اَور مامور کے ذریعہ یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیانِ شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔"
(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۸)

نیز فرماتے ہیں :۔

"میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔"

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ آپؑ پر جو اوامر و نواہی نازل ہوئے وہ بیانِ شریعت اور تجدیدِ دین کے طور پر ہیں نہ شریعتِ محمدیہ سے کسی الگ شریعت کے طور پر۔ لہٰذا آپؑ کو جدید شریعت، مستقل نبی، یا تشریعی نبی، یا مستقلہ شریعت رکھنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اربعین میں نہ مستقل نبی یا مستقلہ شریعت رکھنے کا کوئی دعویٰ موجود ہے نہ اس کے بعد کی تحریروں میں ایسا کوئی دعویٰ موجود ہے۔ ایک تحریر ہم ایک غلطی کے ازالہ کی پیش کر چکے ہیں جس میں صاف لکھا ہے کہ آپؑ کو مستقل نبی ہونے یا مستقل شریعت لانے کا دعویٰ نہیں۔ یہ ۱۹۰۱ء کی کتاب ہے۔ پھر ۱۹۰۲ء کی کتاب الوصیت میں لکھتے ہیں :۔

"خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوّتِ تشریعی کا دروازہ

بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطّل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔"

(الوصیت ۔ حاشیہ صـ۱۶)

پھر اس کے بعد تجلیاتِ الٰہیہ کے صـ۹ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے اور تجدیدِ دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لائے کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے ــــــــ

ــــــــ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک کہ اس کو اُمتی بھی نہ کہا جائے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پایا نہ براہِ راست ۔"

پھر اپنی آخری کتاب چشمہ معرفت میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہم بار ہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت۔ اگر کوئی ایسا دعوے کرے تو بلا شبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔"

اِن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک اپنے آپ کو اُمتی نبی قرار دیتے رہے نہ کوئی شریعت جدیدہ لانے والے نبی یا مستقل نبی۔

اربعین کی عبارت جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے بطور الزام خصم کے ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ ——— کو مخالفین کے سامنے اِس طرح اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا تھا کہ یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر کوئی جھوٹا قول باندھ لیتے تو ہم انہیں دائیں ہاتھ سے پکڑ کر ان کی رگِ گردن کاٹ دیتے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ کوئی مفتری اور متقوّل علی اللہ اپنے وحی والہام کے دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی لمبی عمر نہیں پا سکتا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائی۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بتایا کہ میرے وحی و الہام کے دعویٰ پر بھی اتنا عرصہ گزر چکا ہے لہذا یہ آیت میری صداقت پر بھی روشن دلیل ہے۔ اس پر بعض مخالفین نے کہا کہ یہ آیت تو صرف صاحب شریعت مدعی کے لئے معیار ہو سکتی ہے۔ اِس

کے جواب میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے۔ خدا تعالیٰ نے افترا کے ساتھ شریعت کی قید نہیں لگائی۔ پھر الزامی رنگ میں فرمایا کہ جس امر کو تم شریعت کہتے ہو وہ اوامر و نواہی ہوتے ہیں اور یہ چیز میرے الہامات میں موجود ہے لہذا تم لوگوں پر میرا ماننا تمہارے مسلّمہ معیار کی رُو سے حجّت ہوا۔

پھر اس خیال سے کہ کوئی آپ کو مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا مدعی نہ قرار دے آپ نے اس عبارت کے ساتھ ہی تحریر فرمایا کہ آپ کے اوامر و نواہی بطور تجدید دین اور بیان شریعت کے ہیں۔

تعجّب کا مقام ہے کہ اس وضاحت کے باوجود مولوی ابوالحسن صاحب ندوی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر اوامر و نواہی کے نزول سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ آپ کو مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ تھا۔ حالانکہ آپ کی تصنیفات شروع سے آخر تک اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ آپ نے باتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وحی و الہام پانے کا دعویٰ کیا ہے نہ بالاستقلال۔ آپ کے لٹریچر میں سے ایک فقرہ بھی اس مفہوم کا دکھایا نہیں جا سکتا کہ آپ مستقل نبی ہیں یا مستقل صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ آپ نے ہمیشہ اپنے آپکو یا ظلّی اور بروزی نبی قرار دیا ہے یا ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی۔ تا یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ پر گواہ ہو۔

پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر

سراسر افتراء ہے کہ انہوں نے مستقل صاحبِ شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

شریعت کے احکام پر مشتمل الہامات بزرگانِ دین کو بھی ہوئے

شریعت کے اوامر و نواہی پر مشتمل الہامات تو اُمّت کے بزرگوں پر بھی نازل ہوتے رہے مگر انہیں کبھی نہ کسی نے مستقل صاحبِ شریعت ہونے کا مدعی قرار دیا ہے اور نہ خود انہوں نے مستقل صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کیونکہ اوامر و نواہی پر مشتمل الہامات ان بزرگوں پر بواسطہ اتباعِ نبویؐ نازل ہوئے ہیں۔ پس بالواسطہ صاحبِ شریعت ہونے اور مستقل صاحبِ شریعت ہونے میں بُعد المشرقین ہے۔ دیکھئے فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے:-

تَنَزُّلُ الْقُرْاٰنِ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ مَا انْقَطَعَ مَعَ کَوْنِہٖ مَحْفُوْظًا لَھُمْ وَلٰکِنَّ لَھُمْ ذَوْقَ الْاِنْزَالِ وَھٰذَا لِبَعْضِھِمْ۔

ترجمہ- قرآن کریم کا نزول اولیاء کے قلوب پر منقطع نہیں باوجودیکہ وہ ان کے پاس اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے۔ لیکن اولیاء اللہ پر نزولِ قرآنی کے ذوق کی خاطر قرآن ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور یہ شان صرف بعض اولیاء کو ہی عطا کی جاتی ہے۔

مزید دیکھئے :-

ا- حضرت محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں مجھ پر ذیل کی آیات نازل ہوئیں :-

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

یہ ساری کی ساری آیت آپ پر الہاماً نازل ہوئی۔

(فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۶)

ب- حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔ جو امر و نہی پر مشتمل ہیں :-

۱- وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔

۲- لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۔

۳- وَمَا اَنْتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ۔

(علم الکتاب صفحہ ۶۴)

ج- حضرت مولوی عبد اللہ غزنوی پر مندرجہ ذیل آیات امر و نواہی

نازل ہوئیں :-

۱- فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔

۲- وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ۔

۳- فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔

۴- وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ۔

(رسالہ اثبات الالہام والبیعۃ مؤلفہ مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ وسوانح عمری مولوی عبداللہ غزنوی از مولوی عبدالجبار غزنوی ص۳۵ مطبوعہ مطبع القرآن امرتسر)

۵- امام عبدالوہاب شعرانی مسیح موعود کے متعلق لکھتے ہیں :-

فَيُرْسِلُ وَلِيًّا ذَا نُبُوَّةٍ مُطْلَقَةٍ وَيُلْهِمُ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَفْهِمُهُ عَلٰى وَجْهِهِ۔

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۸۹ بحث نمبر ۴۷)

ترجمہ: مسیح موعود نبوت مطلقہ رکھنے والے ولی کی صورت میں بھیجا جائے گا۔ اس پر شریعت محمدیہ الہاماً نازل ہوگی اور وہ اسے ٹھیک سمجھے گا۔

پس مسیح موعود پر الہاماً شرع محمدی کے بعض اوامر و نواہی کا

نزول اس کو مستقل صاحبِ شریعت نبی نہیں بناتا۔ کیونکہ اُسے نبی الاولیاء ہی قرار دیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ غیر تشریعی نبی ہی ہوگا۔ پس قرآن کریم کا مسیح موعود پر الہاماً نزول جب پہلے بزرگوں کے نزدیک بھی اسے مستقل صاحبِ شریعت نبی نہیں بناتا تو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا اربعین کی زیرِ بحث عبارت سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر یہ الزام دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ مستقل نبی اور مستقل صاحبِ شریعت ہونے کے دعویدار تھے۔

افسوس ہے کہ مخالفین بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف لکھتے ہوئے خوفِ خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور لوگوں کو آپؑ سے بدظن کرنے کے لئے آپؑ پر افتراء کرنے سے بھی نہیں چُوکتے۔

جب مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے دیکھا کہ اربعین کی عبارت میں تو مستقل صاحبِ شریعت یا مستقل نبی کے الفاظ نہیں تو انہوں نے اپنے افتراء کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بعض اور الزامات دے دیئے۔

جہاد کی منسوخی کا الزام

سب سے پہلے وہ آپ پر جہاد کی منسوخی کا الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

۱۔ "بعض اہم، قطعی اور متواتر احکامِ شریعت کو پوری

قوت اور صراحت کے ساتھ منسوخ اور کالعدم کر دینا
بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسا صاحبِ
شریعت اور ایسا صاحبِ امر و نہی سمجھتے تھے جو قرآنی شریعت
کو منسوخ کر سکتا ہے۔ چنانچہ جہاد جیسے منصوص قرآنی حکم
کو جس پر اُمت کا تعامل اور تواتر ہے اور جس کے متعلق
صریح حدیث ہے اَلْجِہَادُ مَاضٍ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ
کی ممانعت کرنا اور اس کو منسوخ قرار دینا اس کا روشن
ثبوت ہے۔"

مولوی صاحب بزعم خود اس کے ثبوت میں اربعین ۴ کے حاشیہ
سے ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں :۔

"جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ
آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر
شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور
شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں، بوڑھوں اور
عورتوں کو قتل کرنا حرام کیا گیا۔ اور پھر بعض قوموں
کے لئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ
سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت
قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔"

مولوی ندوی صاحب سُنیئے! مسیح موعود کے وقت میں جہاد یا جزیہ کا موقوف کیا جانا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مروی ہے۔ چنانچہ نزولِ مسیح کے باب میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں مسیح موعود کے متعلق یَضَعُ الْحَرْبَ کے الفاظ بھی وارد ہیں اور بعض نسخوں میں یَضَعُ الْجِزْیَةَ کے الفاظ ہیں۔

خود حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:-

"صحیح بخاری کو کھولو اور اس حدیث کو پڑھو جو مسیح موعود کے حق میں ہے یعنی یضع الحرب۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ جب مسیح آئے گا تو جہادی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سو مسیح آچکا اور یہی ہے جو تم سے بول رہا ہے۔"

پس حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جہاد بمعنی قتال کے حکم کو ہرگز از خود موقوف نہیں کیا بلکہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیح موعود کے زمانہ میں موقوف کئے جانے کا اعلان کیا ہے۔ پس جہاد بمعنی قتال کو مسیح موعود نے ہرگز ہمیشہ کے لئے منسوخ نہیں کیا بلکہ صرف اپنے وقت میں اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پورے طور پر موقوف کئے جانے کا اعلان کیا ہے قطعی موقوف کے معنی اس جگہ پورے طور پر موقوف کے ہیں نہ ان معنوں میں کہ جہاد بمعنی قتال آئندہ کے لئے تا قیامت علی الاطلاق موقوف ہو گیا ہے۔ پس آپ کے نزدیک جہاد بمعنی قتال کی پورے

طور پر موقوفی مسیح موعود کے زمانۂ حیات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ مسیح موعودؑ کے زمانۂ حیات میں جہاد کی شرائط جن سے وہ فرض ہوتا ہے مفقود تھیں۔ چنانچہ آپؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"اِنَّ وُجُوْہَ الْجِھَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِیْ ھٰذَا الزَّمَنِ وَفِیْ ھٰذِہِ الْبِلَادِ"۔

(تحفہ گولڑویہ صـ۴۳)

یعنی اس زمانہ اور ملک میں جہاد کی شرائط موجود نہیں۔

جس نظم میں آپؑ نے قتال کو اس زمانہ میں حرام قرار دیا ہے آگے لکھا ہے ؎

فرما چکے ہیں سیدِ کونین مصطفٰےؐ
عیسٰی مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا

اس سے ظاہر ہے کہ آپؑ کے نزدیک مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد بالسیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق صرف ملتوی ہوا ہے نہ کہ دائمی موقوف۔ علی الدوام موقوفی کا کوئی اعلان آپ کی طرف سے موجود نہیں۔ بلکہ آپ کے بعد شرائطِ جہاد پیدا ہو جانے پر جہاد واجب رہتا ہے۔ آپؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"اس زمانہ میں جہاد رُوحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ اسلام

کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں۔ یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دُنیا میں ظاہر کر دے۔"

(مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ مندرج رسالہ درود شریف مؤلفہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چونکہ اپنی طرف سے جہاد کو اس زمانہ میں موقوف قرار نہیں دیا بلکہ اس کا اعلان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا ہے۔ اور آئندہ زمانہ میں اس کا امکان بھی تسلیم کیا ہے کہ جہاد بصورت قتال کی صورت پیدا بھی ہو سکتی ہے لیکن میرے وقت میں اس کی شرائط موجود نہیں۔ لہذا آپؑ پر جہاد کو منسوخ کرنے کا الزام سراسر نا انصافی ہے۔

اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کی حدیث تو صحیح ہے مگر یہاں جہاد کا لفظ محدود معنی میں نہیں۔ جہاد تو وسیع معنی رکھتا ہے۔ ہر وہ جدوجہد جو دین کی خاطر اور اعلائے کلمۂ اسلام کی خاطر کی جائے قرآن کریم اسے جہاد کبیر قرار دیتا ہے۔ فرمایا وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کہ قرآن کریم کی اشاعت کے ذریعہ جہادِ کبیر کرو۔ نیز جہاد کا حکم مکی سورت میں نازل ہوا تھا حالانکہ مکہ میں اُس وقت کوئی لڑائی نہیں لڑی گئی تھی۔ پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے زمانہ میں جہاد بند نہیں ہوا، صرف قتال کی صورت کا جہاد ملتوی ہوا ہے۔ تبلیغ اسلام کے جہاد میں آپؑ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپؑ

کی جماعت بھی حصّہ لے رہی ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا بھی ایک جہاد ہے۔ اس کے مطابق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے انگریز کی سلطنت میں رہتے ہوئے ملکہ معظمہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دی اور اب ساری دُنیا میں آپ کی جماعت دعوتِ اسلام دے رہی ہے۔ پس مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جہاد بند نہیں ہوا بصورتِ قتال ملتوی ہوا ہے۔ کیونکہ قتال کے متعلق قرآنی ہدایت ہے قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ کہ اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑتے ہیں اور تمہاری طرف سے زیادتی نہ ہو۔ یعنی نہ ابتداء ہو اور نہ قوانینِ جہاد کی خلاف ورزی۔ کیونکہ خدا معتدین کو دوست نہیں رکھتا۔

غیر از جماعت لوگوں سے معاملات بھی کسی جدید شریعت کی بناء پر نہیں

مسئلہ جہاد کے بعد ندوی صاحب نے غیر از جماعت لوگوں کی تکفیر، اُن کو امام الصلوٰۃ بنانے، اُن سے مناکحت اور اُن کے جنازوں کی ممانعت کو ایک نئی شریعت قرار دیا ہے۔ اِن امور کے بارے میں یہ واضح ہو کہ ایسے تمام معاملات کا اظہار آپ کے خلاف علماء کے فتاویٰ کے ردِّ عمل کے طور پر ہوا ہے نہ ابتداءً۔ چنانچہ حضرت بانیٔ

سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۲۰ پر علماء کے فتاویٰ کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"پہلے ان لوگوں نے میرے پر کفر کا فتویٰ تیار کیا اور قریباً ۲۰۰ مولوی نے اس پر مہریں لگائیں اور ہمیں کافر ٹھہرایا گیا اور ان فتووں میں یہاں تک تشدد کیا گیا کہ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ کفر میں یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔ اور عام طور پر یہ فتوے دیئے کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہیئے اور ان لوگوں کے ساتھ سلام اور مصافحہ نہیں کرنا چاہیئے اور ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ کافر جو ہوئے۔ بلکہ چاہیئے کہ یہ لوگ مساجد میں داخل نہ ہونے پاویں کیونکہ کافر ہیں مسجدیں ان سے پلید ہو جاتی ہیں۔ اگر داخل ہو جائیں تو مسجد کو دھو ڈالنا چاہیئے۔ اور ان کا مال چرانا درست ہے اور یہ لوگ واجب القتل ہیں کیونکہ مہدی خونی کے آنے سے انکاری اور جہاد کے منکر ہیں۔

...... پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا حالانکہ ہماری طرف سے کوئی سبقت نہیں ہوئی۔

خود ہی اُن کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے۔
اور پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ
کافر ہیں اور نادان لوگ ان فتوؤں سے ایسے ہم سے
متنفر ہوئے کہ ہم سے سیدھے مُنہ سے کوئی نرم بات
کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی
یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے
سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا
تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری
طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع
ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر
ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں۔ ورنہ خود سوچ لیں کہ
یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہرادیں آپ اور پھر
ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر
ٹھہرایا ہے۔ ...... پھر جبکہ ہمیں اپنے فتوؤں
کے ذریعہ سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے
قائل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر اُلٹ کر
اسی پر پڑتا ہے تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ
بموجب انہی کے اقرار کے ہم انہیں کافر کہتے !!

اِس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے

فتویٰ تکفیر میں ابتداء نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ تمام معاملات یعنی تکفیر، حرمتِ امامت، جنازہ اور مناکحت کی ممانعت مخالف علماء کے ایسے فتوؤں کے ردِّ عمل کے طور پر ہوئی ہے جن میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کو کافر ٹھہرایا گیا اور ان سے مناکحت اور ان کی امامت اور جنازے کو ناجائز قرار دیا گیا۔ پس شریعت نئی تو ان علماء نے بنائی کہ ایک مسلمان کو جو کلمہ شہادت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا قائل ہے اور تمام ایمانیات کا قائل، اُس کی بلا وجہ علماء کی طرف سے تکفیر ہوئی اور اُس سے اور اُس کی جماعت سے قطع تعلق کیا گیا اور اُن کے خلاف انتہائی تشدّد کا طریق اختیار کیا گیا تو رسول کریمؐ کے اِس ارشاد کے ماتحت کہ ایک مسلمان کو کافر قرار دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو یہ حق پہنچ گیا کہ وہ آیت جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے مطابق انہیں کافر کہیں۔ کیونکہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہے یہ کفر اُسی پر لوٹ کر آتا ہے۔ پس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ایسے فتاویٰ شریعتِ محمدیہ کے عین مطابق ہیں نہ کہ کوئی نئی شریعت۔

مولوی ابو الحسن صاحب ندوی نے اپنے اس الزام کو مضبوط کرنے کے لئے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مستقل صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے پہلے تریاق القلوب کی ذیل کی عبارت درج

کی ہے :-

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف اُن نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لائے ہیں لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدّث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں شان رکھتے ہوں اور خلعتِ مکالمۂ الٰہیہ سے سرفراز ہوں اُن کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا"

پھر اس کے مقابل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذیل کی چار عبارتیں پیش کی ہیں اور یہ نتیجہ پیش کرنا چاہا ہے کہ آپ نے تریاق القلوب میں کافر قرار دینا ان نبیوں کی شان بتائی ہے جو صاحب شریعت اور اور احکام جدیدہ لانے والے ہوں۔ اور اس کے مقابل ان عبارتوں میں جو درج ذیل ہیں اپنے منکرین کو کافر قرار دیا ہے۔ لہذا آپ کا دعویٰ شریعت جدیدہ لانے کا ہے۔

(ا) "انہیں دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائیگی اور خدا اپنے مُنہ سے اس فرقہ کی حمایت کیلئے ایک کرنا بجائیگا اور اس کرنا کی آواز سے ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھنچا آئے گا بجز اُن لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں جو دوزخ کے بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۲)

(۲) "مجھے الہام ہوا ہے کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کریگا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا۔"

(معیار الاخیار ص۸ (ماخوذ از قادیانی مذہب)

(۳) "خدائے تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔" (از ذکر الحکیم عدد ۴ صفحہ ۲۴ مرتبہ ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب منقول از اخبار الفضل مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء)

(۴) "کفر دو قسم پر دال ہے: (اوّل) ایک یہ کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ وہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے، کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا، وہ بموجب نصوصِ

صریحۃً قرآن و حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰)

اور یہ نتیجہ پیش کرنا چاہا ہے کہ آپؑ نے تریاق القلوب میں کافر قرار دینا اُن نبیوں کی شان بتائی ہے جو صاحبِ شریعت اور احکامِ جدیدہ لانے والے ہوں اور اس کے مقابل مندرجہ بالا چار عبارتوں میں اپنے منکرین کو کافر قرار دیا ہے لہذا آپؑ کا دعویٰ شریعتِ جدیدہ لانے کا ہے۔

آخری عبارت جو حقیقۃ الوحی سے مولوی ابو الحسن صاحب ندوی نے پیش کی ہے، سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کفر کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ اوّل قسم کفر سرے سے اسلام کا انکار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کو قرار دیا ہے۔ جس سے انسان غیر مسلم کہلاتا ہے۔

آپؑ نے غیر از جماعت مسلمانوں کو کبھی اس قسم کا کافر قرار نہیں دیا۔ تریاق القلوب کی جو عبارت مولوی ابو الحسن صاحب ندوی نے پیش کی ہے اس کے الفاظ کافر قرار دینا ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکامِ جدیدہ لاتے ہیں کا منطوق حقیقۃ الوحی کے مندرجہ بالا حوالہ کی روشنی میں کفر قسم اوّل ہی ہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کو کفر قسم اوّل قرار دیا ہے۔

اس جگہ مسیح موعود کے منکر کو آپ نے کافر قسم دوم قرار دیا ہے کیونکہ آپ شریعت جدیدہ لانے والے نہیں تھے۔ اگر آپ کا شریعتِ جدیدہ لانے کا دعویٰ ہوتا تو آپ اپنے منکرین کو بھی کافر قسم اول قرار دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

لہٰذا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کے نزدیک غیراز جماعت مسلمان مسیح موعود کا انکار کر کے ملّتِ اسلامیہ کی چار دیواری میں داخل ہیں۔ کفر قسم دوم کی وجہ سے وہ غیر مسلم نہیں۔

پس جب آپؑ نے کفر کی دو قسمیں قرار دی ہیں قسم اول اسلام و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور قسم دوم مثلاً مسیح موعود علیہ السلام کا انکار، تو منطقی لحاظ سے اِن دونوں قسموں کو ایک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ایک حقیقت کی دو قسموں میں ہمیشہ تباین اور تضاد پایا جاتا ہے۔ انہیں گو اطلاق اور جنس کے لحاظ سے تو ایک قسم قرار دیا جا سکتا ہے مگر حقیقت میں وہ دونوں کفر کی الگ الگ نوعیتیں ہیں۔

قسم اول کا کفر شریعت جدیدہ کے انکار اور شارع نبی کے انکار سے لازم آتا ہے۔ اور دوسری قسم کا کفر غیر تشریعی نبی کے انکار سے لازم آتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چونکہ اپنے انکار کو کفر قسم اول قرار نہیں دیا۔ لہٰذا آپ پر شریعت جدیدہ لانے کا دعویٰ منسوب کرنا محض مولوی ابو الحسن ندوی کا افترا ہے۔

افسوس ہے کہ مولوی ابو الحسن صاحب نے حقیقۃ الوحی کا حوالہ پُورا درج نہیں کیا جس سے باقی تمام عبارتیں حل ہو جاتی ہیں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ نے حقیقۃ الوحی کی محولہ بالا عبارت سے آگے لکھا ہے:۔

"اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجّت ہو چکا ہے وہ قیامت کے دن مُؤاخذہ کے لائق ہوگا اور جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اتمامِ حجّت نہیں ہُوا اور وہ مکذّب و منکر ہے تو گو شریعت (یعنی شریعتِ محمدیہ) نے جس کی بناء ظاہر پر ہے اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی باتّباعِ شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں مگر پھر بھی وہ خدا کے نزدیک بموجب آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے قابلِ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ ہاں ہم اس بات کے مجاز نہیں کہ اس کی نجات کا حکم دیں۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے ہمیں اس میں دخل نہیں اور یہ علم محض خدا تعالیٰ کو ہے کہ اس کے نزدیک باوجود دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ اور عمدہ تعلیم اور آسمانی نشانوں کے کس پر ابھی تک اتمامِ حجّت نہیں ہُوا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۸۶)

اس سے پہلے ص۱۷۹ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"بہر حال کسی کے کفر اور اس پر اتمامِ حجّت کے بارے میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ اس کا کام ہے جو عالم الغیب ہے۔ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک جس پر اتمام حجّت ہو چکا ہے اور خدا کے نزدیک جو منکر ٹھہر چکا ہے وہ مؤاخذہ کے لائق ہو گا۔"

پس مولوی ابوالحسن صاحب کی اپنی کتاب کے صفحہ ۹۵ پر جنکے دوزخ میں پڑنے اور جہنمی ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد ایسے لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اتمام حجّت ہو چکا وہی آپ کے نزدیک عنداللہ قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ لیکن جن پر اتمام حجّت نہیں ہوا وہ عنداللہ قابلِ مؤاخذ یعنی دوزخی اور جہنمی نہیں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جب صاف لکھ دیا ہے :-

"کسی کے کفر اور اس پر اتمام حجّت کے بارے میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں ہے یہ اس کا کام ہے جو عالم الغیب ہے۔ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک جس پر اتمام حجّت ہو چکا ہے اور خدا کے نزدیک جو منکر ٹھہر چکا ہے وہ مؤاخذہ کے لائق ہو گا"

تو پھر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ان عبارتوں سے سب منکرین مسیح موعود علیہ السلام کو جہنمی قرار دینے کا نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں بلکہ ان ہر دو

عبارتوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حقیقۃ الوحی میں مندرج عبارت کی روشنی میں پڑھنا چاہیئے کہ جن منکرین پر خدا کے نزدیک حجت پوری ہو چکی وہ قابلِ مواخذہ ہوں گے اور جن پر عند اللہ حجت پوری نہیں ہوئی وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوں گے۔ اس بارہ میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں، یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے جو علام الغیوب ہے۔

تیسری عبارت میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ منکرین مسیح موعود کامل مسلمان نہیں۔ اس جگہ مسلمان ہونے کی علی الاطلاق نفی مراد نہیں بلکہ نفیٔ کمال مراد ہے جس پر آپ کا الہام "مسلماں را مسلماں را باز کردند" جو مسلمانوں کو پورا مسلمان بنانے کے ذکر پر مشتمل ہے شاہدِ ناطق ہے۔ آپ کے اس الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکرین مسلمانوں کا نام مسلمان ہی رکھا ہے اور سب احمدی اس الہام کے مطابق ان کا نام مسلمان ہی رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کے خلفاء نے کہیں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کرنے والے مسلمانوں کا نام غیر مسلم نہیں رکھا۔ کیونکہ مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کفر قسم دوم ہے نہ کفر قسم اوّل۔ آپ کے نزدیک کافر قسم اوّل وہ ہوتا ہے جو سرے سے اسلام کا انکار کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہ مانے۔ ہم مسیح موعودؑ کے منکرین مسلمانوں کو ہرگز ایسے کفر کا مرتکب

نہیں جانتے جو اسلام کے انکار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے پیدا ہوتا ہے۔ ہاں مسیح موعود علیہ السلام کے انکار کو ہم بعض دوسری بد عقیدگیوں میں سے جانتے ہیں جن کے انکار سے مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر مندرجہ حقیقۃ الوحی کے مطابق دوسری قسم کا کفر لازم آتا ہے جس سے ایک مسلمان کہلانے والا بوجہ کلمہ گو ہونے کے ملتِ اسلامیہ اور اُمتِ محمدیہ سے خارج نہیں ہو جاتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا شخص حقیقتِ اسلام کو سمجھنے سے دُور ہو جاتا ہے، جب تک خدا تعالیٰ اُسے روشنی عطا نہ فرمائے۔ اِسی مفہوم میں خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کہا تھا۔ گویا یہ الفاظ بطور تغلیظ کے تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَهٗ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔ (مشکوٰۃ)

کہ جو شخص ایک ظالم کے ساتھ اُسے قوت دینے چل پڑا وہ اسلام سے نکل گیا۔"

مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہیں کہ وہ بالکل مسلمان نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ظالم کی مدد کی وجہ سے گو وہ بظاہر مسلمان ہی سمجھا جائیگا مگر حقیقتِ اسلام سے دُور جا پڑتا ہے۔ آئینہ صداقت کی اس عبارت کی تصریح خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تحقیقاتی کمیشن

کے سامنے ایسی ہی کی تھی :-

"کافر کے یہ ہم ہرگز یہ معنی نہیں لیتے کہ ایسا شخص جو کہتا ہو کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں اسے کون کہہ سکتا ہے کہ تو نہیں مانتا۔ یا کافر کے ہم ہرگز یہ معنی نہیں لیتے کہ ایسا شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کہتا ہو کہ میں خدا تعالیٰ کو مانتا ہوں تو ایسے شخص کو کون کہتا ہے کہ تو خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ ہمارے نزدیک اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کفر ہے جس کے بغیر کوئی شخص حقیقی طور پر مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ کافر جہنمی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک کافر ہو اور وہ جنتی ہو۔ مثلاً منکر ہے نا واقفیت کی حالت میں ہی ساری عمر رہا ہو اور اس پر اتمام حجت نہ ہوئی ہو۔ گو ہم ایسے شخص کے متعلق یہی کہیں گے کہ وہ کافر ہے مگر خدا تعالیٰ اسے دوزخ میں نہیں ڈالے گا کیونکہ حقیقی دین کا اُسے کچھ علم نہ تھا۔ اور خدا ظالم نہیں کہ وہ بے قصور کو سزا دے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مندرجہ الفضل یکم مئی ۱۹۳۵ء)

پس مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کا پیش کردہ نتیجہ بالکل غلط ہے کہ منکرین مسیح موعودؑ کو کافر کہنے کی وجہ سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

شریعتِ جدیدہ لانے کے دعویدار ہیں۔ اگر بالفرض مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا مزعوم مسیح آجائے تو ہم اُن سے پوچھتے ہیں مسلمانوں میں اس کا انکار کرنے والا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ اگر وہ اس کے منکر کو کافر قرار دیں اور اس کو ایسا کہنا چاہیئے تو پھر مولوی صاحب بتائیں کیا وہ قرآن مجید کے بعد ایک جدید شریعت لانے کے مدعی قرار پائیں گے؟ اگر نہیں تو فقہی طور پر مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو بھی کہنا پڑے گا کہ مسیحِ موعود کا منکر کافر قسم دوم ہوگا نہ کافر قسمِ اوّل۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا مزعوم مسیح موعود شریعتِ جدیدہ لانے کے الزام سے تبھی بچ سکتا ہے کہ اُس کے انکار کو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی بھی کفر قسم اوّل قرار نہ دیں بلکہ کفر قسم دوم قرار دیں۔!

حقیقۃ الوحی کی عبارت میں دوسری قسم کا کافر حقیقۃً اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو باوجود شناخت کر لینے کے اور اس پر اتمام حجت ہوجانے کے آپ کو جھوٹا جانتا ہو۔ کیونکہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔"

پس جس پر اتمام حجت نہیں ہوا وہ اگر منکرِ مسیح موعود ہے تو اس میں کفرِ قسم دوم عنداللہ حقیقۃً نہیں پایا جائے گا۔ ہاں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں پر حجت پوری ہوگئی اور فلاں پر نہیں اس لئے منکرینِ

مسیح موعود کو یکساں ہی زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ رہا انکار پر مؤاخذہ کا معاملہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جو عالم الغیب ہے اور جو دلوں کے حالات کو خوب جانتا ہے۔

پس جب مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنے مزعوم مسیح موعود کے منکر کو کافر ٹھہرانے کے باوجود شریعت جدیدہ لانے کا مدعی نہیں جانتے اور نہ اس کے منکروں کو امامت صلوٰۃ کا حق دینے کے لیے تیار ہیں اور نہ ایسے شخص سے مناکحت جائز سمجھتے ہیں اور نہ ایسے شخص کا جنازہ پڑھنے کو تیار ہیں اور ان امور کو نئی شریعت لانا قرار نہیں دیتے تو بانی سلسلہ احمدیہ پر ان کو انہی امور کی وجہ سے شریعت جدیدہ لانے کا مدعی قرار دینے کا کیا حق ہے؟ یہ تو انصاف کے خون کے مترادف ہے کہ دینے کے لئے مولوی ابوالحسن صاحب اور پیمانہ استعمال کریں اور لینے کے لیے اور۔

مولوی ابوالحسن صاحب! جب اربعین میں مستقل طور پر صاحبِ شریعت ہونے کا ذکر موجود نہیں اور نہ کسی اور عبارت میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سارے لٹریچر میں مستقل صاحبِ شریعت یا مستقل نبی ہونے کا ذکر ہے بلکہ اس کی تردید موجود ہے تو پھر آپ نے کس طرح یہ نتیجہ نکال لیا کہ بانی سلسلہ احمدیہ مستقل صاحبِ شریعت ہونے کے مدعی ہیں۔؟ سبحانک ھٰذا بھتان عظیم۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مسیح موعود کا دعویٰ کسی کے مشورہ سے نہیں کیا

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ وغیرہ احادیث میں جو نزول ابن مریم کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اس میں ابن مریم کا لفظ بقرینہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ وبقرینہ وفات عیسیٰ علیہ السلام استعارہ کے طور پر ہے اور مراد ابن مریم سے مثیل مسیح ابن مریم ہے اور اس کا مصداق اُمّت میں سے آپ کا وجود ہے۔ اس طرح کہ آپ مثیلِ مسیح ہو کر اس پیشگوئی کا مصداق ہونے کی وجہ سے اُمّت کے لئے مسیح موعود ہیں۔ آپ نے مسیح موعود کی اس پیشگوئی کا مصداق ان الہامات الٰہیہ کی روشنی میں قرار دیا ہے جو درج ذیل ہیں:۔

اوّل۔ مسیح بن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر خدائی وعدہ کے مطابق تُو آیا ہے وَکَانَ وَعْدًا مَقْضِیًّا۔

دوم۔ جَعَلْنَاكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ کہ ہم نے تجھے مسیح بن مریم بنا دیا ہے۔

ان الہامات سے قبل آپؑ کا دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا تو تھا مسیح موعود ہونے کا نہ تھا۔ اور یہ دعویٰ براہین احمدیہ کے زمانہ سے تھا اور

یہ الہام الٰہی اَنتَ اَشَدُّ مُنَاسَبَۃً بِعِیسَی بنِ مَرْیَمَ خُلُقاً وَّ خَلقاً کی روشنی میں تھا۔ جب آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مندرجہ بالا دو الہامات کی بنا پر انکشاف ہو گیا کہ اُمّت میں مسیح بن مریم کے نزول کی پیشگوئی کا مصداق آپ ہی ہیں تو آپؑ نے بطور مثیل مسیح مسیح موعود ہونے کا اعلان فرما دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس دعویٰ کا سرچشمہ الہامات الٰہیہ ہیں نہ کسی کا کوئی اجتہادی امر۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپؑ کا یہ دعویٰ کسی انسان سے مشورہ لینے کے بعد نہیں۔ مگر مولوی ابوالحسن صاحب ندوی دُور کی کوڑی لائے ہیں اور انہوں نے آپؑ کے اس دعویٰ کا فکری سرچشمہ اور مجوز اور مصنف حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ مولوی ندوی صاحب اپنی کتاب قادیانیت کے صفحہ ۶۶ پر لکھتے ہیں:۔

"اسی سال (۱۸۹۱ء) کے آغاز میں حکیم صاحب نے ایک خط میں مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریں۔"

اور یہ بھی لکھا کہ:۔

"ہم کو حکیم صاحب کا اصل خط تو نہیں مل سکا لیکن مرزا صاحب نے اس خط کا جو جواب لکھا اس میں حکیم صاحب کے اس مشورہ کا حوالہ ہے۔ یہ خط ان کے مجموعہ مکاتیب

میں موجود ہے اور اس پر ۲۴ر جنوری ۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے۔ اس سے اس تحریک کے فکری سرچشمہ اور اسکے اصل مجوز اور مصنف کا علم ہوتا ہے۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ مسیح موعود کا اصل مجوز اور مصنف حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ کو قرار دینا چاہتے ہیں اور انہیں ہی تحریک احمدیت کا فکری سرچشمہ ٹھہراتے ہیں۔ مگر اس امر کے ثبوت میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے خط کا جو اقتباس پیش کیا ہے اس سے ان کے اس خیال کی تائید نہیں بلکہ تردید ہوتی ہے۔ خط کا پیش کردہ اقتباس قادیانیت ص۹۶ کے مطابق یوں ہے۔

"یہ جو کچھ آنمخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کی بنیاد کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے؟ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بننا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں شامل کر لیوے۔ لیکن ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقی کا ذریعہ صرف ابتلاء کو ہی رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔" (بحوالہ مکتوبات جلد پنجم نمبر۲ ص۸۵)

یہ اقتباس دیکر ندوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"اس مشورہ کے حقیقی اسباب و محرکات کیا تھے؟ کیا یہ حکیم صاحب کی دُور بینی اور دُور اندیشی اور حوصلہ مند طبیعت ہی کا نتیجہ تھا یا یہ حکومتِ وقت کے اشارہ سے تھا جس کو ماضی قریب میں حضرت سیّد صاحب کی دینی و رُوحانی شخصیت اور ان کی تحریک و دعوت سے بڑا نقصان پہنچ چکا تھا اور اسی دَور میں مہدی سوڈانی کے دعویٔ مہدویت سے سوڈان میں ایک زبردست شورش اور بغاوت پیدا ہو چکی تھی۔ اس سب کے توڑ اور آئندہ کے خطرات کے سدِ باب کے لئے یہی صورت مناسب تھی کہ کوئی قابلِ اعتماد شخصیت جس نے مسلمانوں میں اپنی دینی خدمات اور جوشِ مذہبی سے اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہو مسیح موعود کے دعوے اور اعلان کے ساتھ کھڑی ہو اور وہ مسلمان جو ایک عرصہ سے مسیح موعود کے منتظر ہیں اس کے گرد جمع ہو جائیں۔ ہم وثوق کے ساتھ ان میں سے کسی ایک چیز کی تعیین نہیں کر سکتے اور نہ اسباب و محرکات کا پتہ لگانا آسان ہے لیکن اس خط سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس تحریک کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔"

(قادیانیت صفحہ ۶۹-۶۸)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاء ومرسلین کی بعثت کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے نہیں پاتا۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور ان کو ان کے منصب اور مقام کی قطعی اور پوری خبر دی جاتی ہے اور وہ یقین سے سرشار ہوتے ہیں۔ اور پہلے دن سے ہی اس کا اعلان اور اس پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کے عقیدہ اور دعوت کا سلسلہ کسی تجویز یا رہنمائی کا رہینِ منت نہیں ہوتا۔ ان کا پہلے دن سے کہنا ہوتا ہے وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ مجھے اسی کا حکم ہے اور میں اس کا پہلا یقین کرنے والا ہوں۔

خط کا اقتباس دے کر تو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے دعویٔ مسیح موعود کا اصل مجوّز اور مصنف اور تحریک کا فکری سرچشمہ حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ کو قرار دیا ہے لیکن اقتباس کے بعد وہ خود اس بات پر قائم نہیں رہے اور یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ حکیم صاحب کی دُوربینی، دُوراندیشی یا حوصلہ مند طبیعت کی وجہ سے تھا یا حکومتِ وقت کے اشارہ سے تھا۔ اور آخر میں یہ لکھتے ہیں کہ انبیاء اور مرسلین کا معاملہ ان خارجی تحریکات اور مشوروں سے الگ ہے۔ ان کو آسمان سے وحی ہوتی ہے، ان کو ان کے منصب ومقام کی قطعی اور واضح خبر دی جاتی ہے۔

ہم اس مضمون کے شروع میں بانی سلسلہ احمدیہؑ کی وہ وحی درج کر چکے ہیں جو مسیح موعود کے دعویٰ کے متعلق آپؑ پر آسمان سے نازل ہوئی۔ جس میں اُن کو اُن کے منصب و مقام کی واضح طور پر خبر دی جا چکی ہے کہ آپؑ مسیح ابن مریم کی پیشگوئی کا مصداق ہیں اور مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے اور آپ اس کے رنگ میں رنگین ہو کر خدا کے وعدہ کے موافق آئے ہیں۔ اس سے قبل جب آپؑ پر مثیل مسیح ہونے کا انکشاف ہوا تھا تو اپنے الہام فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے مطابق آپؑ نے شروع میں ہی کھول کر اس کا اعلان کر دیا۔ جب یہ انکشاف ہوا کہ مثیل مسیح ہی مسیح موعود ہے تو پھر آپؑ نے اس کا بھی اعلان کر دیا۔ جیسے جب پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا انکشاف وحی کے ذریعہ ہوا تو آپؐ نے اپنے آپ کو نبی اور رسول کی حیثیت سے پیش کیا اور جب کافی عرصہ بعد آپؐ پر بذریعہ وحی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کا انکشاف ہوا تو اس وقت آپؐ نے اس کا بھی اعلان کر دیا۔ پس خدا کے مامورین خدا کے بُلانے سے بولتے ہیں، بن بُلائے نہیں بولتے اور نہ اپنی طرف سے کوئی دعویٰ کرتے ہیں۔

یہ خیال سراسر جھوٹ ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے کسی مشورہ سے یا گورنمنٹ کے اشارہ سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے دعویٰ کیا۔ حضورؑ کے جس خط کا اقتباس ندوی صاحب نے نقل کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ

نے آپؑ کو از خود ایک مشورہ دیا تھا اور وہ یہ مشورہ نہ تھا کہ آپ مسیح موعود کا دعویٰ کریں یا مثیلِ مسیح کا دعویٰ کریں مثیلِ مسیح کا دعویٰ تو آپؑ براہین احمدیہ کے زمانہ میں کر چکے تھے اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ آپ کے اس دعویٰ پر اطلاع بھی پا چکے تھے۔ وہ تو آپؑ کو صاف یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ آپ اپنے تئیں دمشقی حدیث کا مصداق نہ قرار دیں اس سے لوگوں کو ابتلاء آ جائے گا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا مشورہ ردّ کر دیا اور زوردار الفاظ میں یہ فرمایا اور لکھا کہ ہم ابتلاء سے بھاگ نہیں سکتے۔

عجیب بات ہے کہ ندوی صاحب کو خود اس بات کا اعتراف بھی ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

> "مرزا صاحب نے جس انداز میں حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے اور ان کے خط سے جس کسرِ نفسی خشیت اور تواضع کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔
>
> (قادیانیت صفحہ ۴)

اس عبارت تک مولوی ندوی صاحب نے مستشرقین کی طرز پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے مشورہ

کو قبول کرنے سے معذرت کا ذکر کر کے آپؑ کی تعریف کی ہے۔ اب آگے دیکھئے وہ اس مٹھائی میں زہر ملاتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"لیکن ان کی کتابوں کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ تاثر اور حقیقت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔" (قادیانیت صفحہ ۶۵)

واضح ہو کہ مولوی ندوی صاحب کو مسلّم ہے کہ وہ مکتوب جو انہوں نے نقل کیا ہے اُس پر ۲۴ر جنوری ۱۸۹۱ء درج ہے۔ (قادیانیت صفحہ ۶۷)

اِس خط سے اُنہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے مولوی نورالدین صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کر دی تھی۔ یاد رہے کہ تجویز یہ تھی کہ دمشقی حدیث کا اپنے آپکو مصداق قرار نہ دیں۔ تجویز یہ نہ تھی کہ اپنے آپ کو مثیلِ مسیح قرار دیں یا مسیح موعود کا دعویٰ کر دیں۔ کیونکہ یہ دعاوی تو آپؑ کے موجود تھے۔ تجویز قبول کئے جانے سے معذرت کے اعتراف کے باوجود اب تجویز قبول کر لینے کی دلیل مولوی ندوی صاحب یہ دیتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف فتح اسلام میں "ہم پہلی مرتبہ ان کا یہ دعویٰ پڑھتے ہیں کہ وہ مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہیں۔"

مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے جو خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا ہے وہ آپؑ کے دعویٰ مسیح موعود

پر اطلاع پانے کے بعد لکھا ہے اور اس کی اطلاع پانے پر ہی حضرت مولوی صاحبؓ نے از خود یہ مشورہ دیا کہ دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر مثیلِ مسیح کا دعویٰ کیا جائے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو یہ لکھنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی تھی کہ اب اس مثیلِ مسیح کو ہی حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ اپنے الہام کی بناء پر مسیح موعود قرار دے رہے تھے۔ ورنہ مطلق مثیلِ مسیح کا دعویٰ تو اس سے بہت پہلے آپؑ پیش کر چکے ہوئے تھے۔

پس حضرت مولوی صاحبؓ کا یہ مشورہ نہ تھا کہ آپ مسیح موعود کا دعویٰ کریں بلکہ یہ مشورہ تھا کہ آپؑ اپنے آپ کو دمشقی حدیث کا مصداق نہ ٹھہرائیں۔ یہ مشورہ حضورؑ نے نہیں قبول کیا بلکہ بقول ندوی صاحب حضورؑ نے اس کے ماننے سے معذرت کی۔ اسلئے ندوی صاحب کا یہ لکھنا غلط ہے کہ :-

"اچانک معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے مولوی نورالدین صاحب کی تجویز کو قبول کر لیا۔"

ندوی صاحب کی تضاد بیانی

اور عجیب بات ہے کہ اب تجویز ندوی صاحب نے یہ بنائی ہے کہ گویا مولوی نورالدین صاحبؓ نے حضرت مرزا صاحبؑ کو دعویٰ مسیح موعود کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اور پھر حضرت مرزا صاحب کی کتاب فتح اسلام

میں مسیح موعود کا دعویٰ دیکھ کر یہ کہہ دیا ہے کہ دیکھو مرزا صاحب نے مولوی نور الدین صاحب کی تجویز قبول کر لی ہے۔ مولوی ندوی صاحب کے یہ متضاد بیانات سراسر کتمانِ حق پر روشن دلیل ہیں۔ اگر بقول ندوی صاحب فتح اسلام کی اشاعت کے وقت حضرت مرزا صاحبؑ نے حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کا مشورہ یا تجویز قبول کر لی تھی تو پھر چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ اپنے آپ کو ۱۸۹۱ء میں دمشقی حدیث کا مصداق قرار نہ دیتے۔ کیونکہ یہی تجویز حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے پیش کی تھی کہ آپ کو مثیل مسیح یعنی مسیح موعود کے دعویٰ کا اظہار دمشقی حدیث کو الگ رکھ کے کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف "ازالہ اوہام" میں آپؑ نے دمشقی حدیث کا اپنے تئیں مصداق قرار دیا ہے۔ اس حدیث کا مصداق قرار دینے پر ازالہ اوہام کا صہ۶۳ تا صہ۷۳ حاشیہ شاہد ناطق ہے۔ اس میں سے ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

"صحیح مسلم میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید شرقی کے پاس اُتریں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب خدا ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدالطبع اور یزید پلید کی عادات و خیالات کے پیرو ہیں۔" (صہ۷)

آگے حاشیہ صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں :۔

"قادیان کی نسبت مجھے الہام ہوا کہ اُخْرِجَ مِنْهُ الْيَزِيدِيُّوْنَ کہ اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔"

اس کے بعد ایک اور الہام اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيبًا مِنَ الْقَادِيَانِ درج کرکے لکھا ہے :۔

"اب ایک نئے الہام سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ قادیان کو خدا تعالیٰ کے نزدیک دمشق سے مشابہت ہے۔"

پھر اس الہام کی تفسیر میں آگے لکھا ہے :۔

"اس کی تفسیر یہ ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيباً مِنْ دِمَشْقَ بطرف شرقي عند المنارة البيضاء[1] کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے مشرقی کنارہ پر ہے۔"

(ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۷۳، صفحہ ۷۵)

ازالہ اوہام کے ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ اور تجویز کو بالکل قبول نہیں کیا کہ دمشقی حدیث کو اپنے اُوپر چسپاں نہ کیا جائے۔ بلکہ اس مشورہ کو رد کرکے واضح طور پر اس حدیث کو

---

[1] ترجمہ۔ بے شک ہم نے اسے دمشق کے قریب شرقی جانب منارة البيضاء کے پاس نازل کیا ہے۔

اپنے اُوپر چسپاں کیا ہے اور قادیان کو اپنے الہامات کی روشنی میں بطور استعارہ دمشق سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا مشورہ صرف یہ تھا کہ مثیلِ مسیح کے دعویٰ کو دمشقی حدیث سے علیحدہ رکھنا چاہیئے کیونکہ لوگوں کو ابتلاء آنے کا ڈر ہے۔ مگر حضورؑ نے ان کے مشورہ کو ردّ کرتے ہوئے ابتلاء کے بارہ میں یہ مومنانہ جواب دیا:۔

"ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلاء کو ہی رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔"

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۲۸۵)

مثیلِ مسیح کا دعویٰ کتاب فتح اسلام سے پہلے کیا گیا تھا

پھر اس بات کا ثبوت کہ مثیلِ مسیح کا دعویٰ فتح اسلام میں ہی نہیں کیا گیا بلکہ یہ دعویٰ اس سے پہلے بھی موجود تھا یہ ہے کہ ازالہ اوہام میں حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ مَیں مسیح ابن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام مجھ پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔ بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر

بھی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں۔"

(ازالہ اوہام جلد اوّل ص ۱۹۰)

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۹۱ء سے جبکہ ازالہ اوہام شائع ہوئی سات آٹھ سال پہلے سے آپ کو دعویٰ مثیلِ مسیح کا موجود تھا۔ چنانچہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں موجود ہے جو ۱۸۸۴ء کی کتاب ہے۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔۔۔۔۔۔ سو چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۴۹۹)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ازالہ اوہام میں آپ کا یہ لکھنا بالکل درست ہے کہ گویا ۱۸۹۱ء سے ۷-۸ سال پہلے سے آپ کا مثیلِ مسیح کا دعویٰ موجود تھا۔ اس اقتباس سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مسیح کی آمد کی پیشگوئی میں شریک ہونے کے دعویدار تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ کیونکہ

رسمی عقیدہ کے طور پر آپؑ خود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کی دوبارہ اصالتاً آمد کے قائل تھے۔

مسیح موعود کا دعویٰ الہامات کی بناء پر ہے نہ کہ مشورہ کی بناء پر

۹۱-۱۸۹۰ء میں آپؑ کے دعویٰ مثیلِ مسیح کے ساتھ جو پہلے سے موجود تھا آپؑ پر یہ انکشاف ہو گیا:-

"مسیح بن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔ وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۶۱)

نیز آپؑ پر یہ الہام بھی نازل ہو گیا:-

"جَعَلْنَاكَ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ"

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۳۲)

تو آپؑ نے سمجھ لیا کہ مسیح بن مریم کی پیشگوئی مسیح کی اصالتاً آمد سے پوری ہونے والی نہ تھی کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپؑ کو بطور استعارہ اب مسیح بن مریم بھی قرار دیا ہے اور حقیقی مسیح بن مریم کی وفات کی خبر بھی دی ہے اور مسیح کی آمدِ ثانی کا وعدہ خدا کے نزدیک آپؑ سے ہی متعلق تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی مثیلِ مسیح کے دعویٰ کو ۱۸۹۱ء سے قرار دیتے ہیں حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں ۱۸۸۲ء سے موجود تھا۔ پس حقیقت یہ

ہے کہ سنہ ۱۸۹۱ء میں مثیلِ مسیح کے دعویٰ کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے
ترک نہیں کیا بلکہ الہامات جدیدہ کی روشنی میں آپؑ نے اپنے تئیں
مثیلِ مسیح جانتے ہوئے ہی مسیح موعود قرار دیا ہے اور حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی اصالتاً آمدِ ثانی کا خیال الہاماتِ الٰہیہ کی روشنی میں
ان الہامات کو قرآن پر پیش کرنے اور اس سے موافق پانے کے بعد
ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ آپؑ حقیقۃ الوحی میں لکھتے ہیں :-

"اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا۔
اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے
دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما
ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان
سے نازل ہوں گے اسلئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل
کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی
رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اس کو براہین احمدیہ میں شائع
کیا۔ لیکن بعد اس کے اِس بارہ میں بارش کی طرح وحی
نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تُو ہی ہے۔
اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و
آسمان دونوں میری تصدیق کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور
خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف
لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں ورنہ

میرا اعتقاد تو وہی تھا جو مَیں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہو گیا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح کے نام پر اسی اُمت میں سے آئے گا اور جیسا کہ جب دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اس بات کے لئے مجبور کر دیا کہ مَیں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو۔ مجھے اس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی۔ مَیں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اُس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ مَیں نے چاہا کہ مَیں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں مگر اس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام دُنیا میں عزت کیساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ اس خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا۔ میرا اس میں کیا قصور؟ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹)

اس اقتباس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مسیح موعود کا دعویٰ اپنے الہامات کی بنا پر ہے جو قرآن کریم اور

احادیثِ نبویہ سے مطابقت رکھتے ہیں نہ کہ کسی شخص کی کسی تجویز اور اس کے مشورہ سے خواہ وہ حضرت مولوی نور الدین ہوں یا کوئی اور۔ مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کے افکار میں صریح تضاد ہے۔ کبھی تو وہ کہتے ہیں مرزا صاحب نے حکیم نور الدین کی تجویز کو قبول کر لیا اور مثیل مسیح کا دعویٰ کر دیا اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کی تجویز قبول کرنے سے معذرت کی اور ساتھ ہی یہ بھی تیر لگا دیتے ہیں :-

"اس مشورہ کے حقیقی اسباب و محرکات کیا تھے؟ کیا یہ حکیم صاحب کی دُور بینی اور دُور اندیشی یا حوصلہ مند طبیعت ہی کا نتیجہ تھا یا یہ حکومتِ وقت کے اشارہ سے تھا۔"

(قادیانیت صفحہ ۶۷)

مسیح موعود کا دعویٰ حکومت کے اشارہ سے نہ تھا

یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب کے مشورہ کو آپ نے رد کر دیا تھا اور ان کے مشورہ کے برعکس اپنے آپ کو دمشقی حدیث کا مصداق قرار دیا تھا۔ اور یہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ آپ کا مثیل مسیح یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اپنے الہامات کی بنیاد پر تھا۔ لہٰذا اب کسی ایسے شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ کا یہ دعویٰ حضرت مولوی نور الدین صاحب کی دُور اندیشی یا حکومتِ وقت کے اشارہ سے تھا۔

یہ تو واضح ہو چکا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا مشورہ دمشقی حدیث کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے قبول نہیں کیا تھا۔ اور یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ انگریز عیسائی حکومت آپ کو مثیل مسیح یا مسیح موعود کا دعویٰ کرنے کا اشارہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ ایسا دعویٰ اُن کے عقائد کے صریح خلاف تھا۔ انگریزی حکومت عیسائی تھی اور پراٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح نے صلیب پر جان دی اور وہ ان کی صلیبی موت پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفارہ ہوئے۔ وہ تین دن کے بعد جی اُٹھے اور پھر آسمان پر چڑھ گئے۔ اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور وہ خود ہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے اور قوموں کے درمیان عدالت کریں گے۔ عیسائی حکومت یہ عقاید رکھتے ہوئے ایک مسلمان کو یہ اشارہ کرے کہ تم مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دو کس طرح اپنے مذہب پر تبر رکھ سکتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان تو موحد ہیں اور مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اگر ایک مسلمان ایسے دعویٰ میں کامیاب ہو جائے تو عیسائیت کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ پس یہ کہنا مولوی ندوی صاحب کی دماغی اختراع کا نتیجہ ہے کہ آپ نے انگریزی حکومت کے اشارہ سے مسیح موعود کا دعویٰ کیا کیونکہ ایسا دعویٰ صریحاً انگریزی حکومت کے مذہبی عقائد کے خلاف تھا۔ اور ایک مسلمان کے ہاتھوں ایسے دعویٰ سے صلیبی مذہب کا پاش پاش ہونا لازم تھا۔ انگریزی حکومت اتنی بیوقوف

نہ تھی کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف ایسا اقدام کرتی۔ پس ندوی صاحب کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے جو تعصب ہے وہ اُن سے ایسی متضاد اور بے سروپا باتیں لکھوا رہا ہے جس کا ثبوت اُن کے پاس موجود نہیں۔

جب ابوالحسن صاحب ندوی کے خیالاتِ واہیہ کی تردید ہو گئی تو اب اُن کا فرض ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق انہوں نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ :-

> "اُن کے خط سے جس کسر نفسی، تواضع اور خشیت کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں قابلِ قدر اضافہ ہوتا ہے۔"

ان کے مطابق آپ کی عظمت کا اعتراف کریں۔ وہ اپنی کتاب قادیانیت کے صفحہ ۱۴۷ پر خود ایک ایسا حوالہ براہین احمدیہ سے درج کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ میں آپ نے مثیلِ مسیح کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ وہ اقتباس یہ ہے :-

> "یہ عاجز حضرت قادرِ مطلق جلّ شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری۔ اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاحِ خلق کے لئے کوشش کرے۔"
>
> (اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ)

پس یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ مثیلِ مسیح اور

مسیح موعود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور جس دن وہ مامور ہوئے انہوں نے اصلاحِ خلق کے لئے اپنی ماموریت کا اعلان کر دیا تھا اور آپ پر یہ الہام بھی نازل ہوا۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ کُلُّ بَرَکَۃٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔

(براہین احمدیہ)

عقیدہ بروز

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تین عبارات عقیدۂ تناسخ و حلول کے عنوان کے تحت درج کی ہیں اور ان کے درج کرنے سے پہلے لکھا ہے:۔

"مرزا صاحب کی بعض عبارتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ تناسخ و حلول کے بھی قائل تھے۔ اور ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی روح اور حقیقت ایک دوسرے کے جسم میں ظہور کرتی رہی ہے"

درج کردہ اقتباسات میں سے بعض ادھورے پیش کئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات میں مسئلہ بروز بیان ہوا ہے نہ کہ تناسخ۔ حوالہ جات کی وضاحت کرنے سے پہلے ہم بروز کی حقیقت بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) شیخ محمد اکرم صاحب صابری اپنی کتاب "اقتباس الانوار" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"روحانیت کمّل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرف می فرماید کہ فاعل افعال شاں می گردد۔ وایں مرتبہ را صوفیاء بروز می گویند۔"

ترجمہ:۔ کامل لوگوں کی رُوحانیت کبھی ارباب ریاضت پر ایسا تصرّف کرتی ہے کہ وہ رُوحانیت ان کے افعال کی فاعل ہو جاتی ہے۔ اس مرتبہ کو صوفیاء بروز کہتے ہیں۔

اس کے بعد وہ بروز اور تناسخ میں فرق یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"و فرق بین التناسخ و البروز آنست کہ کفار علیہم اللعنۃ بر آں رفتہ اند چوں رُوح از بدن عنصری انتقال نماید و نطفے کہ حمل چہار ماہہ داشتہ باشد در رحم او نزول نمودہ وجودِ جدید موافق معتاد اہلِ عالم گرفتہ ظاہر مے شود و ایں را تناسخ مے گویند و آں مطلق باطل است۔ و بروز آں را نامند کہ روحانیت کمل در بدن کامل تصرف نماید و فاعل افعال او شود۔ چنانچہ ذاتِ الوہیت بصورت آتش بر شجرہ موسیٰ تجلی کرد و بلسانِ حال فرمود اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہ۔ و میر سید حسن سادات در شرح فصوص الحکم مے نویسد کہ نزدِ محققاں محقق است محمد بود کہ بصورتِ آدم مبدءِ ظہور نمودہ ہم او باشد

درآخر بصورتِ خاتم ظاہر گردد و ایں را بروزاتِ کمّل گویند نہ تناسخ"۔

ترجمہ۔ تناسخ و بروز میں فرق یہ ہے کہ کفار علیہم اللعنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب روح بدنِ عنصری سے انتقال کرتی ہے تو جس عورت کا حمل چار ماہ کا ہو اس کے رحم میں اتر کر نیا وجود اہلِ دنیا کی عادت کے موافق اختیار کر کے ظاہر ہو جاتی ہے اس کو تناسخ کہتے ہیں اور یہ بالکل باطل ہے۔ اور بروز اسے کہتے ہیں کہ کامل لوگوں کی روحانیت کسی کامل بدن میں تصرف کرے اور اس کے کاموں کی فاعل ہو جائے۔ جیسا کہ ذاتِ خداوندی نے آگ کی صورت میں موسیٰ کے درخت پر تجلّی کی اور زبانِ حال سے فرمایا میں ہی اللہ ہوں۔ اور میر سید حسن سادات شرح فصوص الحکم لکھتے ہیں کہ محققین کے نزدیک یہ امر محقق ہے کہ محمد ہی تھا جس نے آغازِ دنیا آدم کی صورت میں ظہور کیا اور وہی ہوگا جو آخر میں بصورتِ خاتم ظاہر ہوگا۔ اور اسے بروزاتِ کمّل کہتے ہیں نہ تناسخ۔

(۲) مشہور صوفی خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں شریف فرماتے ہیں:۔

والبروزان یُفیضَ رُوحٌ من ارواحِ الکمّلِ علی کاملٍ کما یُفیضُ علیہ التجلّیاتُ و ہو یصیرُ مظہرہٗ ویقولُ انا

ھو۔" (ارشاداتِ فریدی حصّہ دوم)

ترجمہ:۔ بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا افاضہ ہوتا ہے اور وہ کامل اس فیضِ روح کا مظہر بن جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

(۳) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ھٰذا وجود جدّی محمّد صلی اللہ علیہ وسلم لاوجود عبد القادر"

(گلدستہ کرامات مؤلفہ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلوی صفحہ)

ترجمہ:۔ یہ میرے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے نہ عبدالقادر کا وجود۔

اس عبارت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے بطور بروز کے ہی اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے۔ یہ بروز کا مسئلہ صوفیاء میں مسلّم ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے وجود کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بن جانا ان کے فنا فی الرسول ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بطور استعارہ کے انہوں نے اپنے وجود کی نفی کرکے اپنے اس وجود کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے۔

استعارہ اور بروز میں فرق یہ ہے کہ استعارہ عام ہے اور بروز

خاص۔ یعنی بروز میں افاضۂ روحانیت ضروری ہوتا ہے اور استعارہ اس سے وسیع معنی رکھتا ہے۔ یعنی افاضۂ روحانیت ہو یا نہ ہو استعارہ کی صورت میں مشابہت تامہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ گویا کہ مستعار وجود مستعار منہ کا وجود بن گیا۔ حدیثوں میں جو مسیح ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی ہے اس سے بعض علماء محققین نے مسیح کا بروزی ظہور ہی مراد لیا ہے۔ چنانچہ اقتباس الانوار میں شیخ محمد اکرم صاحب صابری لکھتے ہیں:۔

"بعضے برآنند کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث کہ لَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ"

(اقتباس الانوار صفحہ ۵۲)

ترجمہ:۔ بعض کا یہ مذہب ہے کہ روح (روحانیت) عیسیٰ مہدی میں بروز کرے گی۔ اور نزولِ عیسیٰ سے مراد یہی بروز ہے مطابق اس حدیث کے کہ نہیں کوئی مہدی مگر عیسیٰ ابن مریم۔

امام سراج الدین ابن الوردی نے بھی لکھا ہے:۔

قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِیْسٰی خُرُوْجُ رَجُلٍ یُشْبِهُ عِیْسٰی فِی الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَیْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّیْرِ شَیْطَانٌ تَشْبِیْهًا بِهِمَا وَلَا یُرَادُ

صفحہ ۲۱۴

الْاَعْیَان۔" (خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب

مطبوعہ التقویم العلمی۔ مصر)

ترجمہ:۔ ایک گروہ نے نزولِ عیسیٰ سے ایک ایسے

شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام

سے مشابہ ہو گا۔ جیسے تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو

فرشتہ اور شریر کو شیطان کہہ دیتے ہیں مگر اس سے

مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

علامہ میبذی بھی شرح دیوان میں لکھتے ہیں:۔

"رُوحِ عیسیٰ علیہ السلام در مہدی علیہ السلام بروز کند

ونزولِ عیسیٰ این بروز است۔"

(غایۃ المقصود صـ۲۱)

ترجمہ:۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح یعنی روحانیت

مہدی علیہ السلام میں بروز کرے گی۔ اور نزولِ عیسیٰ سے

یہ بروز مراد ہے۔

رُوح سے مراد اس جگہ مجازاً روحانیت ہے۔ کیونکہ بروزی صورت

میں روحانیت کا مورد بروز میں ظہور ہوتا ہے نہ کہ روح کا اعادہ۔

پس بروز کا مسئلہ صوفیاء میں مسلّم ہے۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں

بروز تناسخ سے بالکل مختلف امر ہے۔ تناسخ میں یہ مانا جاتا ہے کہ ایک

مُردہ کی اصل روح ایک دوسرے جسم میں حلول کرے۔ اور بروز میں

یہ مانا جاتا ہے کہ ایک کامل بزرگ کی رُوح بلحاظ روحانیت کے ایک دوسرے وجود میں افاضہ کرے اور اس مفیض رُوح کی حقیقت یعنی صفات نہ کہ خود رُوح مورد بروز سے متحد ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تناسخ اور بروز میں بُعد المشرقین ہے۔ تناسخ میں مُردہ کی رُوح بعینہٖ دوسرے جسم میں حلول کرتی ہے اور بروز میں ایک کامل روحانی شخص کی رُوح اس طرح افاضہ کرتی ہے اور مورد بروز میں ویسی ہی روحانیت پیدا ہو جاتی ہے جو اصل میں پائی جاتی ہے۔ اس طرح روحانیت میں دونوں وجود متحد ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے اور مورد بروز یہ کہتا ہے کہ میں وہی ہوں حالانکہ وہ اصالتاً وہی نہیں ہوتا بلکہ صرف استعارہ اور بروز کے طور پر وہی کہلاتا ہے۔ اسی امر کو صوفیاء نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

من تو شدم تو من شدم　　من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے:-

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ؕ

یہ مٹھی جب تُو نے پھینکی تو اسے تُو نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا ہے

یہ آیت تصوّف کی جان ہے اور اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہاتھ کو خدا کا ہاتھ بروزی طور پر قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر خدا کے ہاتھ کا ایسا فاضفہ ہوا۔ آپ کے اس ہاتھ سے خدا کی قدرت ظاہر ہوگئی اور ایک زبردست صفتِ الٰہی کی تجلّی کا دنیا نے مشاہدہ کیا۔ اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بروزی طور پر خدا کا مظہر ہونے کی وجہ سے خدا کا ہاتھ قرار دیا گیا ہے۔

پس جو لوگ خدا کے وجود میں فنا ہو جاتے ہیں وہ عالم فنائیت میں یہاں تک کہہ اُٹھتے ہیں کہ وے من گشت و من وے (دیوان معین الدین چشتی) کہ خدا میں بن گیا اور میں وہ یعنی خدا ہو گیا۔

حضرت معین الدین چشتی کی یہ کیفیت بھی بروزی تھی۔ اور بروز کا مسئلہ جس طرح قرآن کریم سے ثابت ہے ویسے ہی حدیث نبوی سے بھی ثابت ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی میں وارد ہے:۔

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أَحْبَبْتُهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔

ترجمہ۔ خدا فرماتا ہے میرا بندہ نوافل سے میرا مقرب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا

ہے۔ اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اس حدیث میں فنا فی اللہ کی حالت میں خدا کا بروزی ظہور ہی مراد ہے ورنہ بندہ اصالتاً خدا نہیں بن جاتا۔ ہاں الٰہی طاقتوں کی حقیقت بروزی طور پر اس فانی فی اللہ وجود پر افاضہ کرتی ہے۔ اور وہ شخص ان طاقتوں کا مظہر بن جاتا ہے۔ پس مظہریت اور بروز کا مسئلہ جیسا کہ صوفیاء بیان کرتے ہیں اسلامی تعلیم سے ثابت ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب کے پہلے پیش کردہ حوالہ جات کی تشریح

ذیل میں ہم ان حوالہ جات کی تشریح پیش کرتے ہیں جن کی بناء پر مولوی ابوالحسن صاحب نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ پر تناسخ کے قائل ہونے کا الزام دیا ہے۔

حوالہ اوّل

"غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دَوریہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبد اللہ پسر عبد المطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمدؐ کے نام سے پکارا گیا۔"

(تریاق القلوب ص۱۵۵) (قادیانیت ص۱۰۳)

افسوس ہے کہ یہ اقتباس سیاق بریدہ ہے۔ اگر مولوی ابوالحسن صاحب

آگے پیچھے کی عبارتیں درج کر دیتے تو ہر شخص سمجھ سکتا تھا کہ اس عبارت میں حضرت ابراہیمؑ کے عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لینے اور محمدؐ کے نام سے پکارا جانے کا مطلب یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروری طور پر ابراہیم ہیں نہ کہ آپؐ کے جسم میں ابراہیم علیہ السلام کے رُوح نے تناسخ کے طور پر حلول کیا ہے۔ اس عبارت سے اگلے الفاظ یہ ہیں:۔

> "اور مراتب وجود کا دَوریہ ہونا قدیم سے اور جب سے دنیا پیدا ہوئی سُنّت اللہ میں داخل ہے۔ نوعِ انسان میں خواہ نیک ہوں یا بد ہوں عادت اللہ ہے کہ ان کا وجود خُو اور طبیعت اور تشابہ فی القلوب کے لحاظ سے بار بار آتا ہے۔"

پس اس عبارت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو ابراہیمؑ کا وجود محض خُو، طبیعت اور تشابہ قلوب کے لحاظ سے قرار دیا گیا ہے نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی رُوح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں حلول کرنا بیان کیا ہے۔

اسی مضمون کی تفصیلی وضاحت حوالہ سے متقدم عبارت میں یوں بیان کی گئی ہے۔ تریاق القلوب کے صفحہ ۱۵۵ پر یہ مضمون یوں چلتا ہے:۔

> "یہ بات اہل حقیقت اور معرفت کے نزدیک مسلّم ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں یعنی نوعِ انسان میں سے بعض

بعض کی خو اور طبیعت پر آتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلی کتابوں سے ثابت ہے کہ ایلیا یحییٰ نبی کی خو اور طبیعت پر آ گئے۔*

---

* یہاں آپ حاشیہ پر فرماتے ہیں :۔

" یہ سچا امر ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خو بہ طبیعت پر آ گئے تھے۔ مثلاً جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید سے محبت کر کے اپنے تئیں آگ میں ڈال لیا اور پھر قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا کی آواز سے صاف بچ گئے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تئیں توحید کے پیار سے اس فتنہ کی آگ میں ڈال لیا۔ جو آنجناب کی بعثت کے بعد تمام قوموں میں گویا تمام دنیا میں بھڑک اٹھی تھی۔ پھر آواز وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ سے جو خدا کی آواز تھی اس آگ سے صاف بچائے گئے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا جو خانہ کعبہ میں رکھے گئے تھے جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے بھی بتوں کو توڑا اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ خانہ کعبہ کے بانی تھے ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کی طرف تمام دنیا کو جھکانے والے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی طرف جھکنے کی بنیاد ڈالی تھی لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنیاد کو پورا کیا۔ آپؐ نے خدا کے فضل اور کرم پر ایسا توکل کیا کہ ہر ایک طالبِ حق کو چاہیئے کہ خدا پر بھروسہ کرنا آنجناب سے سیکھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم میں پیدا ہوئے تھے جس میں توحید کا نشان

دوسرا حوالہ | مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کا پیش کردہ دوسرا اقتباس یہ ہے کہ:-

"اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہمارے نبی

[illegible] ۴۹

نہ تھا اور کوئی کتاب نہ تھی۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس قوم میں پیدا ہوئے جو جاہلیت میں غرق تھی۔ اور کوئی ربانی کتاب اُن کو نہیں پہنچی تھی۔ ۔۔۔ اور ایک یہ مشابہت ہے کہ خدا نے ابراہیمؑ کے دل کو خوب دھویا اور صاف کیا تھا یہاں تک کہ وہ خویش اور اقارب سے بھی خدا کے لئے بیزار ہو گیا اور دنیا میں بجز خدا کے اس کا کوئی بھی نہ رہا۔ ایسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واقعات گزرے۔ اور باوجودیکہ مکہ میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شعبۂ قرابت نہ تھا مگر خالص خدا کی طرف بلانے سے سب کے سب دشمن ہو گئے اور بجز خدا کے ایک بھی ساتھ نہ رہا۔ پھر خدا نے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو اکیلا پا کر اس قدر اولاد دی جو آسمان کے ستاروں کی طرح بے شمار ہو گئی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا پا کر بے شمار عنایت کی۔ اور وہ صحابہؓ آپ کی رفاقت میں دیئے جو نجوم السماء کی طرح نہ صرف کثیر تھے بلکہ ان کے دل توحید کی روشنی سے چمک اُٹھے تھے۔"

ضمیمہ براہین احمدیہ
بار اوّل
صفحہ ۱۵۵-۱۵۶

صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیت بھی اسلام کے اندرونی
مفاسد کے غلبہ کے وقت ہمیشہ ظہور فرماتی رہتی ہے اور
حقیقت محمدیہ کا حلول کسی کامل مُتّبع میں جلوہ گر ہوتا ہے
اور جو احادیث میں آیا ہے کہ مہدی پیدا ہوگا۔ اس کا
نام میرا ہی نام ہوگا۔ اس کا خُلق میرا ہی خُلق ہوگا۔ اگر
یہ حدیثیں صحیح ہیں تو اسی نزولِ روحانیت کی طرف اشارہ
ہے۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صـ۳۴۶)

اس عبارت میں حقیقتِ محمدیہ کے حلول سے مراد صفاتِ محمدیہ کے کسی
کامل متبع میں جلوہ گر ہونے کا ذکر ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی رُوح کا بطور تناسخ حلول۔ چنانچہ مہدی کی مثال دیکر آپ نے
واضح فرما دیا ہے کہ امام مہدی کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
نام پر اور خُلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سا ہونے میں اس بات کی
طرف اشارہ ہے کہ مہدی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت
کا حلول ہوگا نہ کہ رُوح کا حلول۔ ایسے تناسخ والا حلول قرار نہیں
دیا جا سکتا۔ حقیقت یا روحانیت کی تجلی جو کسی متبع یا دوسرے وجود
میں ہو اصطلاح صوفیاء میں بروز کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ
ولی اللہ صاحب بروز و کمون کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی دو
قسمیں ہیں حقیقی اور مجازی۔ پھر حقیقی کی کئی ضروب (اصناف) قرار
دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"تَارَةً اُخْرٰی بِاَنْ يَّشْتَبِكَ بِحَقِيْقَةِ رَجُلٍ مِنْ اٰلِهٖ اَوِالْمُتَوَسِّلِيْنَ اِلَيْهِ كَمَا وَقَعَ لِنَبِيِّنَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰی ظُهُوْرِ الْمَهْدِیِّ"

"کبھی حقیقی بروزیوں پایا جاتا ہے کہ ایک شخص کی حقیقت میں اس کی آل اور اس کے متوسلین داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی قسم کا واقعہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مہدی کے ظہور کا ہے۔"

اس عبارت میں مہدی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قرار دیا گیا ہے اور حقیقت محمدیہ سے اس کا اتحاد بیان کیا گیا ہے یہی امر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی اس عبارت میں مراد ہے کہ:-

"حقیقت محمدیہ کا حلول کسی کامل متبع میں جلوہ گر ہوتا ہے۔"

یہ تناسخ والا حلول نہیں جس میں ایک شخص کی رُوح کا دوسرے میں داخل ہونا مانا جاتا ہے بلکہ حقیقت کا حلول ہے یعنی ایک حقیقت میں متبع اور متبوع کا تشابہ اور اتحاد۔ پیر غلام فرید صاحب آف چاچڑاں نے بھی یہی فرمایا ہے کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہو گا۔ (ارشادات فریدی صہ ۱۲)

تیسرا حوالہ تیسرا حوالہ جو مولوی ابوالحسن صاحب نے پیش کیا ہے اس میں نہ تناسخ کا لفظ موجود ہے نہ حلول کا۔ بلکہ اس میں آپ

نے نزولِ مسیح کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ہمت سیرت اور روحانیت میں آپؑ حضرت مسیحؑ سے بشدّت اتصال رکھتے ہیں۔ اور ان کی ایسی شبیہ ہیں کہ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں اور مسیح کی توجّہات نے آپؑ کے دل کو اپنا قرارگاہ بنایا ہے نہ کہ اس میں مسیحؑ کی رُوح کا حلول ہوا ہے بلکہ مسیحؑ کے پُرجوش ارادات آپؑ میں نازل ہوئے ہیں جس سے آپ کا وجود مسیحؑ کا وجود قرار پایا ہے۔ انہی ارادات کے نزول کو اس جگہ "الہامی استعارات میں مسیحؑ کا نزول قرار دیا۔"

پس مولوی ابوالحسن صاحب کی یہ بہت بڑی زیادتی ہے کہ بروز اور استعارہ کو آپ تناسخ اور تناسخی حلول قرار دیکر معترض ہیں۔

مسیح موعود کے بروزِ محمدی ہونے کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :۔

"يَنْعَكِسُ فِيْهِ أَنْوَارُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔" (الخیر الکثیر صفحہ)

کہ مسیح موعود میں سید المرسلین کے انوار کا انعکاس ہوگا۔

اسی مضمون کو حضرت مسیح موعودؑ نے "حقیقتِ محمدیہ کا حلول کسی متبع میں جلوہ گر ہوتا ہے" کے الفاظ میں بیان فرمایا اور امام مہدی میں اسی حقیقتِ محمدیہ کا جلوہ گر ہونا بطور مثال کے ذکر کیا ہے۔

پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ مسیح موعود کی شان میں لکھتے ہیں :۔

يَزْعَمُ الْعَامَّةُ اَنَّهٗ اِذَا نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ كَانَ وَاحِدًا مِّنَ الْاُمَّةِ كَلَّا بَلْ هُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَنُسْخَةٌ مُّنْتَسِخَةٌ مِّنْهُ فَشَتَّانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَّةِ"

(الخیر الکثیر ص۷۲ طبع بجنور مدینہ پریس)

یعنی عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ مسیح موعود جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو اس کی حیثیت ایک اُمتی کی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا۔ پس اس کے اور ایک اُمتی کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود کا وجود گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزِ کامل ہو کر آپ ہی کی بعثت کے حکم میں ہے۔ اسم جامع محمدی سے مراد حقیقتِ محمدیہ ہی ہے۔ جس کے کامل ظہور کا ذکر نُسْخَةٌ مُّنْتَسِخَةٌ کے الفاظ سے کیا گیا ہے اور مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو بہو چربہ قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث

سورۃ جمعہ کی آیت هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ وَّ آخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں۔ پہلا بعث اُمِّیِّیْن میں ہے۔ آپ کا پہلا بعث اُمِّیِّیْن میں ہوا اور دوسرا بعث بروزی طور پر مسیح اور مہدی کے رنگ میں آخَرِیْن میں ہونے والا تھا۔ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کی صفاتِ الٰہیہ کے ذکر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوسرے بعث میں اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ ہو جائے گا۔ مجدد صدی دوازدہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:۔

وَأَعْظَمُ الْأَنْبِيَاءِ شَأْنًا مَنْ لَهُ نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الْبَعْثِ أَيْضًا وَذَالِكَ أَنْ يَكُونَ مُرَادُ اللّٰهِ فِيهِ سَبَبًا لِخُرُوجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَأَنْ يَكُونَ قَوْمُهُ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَبَعْثُهُ يَتَنَاوَلُ بَعْثًا آخَرَ۔" (حجۃ اللّٰہ البالغہ جلد ۱ باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا)

ترجمہ۔ انبیاء میں سے شان کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر عظمت والا نبی وہ ہے جس کے لئے ایک دوسری قسم کا بعث بھی ہو۔ اور یہ دوسرا بعث اس طرح ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے

کہ دوسرا بعث لوگوں کے ظلمات سے نور کی طرف نکلنے کا سبب ہو۔ اور اس بعث ثانی کی وجہ سے آپ کی قوم خیرِ اُمّت ہو جائے جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہیں۔ اس طرح آپؐ کا بعث ایک دوسرے بعث پر بھی مشتمل ہے۔

قبل ازیں قارئین کرام معلوم کر چکے ہیں کہ مسیح موعودؑ کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اسم جامع محمدی کی شرح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نسخہ قرار دیا ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ يُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ کہ مسیح موعود کی اشاعتِ دین کے ذریعہ اس طرح روحانیت کا انتشار ہوگا کہ تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں گی اور اسلام کامل طور پر تمام ادیان پر غلبہ پالے گا۔ اسی کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں پیشگوئی کی گئی ہے:-

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ رسول اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

مفسرین بموجب حدیثِ نبوی يُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ غلبہ مسیح موعود کے ذریعہ ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے اکمل اور

اور اشد اور اقویٰ انتشار کا ہی نتیجہ ہو گا ۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ذیل کی عبارتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروزی صورت میں بعثتِ ثانیہ ہیں :-

(۱) " بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں بنسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے "

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸۱)

اور یہ کہ :-

(۲) " ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا منتہا نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا ۔ پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلّی فرمائی ۔ جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین خدا کے اذن سے پیدا ہوا ۔ اور خیر الرسل کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لئے اور اپنے نور کے غلبہ کیلئے ایک مظہر اختیار کیا ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا تھا ۔ پس میں وہی مظہر ہوں اور وہی نور معہود ہوں ۔"

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۰۷ ب)

مگر ان عبارتوں سے مولوی ابوالحسن صاحب غلط مطلب لیکر یہ غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر ہونے کا بلکہ تمام انبیاء سے برتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے (ملاحظہ ہو "قادیانیت صفحہ ۱۰۵ تا صفحہ ۱۰۷)

الجواب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت میں اور خدا کے قرب میں ہر آن ترقی کر رہے ہیں۔ اور اس ترقی کا کوئی منتہا نہیں۔ اور تمام مجدّدینِ اُمت آپ ہی کی روحانیت کے انتشار کے لئے آپ کے مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان مجددین میں سے مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر کامل یقین کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مہدی معہود و مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے ساتھ ہی اپنے الہام كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ کی رُو سے محض ایک شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی جو تجلی ہوئی ہے اسے وہ کوئی اپنی ذاتی خوبی قرار نہیں دیتے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تحریر فرماتے ہیں ؎

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ÷ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا ÷ وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

(درثمین اُردو)

اِن اشعار سے ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ باوجود اس دعویٰ کے کہ آپ ہی اس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اور بروز کامل ہیں اپنے تئیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں شاگرد اور ناچیز ہی قرار دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مورد بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص۵ مطبوعہ صیغہ نشر و اشاعت ربوہ)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت ہونے اور دوسرا بعثت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیت کے اشد اور اکمل اور اقویٰ طور پر مؤثر ہونے میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا وجود جو مورد بروز ہیں منفی ہے اور سب کمالات کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ ان کمالات میں اصل ہیں۔ آپ کے کمالات ذاتی ہیں اور مورد بروز کے کمالات بالعرض اور بالتبع ہیں۔ پس مورد بروز کے ذریعہ دنیا جن تجلیاتِ مصطفویہ کا مشاہدہ کرے گی اور ان سے مستفید اور مستفیض ہوگی۔ ان کا اصل اور حقیقی مرجع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیثیت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایک آئینہ کی ہے جس میں اصل کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور آئینے میں دکھائی دینے والی شکل اصل کا ظل ہوتی ہے۔ گو بلحاظ ظلیت ان میں دوئی نہیں ہے کیونکہ ظل اصل کا غیر

نہیں ہوتا۔ مگر ظِلّ کے کمالات کا مرجع درحقیقت اصل ہی ہوتا ہے۔
اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا سے

لیک آئینہ ام ز ربِّ غنی ؎ از پیئے صورتِ مہِ مدنیؐ

(نزول المسیح)

کہ میں ربِّ غنی کی طرف سے مدنی چاند کی صورت کے سامنے ایک آئینہ ہوں۔ گویا جس طرح آئینہ میں نظر آنے والی شکل کے کمالات کا مرجع اصل ہوتا ہے اسلئے مجھ میں جو کمالات عکس کے طور پر پائے جاتے ہیں وہ میرے ذاتی کمالات نہیں بلکہ ان کا مرجع اصل یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

اور معرفت الٰہی کے جام کے متعلق فرماتے ہیں :۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام ؎ داد آں جام را مرا بتمام

یعنی جو معرفت کا پیالہ خدا تعالیٰ نے ہر نبی کو دیا ہے وہ مجھے بھی پورا دیا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ سے آپ کے اُمتیوں کو انبیاء سابقین کی حاصل کردہ معرفت الٰہی سے محروم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کہ اس اُمت کے علمائے ربانی انبیاء کے وارث ہیں۔ اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

علیہ السلام اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں ؎

وارثِ مصطفےٰ شدم بہ یقیں ٭ شدہ رنگین برنگِ یارِ حسیں

کہ میں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یقینی وارث ہُوا ہوں اور یارِ حسین کے رنگ میں رنگین ہو گیا ہوں۔

آپؑ کا یہ لکھنا ؎

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ٭ ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

یہ مفہوم رکھتا ہے کہ آپ کی آمد سے ہر نبی کے علوم زندہ ہو گئے ہیں اور آپؑ آپ ان کے علوم کے جامع ہیں۔ اور آپ کا پہلا شعر کہ آپؑ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اس بات پر روشن دلیل ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عُلِّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ (بحوالہ تحذیر الناس) کہ میں تمام پہلے اور پچھلے انبیاء کا علم دیا گیا ہوں۔ جس کے یہی معنی ہیں کہ آپؑ علم و معرفت میں تمام انبیاء کے کمالات کے جامع تھے اور ہر نبی آپ کے ذریعہ زندہ ہُوا۔ اسی طرح آپؑ کے بروزِ کامل کے لئے جو حسب آیت اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ (سورہ جمعہ) آپ کی بعثتِ ثانیہ قرار پانے والا تھا ضروری تھا کہ اس کا علم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاض ہے وہ بھی انبیاء کے علم کو زندہ کرنے والا ہو اور آپؑ کا وجود بھی بلحاظ بروز ان انبیاء کا مظہر ہو۔

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک ٭ میرے آنے سے ہُوا کامل بجملہ برگ و بار

کے شعر میں روضۂ آدم سے مراد دین کا باغ ہے۔ اس کی اشاعت کی تکمیل بلاریب مسیح موعود کے ذریعہ مقدر ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے:۔

یُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ

(تفسیر ابن جریر)

کہ خدا تعالیٰ مسیح موعود کے زمانہ میں تمام ملتیں ہلاک کر دے گا بجز اسلام کے اور یہ نتیجہ ہو گا اشاعتِ دین کا۔ یہی امر آیت هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ میں مراد ہے اور مفسرین کو مسلّم ہے کہ اسلام کا دوسرے ادیان پر غلبہ مسیح و مہدی کے ذریعہ مقدر ہے۔ (تفسیر ابن جریر)

مولوی ندوی صاحب کا مسیح موعودؑ کے کردار پر حملہ

مولوی ندوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ پر باب سوم کی فصل اول میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کردار پر حملہ کیا ہے اور لکھا ہے:۔

"مرزا صاحب کی خانگی زندگی جس ترفہ، تجمّل اور تنعّم کی تھی وہ راسخ الاعتقاد متبعین کے لئے بھی ایک شبہ اور اعتراض کا موجب بن گئی۔"

یہ نتیجہ آپ نے اس شبہ سے نکالا ہے جو خواجہ کمال الدین کے دل میں پیدا ہوا کہ "جب ہماری بیبیاں خود قادیان میں گئیں وہاں پر رہ کر اچھی طرح

وہاں کا حال معلوم کیا تو واپس آکر ہمارے سر چڑھ گئیں کہ تم تو بڑے جھوٹے ہو۔ ہم نے تو قادیان جاکر خود انبیاء و صحابہ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے۔ جس قدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اس کا عشر عشیر بھی باہر نہیں حالانکہ ہمارا روپیہ کمایا ہوا ہوتا ہے اور ان کے پاس جو روپیہ جاتا ہے وہ قومی اغراض کے لئے قومی روپیہ ہوتا ہے لہذا تم جھوٹے ہو جو جھوٹ بول کر عرصہ دراز تک ہم کو دھوکا دیتے رہے اور آئندہ ہم ہرگز تمہارے دھوکہ میں نہ آویں گی۔ پس وہ اب ہم کو روپیہ نہیں دیتیں کہ ہم قادیان بھیجیں۔"

اصل حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنی جن بیبیوں کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت بخیل تھیں اور وہ سلسلہ احمدیہ سے کوئی اخلاص نہیں رکھتی تھیں اور سخت بخل کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انہوں نے چندہ دینے سے بچنے کے لئے یہ بہانہ تراشا اور آکر بتایا کہ جس قدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اس کا عشر عشیر بھی باہر نہیں۔

یہ فقرہ ان بیبیوں کا سراسر جھوٹ پر مشتمل ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب یہ چاہتے تھے کہ لنگر خانہ کے انتظام کے لئے جو روپیہ احباب حضرت مسیح موعودؑ کو بھجواتے ہیں دوسرے چندوں کی طرح وہ بھی انہیں مل جائے۔ یہ لوگ ان بیبیوں کے اس بیان کی وجہ سے بدظنی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اس روپے کا کچھ حصہ اپنی گھریلو ضروریات پر صرف کر لیتے ہوں گے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود صاحب جائداد تھے اور قادیان کے رئیس شمار کئے جاتے تھے مگر آپ مہمانوں کی سہولت کے پیش نظر یہ چاہتے تھے کہ لنگر کا روپیہ آپ کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ :-

"خدا کا منشاء یہی ہے کہ میرے وقت میں لنگر کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو لنگر بند ہو جائے گا مگر یہ خواجہ وغیرہ ایسے ہیں کہ بار بار مجھے کہتے ہیں کہ لنگر کا کام ہمارے سپرد کردو اور مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔"

(کشف الاختلاف صفحہ ۱۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فقرہ کہ "مجھ پر بدظنی کرتے ہیں" اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنی بیبیوں کی باتوں میں آ کر بدظنی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

واضح ہو کہ اس بداعتقادی کی سزا بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس طرح مل چکی ہے کہ یہ دونوں سلسلہ احمدیہ کے نظام خلافت سے الگ ہو گئے اور لاہور میں مولوی محمد علی صاحب نے ایک علیحدہ انجمن بنام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی۔ اور پھر خواجہ صاحب اس انجمن کے ماتحت بھی نہ رہے بلکہ انہوں نے ووکنگ مسجد کا ٹرسٹ بنوا لیا۔ اور پھر مولوی محمد علی صاحب پر ان کی زندگی کے آخری وقت میں ان کے اپنے ماتحتوں کی طرف سے ان پر مالی معاملات میں الزام خیانت

کی ایسی بوچھاڑ پڑی کہ وہ اُن کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی - اُن کی بیگم صاحبہ اپنے ایک خط میں جس کے اقتباسات ہم "غلبۂ حق" میں شائع کر چکے ہیں مسلم ٹاؤن پوسٹ آفس اچھرہ لاہور سے ہندوستان کے اپنے ایک ہم خیال کو لکھتی ہیں :-

"ان کی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے اپنی جماعت میں ہی سو حاسد پیدا ہو گئے اور سالہا سال سے ان کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے۔" (خط ص۲)

آگے چل کر تحریر فرماتی ہیں :-

"مولوی محمد علی صاحب نے ترجمۂ قرآن کو دائمی طور پر شائع کرنے کے لئے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا۔ مفسدوں نے مخالفتوں کا طوفان برپا کر دیا اور طرح طرح کے بیہودہ الزام لگائے۔ یہاں تک بکواس کی کہ آپ نے احمدیت سے انکار کر دیا ہے اور انجمن کا مال غصب کر لیا ہے۔" (خط ص۳)

آگے ص۵ پر تحریر فرماتی ہیں :-

"آخر ان شرارتوں کی وجہ سے مولوی محمد علی صاحب کی صحت بگڑ گئی اور ان تفکرات نے آپ کی جان لے لی - سب ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ اس غم کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کی جان گئی۔"

۵ - یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے :-

"ایک وصیت لکھ کر شیخ میاں محمد صاحب کو بھیج دی کہ سات آدمی جو اس فتنہ کے بانی ہیں جن کے دستخط سے یہ سرکلر نکلے تھے اور جن کا سرغنہ مولوی صدر الدین ہے میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھائیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔"

خود مولوی محمد علی صاحب نے لکھا کہ :-

"جب سے مَیں گزشتہ بیماری کے حملہ سے اُٹھا ہوں اُس وقت سے یہ دونوں بزرگ (ڈاکٹر غلام احمد اور مولوی صدر الدین) اور شیخ عبد الرحمن صاحب مصری میرے خلاف پراپیگنڈہ میں اپنی پوری قوت خرچ کر رہے ہیں اور ہر ایک تنکے کو پہاڑ بنا کر جماعت میں ایک فتنہ پیدا کرنا شروع کیا ہوا ہے۔"

اور آگے لکھا ہے :-

"نہ صرف وہ میری بیماری سے پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں بلکہ ان امور کے متعلق مجھے قلم اُٹھانے پر مجبور کر کے میری بیماری کو بڑھا رہے ہیں۔"

پھر لکھتے ہیں :-

"نہ صرف یہ نوٹس جاری کر کے جماعت کے بنیادی نظام پر کلہاڑی چلائی گئی اور امیر جماعت کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا گیا ہے۔ بلکہ ان سخت گرمی کے ایّام میں مولانا صدر الدین صاحب نے بعض جماعتوں میں دورہ بھی کیا ہے

تاکہ اُن پر اپنا ذاتی اثر ڈال کر میرے متعلق جھوٹی باتوں کا خوب چرچا کریں۔"

سو مولوی محمد علی صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بدظنی کرنے کی سزا اسی دُنیا میں مل گئی۔ اور خواجہ صاحب کو یہ سزا ملی ہے کہ ووکنگ مسجد کا ٹرسٹ بھی اب اُن کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ پس جو شخص خدا کے پیاروں کو بدظنی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اُس کو اسی دُنیا میں بدظنی کی سزا مل جاتی ہے آخرت کا علم خدا کو ہے۔ یہ بات کوئی بعید از قیاس نہیں اور نہ شانِ نبوّت کے منافی ہے کہ نبی کی نبوت پر ایمان لانے والے بعض لوگ شامتِ اعمال کی وجہ سے ایسے شکوک میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ ایسی بدظنی کا مظاہرہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی بعض مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ (توبہ آیت ۵۸)

کہ ان بظاہر ایمان لانے والوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں اے نبی تجھے الزام دیتے ہیں۔ اگر ان کو اس میں سے دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر انہیں نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ پھر غنیمت کی تقسیم پر بھی بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں انصاف نہ کروں گا تو بتلاؤ کون انصاف کریگا۔

اور قرآن کریم میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ کہ نبی اس نقص سے بلند ہے کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے۔
ابو الحسن ندوی اور ہمچو قسم معترضین کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ جواب دیا ہے :۔

"مجھے اِس بات کی بھی پرواہ نہیں کہ میرے اندرونی اور بیرونی مخالف میری عیب جوئی میں مشغول ہیں۔ کیونکہ اس سے بھی میری کرامت ہی ثابت ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ اگر میں ہر قسم کا عیب اپنے اندر رکھتا ہوں اور بقول اُن کے مَیں عہد شکن اور کذّاب اور دجّال اور مفتری اور خائن ہوں اور حرام خور ہوں اور قوم میں پھوٹ ڈالنے والا اور فتنہ انگیز ہوں اور فاسق اور فاجر ہوں اور خدا پر قریباً تیس برس افترا کرنے والا ہوں اور نیکوں اور راستبازوں کو گالیاں دینے والا ہوں اور میری رُوح میں بجز شرارت اور بدی اور بدکاری اور نفس پرستی کے اور کچھ نہیں اور محض دنیا کے ٹھگنے کے لئے مَیں نے ایک دکان بنائی ہے اور نعوذ باللہ بقول ان کے میرا خدا پر بھی ایمان نہیں۔ اور دنیا کا کوئی عیب نہیں جو مجھ میں نہیں۔ مگر باوجود اِن باتوں کے جو تمام دنیا کے عیب مجھ میں موجود ہیں اور ہر ایک قسم کا ظلم میرے نفس میں بھرا ہوا ہے اور بہتوں کے مَیں

نے بے جا مال کھا لئے اور بہتوں کو مَیں نے (جو فرشتوں کی طرح پاک تھے) گالیاں دی ہیں۔ اور ہر ایک بدی اور ٹھگ بازی میں سب سے زیادہ حصّہ لیا تو پھر اس میں کیا بھید ہے کہ بد اور بدکردار اور خائن اور کذّاب تو مَیں تھا مگر میرے مقابل پر ہر ایک فرشتہ سیرت جب آیا تو وہی مارا گیا۔ جس نے مباہلہ کیا وہی تباہ ہوا۔ جس نے میرے پر بددُعا کی وہ بددُعا اُسی پر پڑی۔ جس نے میرے پر کوئی مقدمہ عدالت میں دائر کیا اُسی نے شکست کھائی۔۔۔ ۔۔۔۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ایسے مقابلہ کے وقت میں ہی ہلاک ہوتا۔ میرے پر ہی بجلی پڑتی۔ بلکہ کسی کے مقابل پر کھڑے ہونیکی بھی ضرورت نہ تھی کیونکہ مجرم کا خود خدا دشمن ہے۔ پس برائے خدا سوچو! یہ اُلٹ اثر کیوں ظاہر ہوُا؟ کیوں میرے مقابل پر نیک مارے گئے اور ہر ایک مقابلہ میں خدا نے مجھے بچا لیا۔ کیا اس سے میری کرامت ثابت نہیں ہوتی؟"

(حقیقۃ الوحی ص ۲)

پس خواجہ صاحب کی بیبیوں نے حضرت مسیح موعود[ؑ] کے گھرانہ پر جو تعیش کا الزام لگایا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اہلیہ مکرمہ حضرت اُمّ المومنین نصرت جہاں بیگم کی زندگی ایسی سادگی اور دینداری اور سیرت کے لحاظ سے ایک نمونہ تھی۔ آپ کے

زیورات بھی حسب ضرورت خدا کی راہ میں خرچ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خرچ نہ رہا۔ ان دنوں جلسہ سالانہ کے لئے چندہ ہو کر نہیں جاتا تھا حضورؑ اپنے پاس سے ہی صرف فرماتے تھے۔ میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے آکر عرض کی کہ رات کو مہمانوں کے لئے کوئی سالن نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا بیوی صاحبہ سے کوئی زیور لے کر جو کفایت کر سکے فروخت کر کے سامان کر لیں۔ چنانچہ زیور فروخت یا رہن کر کے میر صاحب روپیہ لے آئے اور مہمانوں کے لئے سامان بہم پہنچا دیا۔

(اصحاب احمد جلد چہارم۔ سیرت احمدؑ صفحہ ۱۰۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"جس چیز نے میرے دل پر خاص طور پر اثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب فوت ہوئے تو اس وقت آپؑ پر کچھ قرض تھا آپ نے (یعنی حضرت اُمّ المومنین رضؓ نے) یہ نہیں کیا کہ جماعت کے لوگوں سے کہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ پر اس قدر قرض ہے یہ ادا کر دو بلکہ آپؓ کے پاس جو زیور تھا اُسے آپؓ نے بیچ کر حضرت مسیح موعودؑ کے قرض کو ادا کر دیا۔" (سیرت سیّدہ اُمّ المومنین حصّہ دوم صفحہ ۲۹)

آپ کی سیرت طیبہ کے بارہ میں شیخ یعقوب صاحب تراب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ ۔۔۔ حقوق پر لحاظ کرتے ہوئے حضرت اُمّ المومنین رضؓ

میں وہ تمام صفات جمع ہیں جو خدا تعالیٰ کے کامل فرمانبردار میں۔ وہ مومن مرد ہو یا عورت۔

حضرت اُمّ المومنین اللہ تعالیٰ کی زندہ ہستی پر زندہ ایمان رکھتی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک روشن دلیل اور شعائر اللہ میں ہیں۔ ہر قسم کے شرک و بدعت سے بیزار ایک سچے اور کامل موحد کا رنگ آپؓ کے ایمان میں ہے۔ خدا تعالیٰ کی تمام صفات کاملہ اور اس کی قدرتوں پر کامل یقین ہے۔ اور اسی لئے آپ دُعاؤں کی قبولیت اور اثر پر ایک اٹل ایمان رکھتی ہیں۔ عبادات کو اپنے وقت پر اور سنّت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق بجالاتی ہیں۔ نوافل اور صدقات کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لئے دائماً ساعی رہی ہیں۔

حقوق العباد کے متعلق ہمیشہ آپ کو خیال رہتا ہے کہ پورے طور پر ادا ہوں۔ آپ نوکروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتی ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا وہ غیر ہیں۔ خود ان کے کاموں میں ان کی مدد کرنا، ان کی غلطیوں اور کمزوریوں سے چشم پوشی کرنا، خطاؤں کو معاف کرکے دلجوئی کرنا آپ کی عادت میں داخل ہے۔

مہمان نوازی میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے اور اس

خصوص میں اکرامِ ضیف پر آپ کا عمل ہے۔ . . . . مساکین، یتامیٰ اور بیوگان کی خبر گیری، ان کی تربیت اور ان کے ساتھ رفق و حمیت کا برتاؤ ان کی زندگی کے ہر حصہ میں آپ کی عادت ثانیہ ہے اور اسی کے لئے آپ کو اُمّ المساکین کہنا بالکل جائز اور درست ہے۔ فیاضی اور اس کے ساتھ احسان کر کے بھول جانا اور کسی سے سلوک ایسے رنگ میں کرنا کہ دوسرے ہاتھ کو علم نہ ہو آپ کی شان ہے۔ باوجود عظیم المرتبت خاتون ہونے کے کمال درجہ کی انکساری آپ میں پائی جاتی تھی۔ اقوال سے حرکات و سکنات سے کسی رنگ میں رعونت اور تکبّر نہیں پایا جاتا تھا۔ باوجود انکساری کے آپ کا رعب سب پر رہتا ہے کلام میں شوکت، معقولیت، قوتِ فیصلہ نمایاں رہی ہے۔ باوجود بے تکلفی کے وقار موجود رہتا ہے۔ زندگی کے ہر مرحلہ خوشی اور غمی میں ایک سکونِ خاطر پایا جاتا ہے۔ خوشی میں بھی خدا تعالیٰ ہی کی حمد؛ اور اس کے حضور جھکتی ہیں اور اگر کوئی واقعہ غمی کا ہو جائے تب بھی اسی کی مشیت کے سامنے انشراح صدر سے سر جھکا لیتی ہیں۔ ایسے ابتلاؤں کے وقت قدم پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ مردانہ وار آگے ہی اٹھتا ہے۔

حیا، غضِ بصر آپ کی خصوصیت ہے۔ محنت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کبھی عار نہیں۔ سادگی آپ کا خاصہ ہے۔

..... آپ نماز باجماعت کی پابند اور تہجد اور نوافل بھی آپ کا دستور العمل رہا ہے۔ دُعاؤں کا خاص ذوق اور عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے آپ کے قلب میں انشراح اور تڑپ رہتی ہے۔ حسن ظنی میں کمال ہے۔ کسی کی غیبت کبھی سُننا پسند نہیں فرماتیں۔ اگر کبھی مجلس میں ایسا ذکر آجائے تو فوراً روک دیتی ہیں۔"

(ملاحظہ ہو سیرت ام المومنین جلد دوم صفحہ ۳۰۷ تا ۳۰۹)

گورنمنٹ انگریزی کی حمایت اور جہاد کو حرام قرار دینے کا الزام

باب سوم کی فصل دوم میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے انگریزی حکومت کی تائید وحمایت اور جہاد کی حرمت کو قابلِ اعتراض ٹھہراتے ہیں۔

جہاد بمعنی قتال کے متعلق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کی حلت شرائط کے پایا جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے وقت چونکہ انگریزوں سے ایسے جہاد کی شرائط موجود نہ تھیں اسلئے آپ نے جہاد کو اُس وقت تک کے لیے ملتوی قرار دیا کہ اس کی حلت کی شرائط پیدا ہو جائیں اور جہاد بصورت تبلیغ اسلام پورے زور وشور کے ساتھ

جاری رکھا۔ بے شک حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتابوں میں جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئیں انگریزوں سے جہاد بالسیف کی ممانعت کی تھی اور مسلمانوں کو ان کی تائید و حمایت کے لئے تلقین فرماتے تھے۔ مگر آپؑ کا یہ فعل اس وجہ سے بھی تھا کہ حدیثِ نبوی میں وارد تھا یَضَعُ الْحَرْبَ (صحیح بخاری) کہ مسیح موعود جنگ سے روک دے گا۔ اور یہ اسلئے بھی ضروری تھا کہ آپؑ سے پہلے تمام علماءِ اُمّت انگریزوں سے جہاد جائز نہ ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ مسلمانوں نے یہ محسوس کر کے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالا نہیں جاسکتا۔ ان کی حکومت میں مستامن ہو کر رہنا قبول کر لیا تھا کیونکہ انگریزوں نے ہر مذہب کے لئے مذہبی آزادی اور پرسنل لاء کی اجازت دیدی تھی۔

نواب صدیق حسن خان بھوپالوی اہلحدیث لکھتے ہیں :۔

"علماءِ اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرمانروا ہیں اسوقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ ملک دارالاسلام ہے۔ اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ جہلو ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ اُن کے

نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن و امان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دار الحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔"

(ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۵)

حضرت بانی ٔسلسلہ احمدیہ سے پہلے حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمۃ مجدد صدی سیزدہم نے یہ سوال ہونے پر کہ آپ دُور دراز کا سفر اختیار کر کے سکھوں سے جہاد کرنے چلے گئے ہیں انگریزوں سے جہاد کیوں نہیں کرتے ؟ فرمایا :-

"ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سُنن سید المرسلینؐ ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں ؟"

(سوانح احمدی صفحہ ۷۱ از مولوی محمد جعفر تھانیسری صوفی پرنٹنگ کمیٹی بہاء الدین)

مولوی عبدالحی صاحب حنفی اور مولوی احمد رضا صاحب بریلوی حنفی اس زمانہ میں ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیتے تھے۔ (دیکھو مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنوی جلد ۲ صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ۔ نصرۃ الابرار صفحہ ۲۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور۔ ایچیسن گنج)

مولانا شبلی نعمانی بھی انگریزوں سے جہاد جائز نہیں سمجھتے تھے۔
(دیکھئے مقالات شبلی جلد اوّل ص۱۷۱ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ)

خواجہ حسن نظامی کا بھی یہی مذہب تھا کہ انگریز مذہبی امور میں دخل نہیں دیتے اسلئے لڑائی کرنا اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔
(شیخ سنوسی ص۱۷)

مولانا حسین احمد مدنی جیسے سیاسی لیڈر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی ملک کا اقتدارِ اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو، لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ناقل) کے نزدیک بلاشبہ دارالاسلام ہوگا۔ از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔"
(نقشِ حیات جلد ۲ ص۱۱)

آجکل کے سیاسی لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی رقم طراز ہیں:۔

"ہندوستان اُس وقت بلاشبہ دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس وقت مسلمانوں پر فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت

کی حفاظت میں جانیں لڑا دیتے یا اس میں ناکام ہونے کے
بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے لیکن وہ مغلوب ہوگئے اور
انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لاء
(مذہبی قوانین۔ ناقل) پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں
رہنا قبول کر لیا تو اب یہ ملک دار الحرب نہیں۔"
(سود حصہ اول حاشیہ صفحہ ۷۷، ۷۸ طبع اوّل
شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامیہ لاہور)

اُس وقت چاروں مفتیانِ مکہ معظمہ نے بھی ہندوستان کے
دار الاسلام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

{کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری
{مؤلفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۳۶}

سر سید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں:۔
"جبکہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستأمن تھے۔ کسی
طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔"

شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی مرحوم نے فرمایا:۔
"ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں
رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے
ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ
ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس بات میں ہے کہ

کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔ کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو۔ مگر خدا کی بے انتہاء مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔

(مجموعہ لیکچرز مولانا نذیر احمد ص۵)

غرض حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ سے پہلے کے تمام علماء اسلام یہ فتویٰ دے چکے ہوئے تھے کہ انگریزوں نے جہاد بالسیف ممنوع ہے اور مفتیانِ مکہ کا فتویٰ بھی یہی تھا اور سیاسی لیڈر بھی اسی میں مصلحت سمجھتے تھے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد تک بھی مسلمان انگریزی حکومت کو ایک نعمت خیال کرتے تھے اور ظلِ الٰہی جانتے تھے۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار زمیندار میں لکھا:۔

"زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایہ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایات شاہانہ اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرہ کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہے اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔" (زمیندار ۹ر نومبر ۱۹۱۱ء)

ہمیں یقین ہے کہ اس وقت مولانا ظفر علی خان کا یہ بیان بالکل صحیح تھا منافقانہ نہ تھا۔ انہیں انگریزوں سے مخاصمت بہت بعد میں پیدا ہوئی۔

جارج پنجم کی سلطنت میں انگریزی سلطنت کے متعلق ان کے ایسے ہی خیالات تھے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات ۲۶ / مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ چونکہ آپ کو اپنے زمانہ کے علماء اور سیاسی لیڈروں کے انگریزوں سے جہاد کی ممانعت کے متعلق فتاوی سے اتفاق تھا اور ان فتاوی کی رُو سے مسلمانوں کا فرض تھا کہ انگریزوں سے خیر خواہی و خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔ اسلئے آپ نے بھی انگریزوں کی تائید و حمایت کی اور انگریزوں کو بھی مسلمانوں سے احسان کا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی۔

اُس زمانہ میں شیعوں کے مجتہد سیّد علی الحائری نے بھی حکومت کی انصاف پسندی اور مذہبی آزادی کو بے مثل قرار دیا اور ہر شیعہ کو تلقین کی کہ اسے اس احسان کے عوض صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہینِ احسان اور شکر گزار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے نوشیروانِ عادل کے عہد میں ہونے کا ذکر فخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔

(موعظہ تحریف قرآن صفحہ ۶۸-۶۷ شائع کردہ ینگ مین سوسائٹی خواجگان نارووالی لاہور)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے تو یہاں تک لکھا:-

"سلطان روم ایک اسلامی بادشاہ ہے لیکن امن عام اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں اور

خاص کر گروہ اہلحدیث کے لئے یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی بڑھ کر فخر کا محل ہے۔"

(اشاعۃ السنۃ نمبر۱ جلد نمبر۶ صفحہ ۲۹۲)

پس مولوی ابوالحسن صاحب کا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر انگریزوں سے جہاد کی ممانعت کو بصورتِ اعتراض پیش کرنا درست نہیں کیونکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں علماءِ اسلام کو آپ کے اس طریق پر کہ انگریزوں کی خیر خواہی اور حمایت کی جائے اور ان سے جہاد نہ کیا جائے کوئی اعتراض نہ تھا۔

انگریزوں کا پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات دلانا

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے انگریزوں کی تعریف اسلئے بھی کی ہے کہ انہوں نے پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے آزادی دلائی۔ حقیقت یہ ہے کہ سکھوں نے پنجاب سے مغلیہ سلطنت کو ختم کرکے مسلمانوں کو نہ صرف غلام بنا رکھا تھا بلکہ ان کی ثقافت اور تمدن کو بھی تباہ کر دیا تھا۔ مسلمان جو صنعت و حرفت پر قابض ہونے کی وجہ سے خوشحال تھے انہیں اقتصادی طور پر تباہ کر دیا تھا اور مسلمان جاگیرداروں کی جاگیریں چھین لی تھیں جن میں خود حضرت مرزا صاحب کا خاندان بھی شامل تھا۔ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی بھی حاصل نہ تھی۔ کسی مسلمان کو مسجد میں اذان

دینے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمانوں کی مساجد اصطبلوں میں تبدیل کر دی گئی تھیں، مدرسے اور اوقاف ویران ہو گئے تھے۔ قومی عصمت بھی سکھوں کے رحم و کرم پر تھی۔ مسلمان بیٹیوں کی زبردستی آبروریزی کرنا سکھ معاشرے میں قابلِ فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔

آج بھی شاہی مسجد کے پہلو میں رنجیت سنگھ کی مڑھی کا اضافہ سکھوں کی ذہنیت کا ایک تاریخی ثبوت ہے۔ مسلمان اس وقت گویا جلتے تنور میں تھے۔ جب انگریز نے ۱۸۵۳ء میں پنجاب میں سکھوں کو شکست دی تو انگریز نے مسلمانوں سے حکومت نہیں چھینی تھی بلکہ مسلمانوں کی دشمن سکھ قوم سے حکومت چھینی تھی اور مسلمانوں کو محمڈن پرسنل لاء اور دیگر مذہبی آزادی سے نوازا تھا۔ ملک میں طوائف الملوکی اور لاقانونیت کی جگہ ایک مضبوط عادلانہ حکومت قائم کر دی۔ اوقاف اور مذہبی ادارے پھر سے زندہ ہونے لگے۔ مذہبی تعلیم پر سے ناروا پابندیاں اٹھالی گئیں۔ بدیں وجہ پنجاب کے مسلمان جو ایک عرصہ سے سکھوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے چلے آرہے تھے اب انہوں نے انگریز کی سلطنت میں سکھ کا سانس لیا اور انگریزی حکومت کو ایک نعمت سمجھا۔ ان حالات میں اگر مرزا صاحب انگریز کی مخالفت کرتے تو یہ امر سکھ مظالم کی تائید و حمایت کے مترادف ہوتا۔

پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو انگریزی حکومت کی شکر گزاری اور ان کی حمایت اور خیر اندیشی کے مواعظ کا اس پس منظر اور تاریخی حقیقت کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہیے تھا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی سیاست دانی

یہ بیان کرنا بھی از بس ضروری ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ جانتے تھے کہ ہندو اکثریت آٹھ سو سال تک مسلمانوں کے ماتحت رہنے کے بعد اب بیدار ہو رہی ہے اور مسلمان زوال کے اس دور میں داخل ہے جس میں ہر فاتح قوم اقتدار چھن جانے پر مبتلا ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف ایک انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ اگر اس وقت انگریز ہندوستان کو آزاد کر دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ملک میں ہندوؤں کی ایک متعصب حکومت قائم ہوتی جو مسلمانوں کو ان کے آٹھ سو سالہ دورِ حکومت کا بدلہ لینے کے لئے اپنے انتقام کا نشانہ بناتی اور وہ حکومت آج کے بھارت کی نام نہاد سیکولر حکومت سے کہیں زیادہ خطرناک حکومت ثابت ہوتی۔ گزشتہ ۴۴ سال سے بھارت میں مسلمانوں سے جو سلوک ہو رہا ہے وہ ابوالحسن صاحب ندوی کی نگاہ سے مخفی نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر بھارت کی سیکولر حکومت پاکستان پر ۱۹۶۵ء میں چوروں کی طرح جارحانہ حملہ بھی کر چکی ہے اور اب نام نہاد بنگلہ دیش کے ڈھونگ کو جاری رکھ کر جارحانہ اقدام کر چکی ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں انگریز ہندوستان کو چھوڑ جاتا تو مسلمانوں کا صرف آقا تبدیل ہوتا۔ انگریز جاتا تو اس سے بدتر [illegible] صورت کا دشمن آقا ہندو آجاتا۔ اسلئے بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے [illegible] خوفزدہ

تھا کہ اگر ایسے حالات میں انگریزوں نے ہندوستان چھوڑا تو یہ امر مسلمان کے حق میں بُرا ثابت ہوگا۔ ہندوؤں کی جس متعصّبانہ ذہنیت نے قائداعظم کو کانگریس سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا تھا اسی ہندو ذہنیت کا واضح تصوّر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو بھی تھا اور اُس دَور کے مسلمان عمائدین کو بھی۔

پاکستان بنانے میں امام جماعت احمدیہؓ کا کردار

پاکستان کا تصوّر تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی وفات کے بعد کی پیداوار ہے۔ ہاں جب پاکستان کا واضح تصوّر پیش ہُوا تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی تعلیم کی روشنی میں ہی جماعت احمدیہ نے ہر ممکن آئینی طریق سے مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کی اور پاکستان کے قیام میں ایسی جدوجہد کی کہ اگر امام جماعت احمدیہ وہ جدوجہد نہ کرتے تو پاکستان کا وجود معرضِ خطر میں پڑ چکا تھا تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں چاہتے تھے کہ پاکستان نہ بنے اور انگریز اختیارات ہندو کو دیکر ہندوستان چھوڑ جائیں۔ قائداعظم کانگریس سے الگ ہوکر مسلم لیگ بنا چکے تھے۔ جو اس کوشش میں تھی کہ ہندوستان کے مسلم اکثریت والے علاقوں میں علیحدہ آزاد سلطنت بنا دی جائے۔ ہندو کسی طرح اِس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ ہندو مسلمانوں میں مفاہمت کے لئے وزارتی مشن ولایت سے آیا مگر

مفاہمت میں ناکام رہ کر اُس نے وائسرائے کو سفارش کی کہ عبوری حکومت بنا دی جائے۔ اس مشن کی سفارش پر وائسرائے نے کانگریسی ہندوؤں میں سے اکثر کو اور مسلم لیگی عمائدین میں سے بعض کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی لیکن کانگریس نے اسمبلی میں شامل ہونا تو منظور کر لیا لیکن عبوری حکومت کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس موقعہ پر انگریز کو چاہیئے تو یہ تھا کہ وعدہ کے مطابق اب عنانِ حکومت مسلم لیگ کے سپرد کر دیتا لیکن اس نے چالاکی سے پنڈت جواہر لال نہرو کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ اس پر بطور پروٹسٹ قائداعظم نے اس کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس وقت حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی کے بعد محسوس کیا کہ اگر مسلم لیگ کی طرف سے بائیکاٹ جاری رہا تو پاکستان معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا بلکہ انگریز ہندو کو حکومت دیکر چلا جائے گا۔ لہذا آپ دہلی تشریف لے گئے اور مسلمان لیڈروں اور قائداعظم کو آمادہ کیا کہ وہ عبوری حکومت میں شامل ہوں ورنہ پاکستان نہیں بن سکے گا۔ قائداعظم اور مسلمان لیڈروں کو اس خطرے کا پورا احساس ہو گیا۔ مگر ان کے لئے یہ دشواری حائل تھی کہ عبوری حکومت کا بائیکاٹ کرنے کے بعد ان کا از خود اس میں شامل ہونا وقار کے خلاف تھا۔ اس پر حضرت امام جماعت احمدیہ کی کوشش سے وائسرائے سے اعلان کرایا گیا کہ مسلم لیگ کے لئے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا اب بھی موقعہ ہے۔ چنانچہ اس اعلان

پر فوراً مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی رہنمائی فضل وکرم اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی بروقت کوشش سے پاکستان کی حکومت معرضِ وجود میں آ گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

کوئی دیانتدار اور نیک نیت مورخ جماعتِ احمدیہ کی اس جدوجہد سے انکار نہیں کر سکتا جو اس نے پاکستان کی حمایت میں کی یعنی پاکستان بنانے کے لئے اس وقت مسلمانوں کو جو جہاد درپیش تھا اس میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک سچے مسلمان کی طرح نہایت مؤثر کردار ادا کیا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی دورخی

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بڑی شدت کے ساتھ اپنے رسالہ اشاعۃ السنّۃ میں انگریزی حکومت کی امن و آزادی کی ایسی تعریف کی تھی کہ وہ اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر سمجھتے تھے۔ (اشاعۃ السنّۃ جلد نمبر ۱ نمبر ۶ صفحہ ۲۹۲)

اور اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ "برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں۔" اسی قسم کے خیالات کا اظہار حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کرتے رہے جن کو آج محلِ اعتراض قرار دیا جاتا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب کی دورخی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ حضرت

بانی سلسلہ احمدیہ بھی انگریزی سلطنت کے حامی ہیں خود تو انگریزی حکومت کی تعریف کی اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف مخبری کر کے انگریزی حکومت کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ چنانچہ لکھا:۔

"اس (مرزا غلام احمد) کے دھوکے پر یہ دلیل ہے کہ دل سے وہ گورنمنٹ غیر مذہب کی جان مارنے اور اسکا مال لوٹنے کو حلال و مباح جانتا ہے۔ ..... لہذا گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پُرحذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۸ حاشیہ ۱۸۹۳ء)

اس قسم کی جھوٹی مخبری سے مولوی محمد حسین صاحب نے کئی مربعے زمین گورنمنٹ سے حاصل کر لی اور گورنمنٹ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگی اور اس نے قادیان میں نگران مقرر کر دیئے جو ہر آنے جانے والے سے پوچھ گچھ کرتے تھے حالانکہ آپ سچے دل سے گورنمنٹ کے وفادار تھے۔

اب مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کی قسم کے ایسے مخالفانہ پراپیگنڈہ کا اثر زائل کرنا آپ کے لئے از بس ضروری ہو گیا تا تبلیغ اسلام کے کام میں جس کا بیڑا آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے اٹھایا تھا کوئی روک پیدا نہ ہو جائے کیونکہ یہ کام آپ کو دل و جان سے زیادہ عزیز تھا۔

اس پراپیگنڈہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے آپ کے لئے اپنی جماعت کی وفاداری اور اپنے خاندان کی پرانی وفاداری کا ذکر گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچانا ضروری ہوگیا۔ چنانچہ آپؑ نے لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو لکھا:-

"یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربے سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمتگزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودے کی نسبت (قدیم خاندان کو خود کاشتہ کہا ہے نہ کہ جماعت کو۔ ناقل) نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔ اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو مہربانی کی نظر سے دیکھے۔" (تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ 19)

اس عبارت میں نہ تو جماعت کو انگریزوں کی خود کاشتہ کہا ہے نہ کسی خوشامد و چاپلوسی سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ آپؑ کا خاندان شروع سے وفادار رہا ہے لہٰذا گورنمنٹ کو آپؑ اور آپؑ کی جماعت کے متعلق کسی شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ بلکہ عنایت و مہربانی کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ آپؑ خود بھی وفادار

ہیں اور آپ کا خاندان بھی وفادار رہا ہے اور آپ کی جماعت بھی وفادار ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس ندوی صاحب نے "خود کاشتہ پودا" کے عنوان سے درج کیا ہے۔ جب اُن کو اس میں سے یہ بات نہ ملی کہ جماعت کو انگریزوں کی خود کاشتہ قرار دیا گیا ہے تو انہوں نے لکھا:۔

"کسی درخواست میں اپنے اور اپنی جماعت کے لئے سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ کے الفاظ آئے ہیں۔"

ابوالحسن صاحب کی اس بات نے واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سارا بیان نہیں پڑھا اور کہیں سے معترضین کا پیش کردہ ادھورا حوالہ لے لیا ہے۔

مندرجہ بالا جن فقرات کو خود کاشتہ والی عبارت پیش کرنے کے بعد انہوں نے کسی درخواست کی طرف منسوب کیا ہے حقیقت میں وہ عبارت بھی چوبیس فروری والی درخواست کی ہی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

"غرض یہ ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ نیک نامی حاصل کردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ ہے یا وہ لوگ جو میرے اقارب و خدام میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے

ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جما دیئے"۔

اس عبارت سے بھی اسی غلط پراپیگنڈہ کا ازالہ مقصود ہے کہ مرزا صاحب باغی ہیں۔ وہ مہدی سوڈانی سے بھی خطرناک ثابت ہونگے۔ لہذا آپ کے لئے اپنی جماعت اور اقارب نیز اپنے متبعین علماء کے متعلق بھی مولوی محمد حسین کی مخبری کے غلط اثر کو دور کرنے کی ضرورت تھی۔ سو جماعت کو نمک پروردہ آپ نے اسلئے کہا کہ یہ جماعت انگریزی عہد میں پیدا ہوئی ہے اور حکومت کی مذہبی آزادی سے فائدہ اُٹھا کر وجود پذیر ہوئی ہے۔ ورنہ گورنمنٹ نے جماعت احمدیہ سے کوئی الگ سلوک نہیں کیا تھا جو دوسروں سے نہ کیا ہو۔ لیکن گورنمنٹ کے جماعت کو آزادی سے پنپنے دینے کے فعل کو اس کا نمک پروردہ ہونا اور موردِ رحمت ہونا بیان کیا ہے۔

جماعت کو نیک نامی حاصل کردہ اسلئے قرار دیا گیا ہے کہ جماعت میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو سرکار انگریزی میں نیک نامی سے خدمت کر رہے تھے۔

عجیب بات ہے کہ آج مولوی ندوی صاحب کو یہ نظر آرہا ہے کہ انگریزی حکومت کی وفاداری، اخلاص اور خدمت کا جذبہ قادیانی سیرت واخلاق کا جزو بن گیا۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں یہ جذبہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے سب بزرگوں میں کارفرما تھا۔

جاسوسی کا الزام

مولوی ابوالحسن صاحب نے انگریزی حکومت کے رضاکار اور جاسوس

کا عنوان دے کر کابل میں شہید کئے جانے والے احمدیوں کو انگریزوں کے جاسوس قرار دیا ہے اور دلیل اس کی یہ دی ہے کہ ملا عبدالحلیم اور ملا نور علی قادیانی کے پاس سے ایسی دستاویزیں اور خطوط برآمد ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ افغان حکومت کے غدار اور انگریزی حکومت کے ایجنٹ اور جاسوس ہیں۔ افغان حکومت کے وزیر داخلیہ کے اعلان کو پیش کیا ہے کہ :۔

"مملکتِ افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے تھے۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھوں بِک چکے تھے"

یہ بیان صرف مظلوموں کے بے گناہ خون سے ہاتھ رنگنے کا جواز ثابت کرنے کے لئے شائع کیا گیا تھا۔ تا بین الاقوامی دُنیا میں حکومتِ افغانستان کو حقارت و نفرت سے نہ دیکھا جائے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ حکومتِ افغانستان نے ان دستاویزات کو بعد میں شائع نہ کیا۔ حالانکہ اس دوران میں اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس واقعہ کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی۔ اس اعلان کے مطابق حکومتِ افغانستان کا فرض تھا کہ تحقیق کے بعد وہ نتائج شائع کرتی مگر حکومتِ افغانستان نے مظلوموں کو تو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا مگر ان غیر ملکی خطوط کی کوئی تفصیل نہ دی۔ تا حکومت کے اپنے جرم پر پردہ پڑا رہے۔ مگر مظلوم کی آہ خالی نہیں جاتی۔ لہذا یہ دونوں اصحاب جو بے گناہ شہید کئے گئے محض مذہبی تعصب کی بناء پر ان پر ظلم روا رکھا گیا انکی

آہیں بے اثر نہیں گئیں۔ یہ آہیں آسمان تک پہنچیں اور اس کے بعد امیر امان اللہ خان کی حکومت خدا کے غضب کی مورد بنی۔ اس طرح کہ ایک معمولی سپاہی بچہ سقہ کے ہاتھوں جس نے تین سو افراد کا جتھہ لے کر بغاوت کر دی۔ امان اللہ خان کی منظم سلطنت کو شکست کھانا پڑی اور وہ اپنے بھائی امیر عنایت اللہ خان کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو کر ملک چھوڑ گئے۔ پھر امیر عنایت اللہ خان کو بھی چند گھنٹوں کے بعد دستبردار ہونا اور ملک چھوڑنا پڑا۔ اس طرح اس حکمران خاندان کے ہاتھ سے اقتدار نکل گیا۔

اس کے بعد امیر امان اللہ خان نے ہوٹل جاری کر کے گویا بھٹ جھونک کر اپنی زندگی کے ایام گزارے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

درشت کلامی اور دشنام طرازی کے الزامات

باب سوم کی فصل سوم میں مولوی ابوالحسن صاحب لکھتے ہیں :۔

"انبیاء اور ان کے متبعین کے متعلق یقین اور تواتر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت شیریں کلام، پاکیزہ زبان، عالی ظرف، فراخ حوصلہ اور دشمن نواز ہوتے ہیں۔ وہ دشنام کا جواب سلام سے، بددعا کا جواب دعا سے، تکبر کا جواب فروتنی سے اور رذالت کا جواب شرافت سے دیتے ہیں۔ ان کی زبان کبھی کسی دشنام سے اور کسی فحش کلام سے آلودہ نہیں ہوتی۔ طنز و تعریض، تفضیح و تضحیک، ہجوِ ملیح،

ضلع، جگت وغیرہ سے ان کی فطرتِ عالی کو کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ وہ اگر کسی کی تردید یا مذمت کرتے ہیں تو سادہ اور واضح الفاظ میں وہ کسی کے نسب پر حملہ کرنے، اس کے خاندان اور آباؤ اجداد پر الزام لگانے اور درباری شاعروں اور لطیفہ گویوں کی طرح چٹکی لینے اور فقرہ چست کرنے کے فن سے ناآشنا ہوتے ہیں۔" (قادیانیت صفحہ ۱۴۳)

پھر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اس کے بالکل برعکس مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے مخالفین کو (جن میں جلیل القدر علماء اور عظیم المرتبت مشائخ تھے) ان الفاظ سے یاد کیا ہے اور ان کی ان الفاظ میں ہجو کی اور خاک اڑائی ہے کہ بار بار تہذیب کی نگاہیں نیچی اور حیا کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ ان مخالفین کے لئے ذریۃ البغایا (بدکار عورتوں کی اولاد) کا کلمہ تو مرزا صاحب کا تکیۂ کلام تھا۔ اور ان کی اس ہجو کے زیادہ تیز اور شوخ نمونے عربی نظم و نثر میں ہیں۔" (قادیانیت صفحہ ۱۴۵)

آگے دو نمونے پیش کئے ہیں:۔

"اگر یہ گالی دیتے ہیں تو میں نے ان کے کپڑے اتار لئے ہیں اور ایسا مردار بنا کر چھوڑ دیا جو پہچانا نہیں جاتا۔

دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور انکی عورتیں

کتیوں سے بڑھ گئیں"۔

اس کے بعد مولوی ندوی صاحب نے بعض علماء کا نام لے کر لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے ان کے متعلق ذئاب و کلاب، شیطان لعین، شیطان اعمٰی، غول اغوی، شقی و ملعون کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

الجواب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنے مخالفین کی بدکلامی کو اکثر صبر سے برداشت کرتے رہے ہیں۔ آپ کو معاندین کی طرف سے صدہا خطوط غلیظ اور گندی گالیوں سے پُر موصول ہوتے تھے لیکن آپ ہمیشہ ان پر صبر کرتے تھے۔ آپ نے کسی کی بدکلامی کا نوٹس اُس وقت لیا ہے جب کہ یہ بدکلامی انتہا کو پہنچ گئی۔ ایسے موقعہ پر آپ نے جوابی طور پر کسی قدر سخت کلامی سے کام حسب آیت جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ضرور لیا ہے۔ کیونکہ مظلوم کی طرف سے سخت کلامی خدا تعالیٰ کو ناپسند نہیں۔ وہ فرماتا ہے لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ (پارہ ۶ آیت ۱) یعنی خدا مظلوم کے سوا اور کسی سے اعلانیہ سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا۔ پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا انتہائی مظلومانہ حالت میں اپنے دشمنوں کو کسی قدر سخت کلامی سے جواب دینا ہرگز قابلِ اعتراض امر نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے سخت کلامی کی وجوہ

خود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنی طرف سے بعض لوگوں کے متعلق کسی قدر

سخت کلامی کی وجوہ یوں بیان فرماتے ہیں :-

"مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میری طرف سخت کلامی استعمال میں آئی تھی مگر وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں۔ بلکہ وہ تمام تحریریں بہت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے جن کے جواب میں کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے جو میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں میں سے سخت الفاظ اکٹھے کر کے کتاب مثل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کیے ہیں جس کا نام میں نے "کتاب البریّہ" رکھا ہے۔ بایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت جواب جوابی طور پر ہیں۔ ابتداء سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے۔ اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا لیکن دو مصلحت کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔

اوّل یہ کہ تا کہ مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پا کر اپنی روش بدلا لیں اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔

دوم یہ کہ مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ کے جواب بھی کسی قدر سخت پا کر اپنی پُرجوش طبیعتوں کو اس طرح

سمجھا لیں کہ اُس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی کے ساتھ اُن کو جواب مل گیا ہے۔"

(کتاب البریّہ صفحہ ۱۰-۱۱)

علماء کے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف سخت الفاظ

مولوی ابوالحسن صاحب نے علماء کے متعلق حضرت مرزا صاحب کے بعض سخت الفاظ استعمال نقل کئے ہیں وہ ذرا اپنے علماء کے کلام کا نمونہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف ملاحظہ کر لیں۔ ان کے نمونہ کو ملاحظہ کر لینے کے بعد امید ہے کہ ایسے لوگوں سے جواب میں سختی کرنے میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو معذور جاننے کے سوا چارہ نہیں پائیں گے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی سخت کلامی کا نمونہ

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی مخالفت میں بدزبانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اسلام کا چھپا دشمن۔ مسیلمہ ثانی۔ دجّالِ زمانی۔ نجومی۔ رملی۔ جوتشی۔ اٹکل باز۔ جفری۔ بھنگڑ۔ پھکڑ۔ ادر بولو۔۔۔۔۔ مکّار۔ جھوٹا۔ فریبی۔ ملعون۔ شوخ۔ گستاخ۔ مثیل الدجال۔ اعور دجّال غدار۔ پرُ فتنہ و مکار۔ کاذب۔ کذّاب۔ ذلیل و خوار۔

ایک دجّال کہہ سکتے ہیں۔ اس کے پیرو ہم مشرب ذرّیاتِ دجّال۔ خدا پرافترا باندھنے والا۔ اس کی تاویلات الحاد و تحریف کذب وافتراء سے کام لینے والا۔ دجّال بے علم۔ نافہم۔ اہلِ بدعت وضلالت "۔

مولوی عبدالجبّار غزنوی کی دشنام طرازی

آپ کو دجّال۔ کذاب کہنے کے بعد لکھا ہے:۔

"اس کے چوزے (اتباع) ہنود و نصاریٰ کے مخنّث ہیں"۔ (فتویٰ صفحہ ۲۰۰)

عبدالصمد بن عبداللہ غزنوی کی دشنام طرازی

"کجرو۔ پلید۔ فاسد ہے اور رائے کھوٹی گمراہ ہے۔ لوگوں کو گمراہ کرنے والا۔ چھپا مرتد۔ بلکہ وہ اپنے شیطان سے زیادہ گمراہ جو اس کے ساتھ کھیل رہا ہے"۔ (فتویٰ ص ۲۰۲)

عبدالحق غزنوی کی دشنام

"اشتہار ضرب النعال علیٰ وجہ الدّجّال
دجّال۔ ملحد۔ کاذب۔ رُوسیاہ۔ شیطان۔ لعنتی۔ بے ایمان۔ ذلیل۔ خوار۔ خستہ خراب۔ کافر۔ شقی سرمدی ہے

لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے۔ لعن طعن کا جوت اس
کے سر پر پڑا۔ وغیرہ"

مولوی سعد اللہ نو مسلم کی دشنام

"قادیانی رافضی۔ بے پیر۔ دجال۔ یزید۔ اس کے مرید
یزیدی خانہ خراب۔ فتنہ گر۔ ظالم۔ سیاہ کار۔ روسیاہ۔
بے شرم۔ احمق۔ کاذب۔ خارجی۔ بھانڈ۔ یاوہ گو۔ غبی۔
بدمعاش۔ لالچی۔ جھوٹا۔ کافر۔ مفتری۔ ملحد۔ دجال حمار۔ بزاخفش۔
بکواسی۔ بدتہذیب اور دون ہے۔ وغیرہ"

ہم نے اس جگہ بعض علماء کے دشنام طرازی کے نمونے پیش کئے ہیں جو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے نزدیک متبعین رسول ہیں۔ ایسے گندہ دہن علماء کے جواب میں کسی قدر سختی تاکہ وہ اپنی روش کو بدلیں ان کی اصلاح کے پیش نظر ضروری تھی۔

سخت الفاظ کا استعمال از روئے قرآن مجید بھی بعض حالات میں نہ صرف جائز ہے بلکہ خود خدا تعالیٰ نے بھی معاندین اسلام، مشرکین اور یہود کے متعلق قرآن مجید میں سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ (سورۃ البیّنۃ) یعنی جن لوگوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے انکار کر دیا ہے

وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ تمام مخلوق میں سے بدتر ہیں۔ اس آیت میں مشرکین اور یہود کو جنہوں نے اسلام کا انکار کیا جہنمی اور تمام مخلوقات میں سے کتوں، خنزیروں، سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ پھر حاملینِ تورات کو یعنی یہود اور اُنکے علماء کو مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (سورہ جمعہ) میں گدھوں کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہود کے متعلق قرآن کریم میں وارد ہے جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ ( ) کہ خدا نے ان میں سے بعض کو بندر اور سؤر بنا دیا ہے۔ اب جو یہودی اور مشرکین اپنے متعلق یہ کلمات سُنتے تھے وہ ان سے خوش تو نہیں ہوتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کہ ان الفاظ سے وہ خوش نہیں ہوں گے پھر بھی ایسے الفاظ ان کے حق میں استعمال فرمائے۔ بلکہ یہ بھی کہا ہے عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ کہ اُن پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

پس جوابی طور پر دشمنوں کے متعلق سخت الفاظ کا استعمال قرآن مجید میں جب ہوا تو اسے ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے بعض لوگوں پر ایک ماہ مسلسل لعنت پڑنے کی دعا بھی کی۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

کو جو شاعر تھے خود ہدایت فرمائی اُهْجُهُمْ وَجِبْرِئِيلُ مَعَكَ کہ قریش کی شعروں میں ہجو کرو جبریل تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہیں جبریل کی تائید حاصل ہوگی۔

نیز ہدایت فرمائی :۔

شُنِّ الْغَارَةَ عَلٰى عَبْدِ مُنَافٍ فَوَاللّٰهِ لَشِعْرُكَ أَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِنْ وُقْعِ الْحُسَامِ فِي غَبَشِ الظَّلَامِ۔

(ادب العربی و تاریخہ الجزء الاول ص۱۲۴)

ترجمہ :۔ بنی عبد مناف پر شعر میں جارحانہ حملہ کرو۔ خدا کی قسم تیرا شعر ان پر تاریکی میں تلوار پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت حسان رضؓ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں منبر رکھوا دیتے اور ان کا کلام دشمنوں کی ہجو پر مشتمل سُنا جاتا تھا۔

چنانچہ اسی جگہ ادب العربی و تاریخہ میں لکھا ہے :۔

وَكَانَ يَنْصِبُ لَهٗ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ وَ يُسْمَعُ هِجَائَهٗ لِاَعْدَائِهٖ۔

پس جوابی طور پر سخت کلامی جو ہجو وغیرہ پر مشتمل ہو مزاجِ نبوت کے بھی خلاف نہیں۔ لہذا مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کا طعن رد ہوا۔

ماسوا اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے طرزِ عمل سے بھی ثابت ہے کہ انہیں بعض اوقات اعدائے اسلام کے لئے سخت الفاظ

استعمال کرنا پڑے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنہیں افضل اُمت قرار دیا گیا ہے ایک دشمنِ اسلام کو کہا کہ اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ۔ کہ لات بت کی جائے مخصوص چوس۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحة)

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے جن کے ماننے والوں کی پاکستان اور ہندوستان میں کثرت ہے حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کے متعلق کہا ہے :-

مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَاءِ فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَاءِ۔

(الوصیت ص۳۹ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

یعنی جو شخص حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائے وہ ولد الزنا ہے۔

پھر شیعوں کے امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں :-

مَنْ اَحَبَّنَا كَانَ نُطْفَةَ الْعَبْدِ وَمَنْ اَبْغَضَنَا كَانَ نُطْفَةَ الشَّيْطَانِ۔ (فروع کافی جلد ۲ ص۲۱۶ کتاب النکاح مطبوعہ نولکشور)

یعنی جو شخص ہم سے محبت رکھتا ہے وہ بندے کا نطفہ ہے مگر جو ہم سے بغض رکھتا ہے وہ نطفہ شیطان ہے۔

پس حضرت امام ابوحنیفہ اور امام جعفر صادق کے الفاظ اظہارِ ناراضگی کے لئے ہیں حقیقت میں ان الفاظ کے لغوی معنوں میں ان لوگوں کے حسب پر طعن مقصود نہیں۔ پس ایسے الفاظ مجاز کے طور پر استعمال ہوتے ہیں نہ کہ

حقیقت کے طور پر

مولوی ابوالحسن صاحب کا افتراء

مولوی ابوالحسن صاحب نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر یہ افتراء بھی کیا ہے کہ مخالفین کے لئے ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا کے الفاظ آپ کا تکیہ کلام ہیں ۔۔۔ اس جگہ مولوی ابوالحسن صاحب نے ذُرِّیَّۃُ البغایا کا ترجمہ بدکار عورتوں کی اولاد کیا ہے۔ مولوی ندوی صاحب کے اس الزام کو ہم افتراء کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں جب کہ ذُرِّیَّۃُ البغایا کے الفاظ آپ نے صرف ایک دفعہ اور وہ بھی دشمنانِ اسلام کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ جن کے دلوں پر آگے لکھتے ہیں اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ پھر یہ الفاظ آپ نے مسلمانوں کے حق میں استعمال نہیں کئے۔ اور ان کی تشریح میں اَلَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ یہ الفاظ ان کی سرکشی کی حالت بیان کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں ان کے حسب پر طعن نہیں کیا گیا۔

عربی لغت کی کتاب تاج العروس میں لکھا ہے :-

"اَلْبِغْیَۃُ فِی الْوَلَدِ نَقِیْضُ الرُّشْدِ وَ یُقَالُ هُوَ ابْنُ بِغْیَۃٍ"

یعنی عربی محاورہ میں البغیۃ کا لفظ جب اولاد کی نسبت سے مذکور ہو تو یہ لفظ رشد یعنی ہدایت کی نقیض کے معنوں میں ایسے شخص

کے لئے استعمال ہوتا ہے جو رُشد و ہدایت سے محروم ہو چنانچہ ایک خاص سرکش کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے ابن بغاء کا لفظ استعمال کر کے خود اس کے معنی "اے سرکش انسان" کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء)

آئینہ کمالاتِ اسلام میں ذرّیۃ البغایا والی عبارت سے پہلے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسلمانوں کا ذکر ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

"اے قیصرہ ہند میں آپ کو محض للہ نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند تیرے خاص بازو ہیں اور ان کو تیری مملکت میں ایک خصوصیت حاصل ہے اسلئے تجھے چاہئے کہ مسلمانوں پر خاص نظرِ عنایت رکھے اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے اور ان کی تالیفِ قلوب کرے اور ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر سرفراز کرے۔ وہ اس ملک میں ایک ہزار سال تک حکومت کر چکے ہیں اور ان کو اس ملک میں ایک خاص شان حاصل تھی اور وہ ہندوؤں پر حاکم رہے ہیں اسلئے تجھے بھی مناسب ہے کہ تو ان کی عزت و تکریم کرے اور بڑے بڑے عہدے ان کے سپرد کرے۔"

پھر زیر بحث عبارت کے سیاق میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"جب میں بیس سال کی عمر کو پہنچا تبھی سے میرے دل میں یہ خواہش رہی کہ اسلام کی نصرت کروں اور آریوں اور

عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ چنانچہ اس غرض سے میں نے متعدد کتب تصنیف کیں جن میں سے ایک براہین احمدیہ ہے۔ ...... نیز اور کتابیں بھی ہیں جن میں سے سرمہ چشم آریہ۔ توضیح مرام۔ فتح اسلام۔ ازالہ اوہام ہیں۔ نیز ایک اور کتاب بھی ہے جو میں نے انہی دنوں لکھی ہے اس کا نام دافع الوساوس (آئینہ کمالات اسلام) ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو دینِ اسلام کا حسن دیکھنا چاہیں اور دشمنانِ اسلام کو لاجواب کرنا چاہتے ہیں یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

یہ کتابیں ایسی ہیں کہ سب کے سب مسلمان انکو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان کے معارف اور مطالب سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

اس کے بعد زیرِ بحث عبارت آتی ہے جس میں فرماتے ہیں :-

"کُلّ مُسْلِمٍ یَقْبَلُنِیْ وَ یُصَدِّقُ دَعْوَتِیْ اِلَّا ذُرِّیَّۃَ الْبَغَایَا الَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ"

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۴۷)

کہ ہر مسلمان مجھے قبول کرے گا اور میری اس دعوت (اسلام) کی تصدیق کرے گا سوائے ذریّۃ البغایا کے (یعنی سوائے سرکش غیر مسلموں کے) جن کے دلوں پہ اللہ تعالیٰ نے مُہر کر دی ہے وہ اس دعوتِ اسلام کو نہیں مانیں گے۔

سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ اِلَّا ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا کے الفاظ میں اِلَّا حرفِ استثناء اس عبارت میں استثنائے منقطع کے لئے استعمال ہُوا ہے اور مراد اس سے صرف آریہ اور عیسائیوں میں سے وہ سرکش لوگ ہیں جو آپؑ کی دعوتِ اسلام کو قبول نہیں کریں گے۔

پس اس سے ظاہر ہے کہ ذرّیۃ البغایا کے الفاظ اس سیاق میں مسلمانوں کے حق میں وارد نہیں۔ یہ فقرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۔کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔

دوسری جگہ ابلیس کے متعلق فرمایا۔ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ۔کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا وہ جنوں میں سے تھا پس اس نے خدا کے حکم کو نہ مانا۔

پس جس طرح اِلَّآ اِبْلِیْسَ کے الفاظ میں اِلَّا بطور استثناءِ منقطع کے استعمال ہُوا ہے اسی طرح اِلَّا ذرّیّۃ البغایا میں اِلَّا استثنائے منقطع کے لئے استعمال ہُوا ہے اور اس طرح مراد ذرّیّۃ البغایا سے وہ سرکش غیر مسلم ہیں جن کے دلوں پر خدا تعالیٰ نے مُہر لگا دی ہے۔ اس جگہ مُہر لگایا جانے کا ذکر ذرّیۃ البغایا کی تشریح کے طور پر ہے کہ اس سے سرکش لوگ مراد ہیں۔

امام ابوجعفر یعنی امام باقرؒ نے اپنے دشمنوں کے متعلق کہا ہے :-

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ اَوْلَادُ بَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتِنَا۔

(الفروع الکافی حصہ سوم کتاب الروضۃ ص۱۲۵!

مطبوعہ نولکشور)

ہم سے محبت رکھنے والے گروہ کے سوا باقی سب لوگ

اولاد بغایا یعنی سرکشی کرنے والے لوگ ہیں۔

اس جگہ امام صاحب نے کسی کے حسب پر طعن نہیں کیا بلکہ اولادِ بغایا

کے الفاظ رشد و ہدایت سے محروموں کیلئے ہی استعمال کئے ہیں۔

چنانچہ امام موصوف کے اس قول کی عربی محاورہ کے مطابق وضاحت

میں اخبار مجاہد ۱۴ر مارچ ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا ہے :۔

"ولد البغایا، ابن الحرام۔ ولد الحرام۔ ابن الحلال۔

بنت الحلال وغیرہ یہ سب عرب کا محاورہ ہماری دنیا کا

محاورہ ہے۔ جو شخص نیکوکاری کو ترک کرکے بدکاری کی

طرف جاتا ہے اس کو باوجودیکہ اس کا حسب نسب درست

ہو صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام، ولد الحرام کہتے ہیں۔

اس کے خلاف جو نیکوکار ہوتے ہیں ان کو ابن الحلال کہتے

ہیں۔ اندریں حالات امام صاحب کا اپنے مخالفین کو اولادِ

بغایا کہنا بجا اور درست ہے۔"

نیکوکاری سے بعید ہوجانے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اسلام کی

تائید میں ایک پیشگوئی کے خلاف عیسائیوں کی تائید کرنے پر حضرت بانی

سلسلہ احمدیہؑ نے ایک معاند کو ولد الحرام بننے کا شوق رکھنے والا لکھا۔ آپؑ کی مراد یہ ہے کہ یہ شخص فرزندِ اسلام نہیں رہا۔ کیونکہ وہ اسلام کی سچائی کے متعلق آپؑ کی پیشگوئی کو جھٹلا کر جو عبد اللہ آتھم کی ہلاکت کے متعلق تھی عیسائیت کی تائید میں کمربستہ تھا جب کہ عبد اللہ آتھم کی ہلاکت اس کے رجوع کر لینے کی وجہ سے وقتی طور پر ٹل گئی تھی۔

واضح ہو کہ آئینہ کمالاتِ اسلام کی زیرِ بحث عبارت اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتی ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وقت آرہا ہے کہ ہر مسلمان آپؑ کی تحریروں کو اور آپؑ کی دعوتِ اسلام کو قبول کر لیگا اور صرف وہ غیر مسلم قبول کرنے سے محروم رہیں گے جو سرکش ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔

دو شعروں کی تشریح

مولوی ابوالحسن صاحب نے اس موقعہ پہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے دو شعروں کا ترجمہ پیش کیا ہے جن میں پہلے شعر کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ:۔

"اگر یہ گالی دیتے ہیں تو میں نے ان کے کپڑے اتار لئے
ہیں اور ایسا مردار بنا کر چھوڑ دیا ہے جو پہچانا نہیں جاتا۔"

اس کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شعر گالیاں دینے والوں کے جواب میں کہا گیا ہے۔ مخالف کی گالیوں کے جواب میں یہ کہنا کہ میں نے اس کے عیوب ظاہر کر دیئے ہیں اور روحانی لحاظ سے اُسے مُردہ ثابت کر دکھایا۔

ہرگز کسی گالی کا مفہوم نہیں رکھتا بلکہ یہ ان کی اصل حالت کا اظہار ہے۔
حضرت حسانؓ جو شعر قریش کے متعلق کہتے ہیں ان میں وہ انہیں "کتے"، لومڑیاں، ذلیل، کمینے اور ناپاک لوگ قرار دیتے ہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ایک اور شعر کا ترجمہ یوں پیش کیا ہے:۔

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں" (نجم الہدیٰ صفحہ ۱)

یہ شعر ان عیسائی مردوں اور عورتوں کے متعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گند اچھال رہے تھے اور آپ کا نہایت برے الفاظ سے ذکر کرتے تھے۔ مرد جلسوں میں اور عورتیں مسلمانوں کے گھروں میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بکواس سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اس سے اگلا شعر اس بات پر روشن دلیل ہے۔ ہم اس جگہ دونوں شعر لکھ کر ان کا ترجمہ قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تا وہ نظر انصاف سے دیکھ لیں کہ اس جگہ اعداء سے مراد مسلمان نہیں۔ دونوں شعر یوں ہیں:۔

إِنَّ الْعِدَىٰ صَارُوْا خَنَازِيْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْأَكْلُبُ
سَبُّوْا وَمَا أَدْرِيْ لِأَيِّ جَرِيْمَةٍ
سَبُّوْا أَنَعْصِيْ الْحِبَّ أَوْ نَتَجَنَّبُ

(نجم الہدیٰ صفحہ ۱)

دشمن (یعنی دشمنانِ اسلام) جنگل کے خنزیر بن گئے ہیں اور
ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئی ہیں۔ انھوں نے گالیاں
دی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ کس جرم پر انھوں نے گالیاں
دی ہیں۔ کیا ہم اپنے محبوب (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم) کی ان کی گالیوں کی وجہ سے نافرمانی کرنے لگیں گے
اور ان سے کنارہ کش ہو جائیں گے (یعنی ایسا نہیں ہو سکتا)
پس ان اشعار کا تعلق کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی مسلمان
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی نہیں دے سکتا۔ چنانچہ آگے نجم الہدیٰ
کے صہ ۱۲ پر فرماتے ہیں:۔

"سو آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین
صلیبی اونچا ہو گیا اور پادریوں نے ہمارے دین کی نسبت
کوئی دقیقہ طعن کا اٹھا نہ رکھا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور بہتان لگائے اور دشمنی کی....
.... اور تھوڑی مدت سے ایک لاکھ کتاب انہوں نے
ایسی تالیف کی جس میں ہمارے دین اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی نسبت بجز گالیوں اور بہتان اور تہمت اور کچھ نہیں۔
اور ایسی پلیدی سے وہ تمام کتابیں پر ہیں کہ ایک نظر بھی
ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ ان کے فریب
ایک سخت آندھی کی طرح چل رہے ہیں اور ان کے دل ہیبا

سے خالی ہیں اور تم مشاہدہ کرتے ہو کہ ان کا وجود تمام مسلمانوں پر ایک موت کھڑی ہے اور کمینہ طبع آدمی خس و خاشاک کی طرح ان کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں، پھر ان (پادریوں۔ ناقل) کی عورتیں اسی غرض کے لیے شریفوں میں پہنچیں ...... ان کے مذہب باطل نے ہمارے ملک کی نیکیوں کو دور کر دیا اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں یہ مذہب باطل (عیسائیت۔ ناقل) داخل نہ ہوا ...... اسلام پر وہ مصیبتیں پڑیں جن کی نظیر پہلے زمانہ میں نہیں ہے۔ دین وہ اس شہر کی طرح ہو گیا جو مسمار ہو جائے اور اس جنگل کی طرح جو وحشیوں سے بھر جائے۔" (نجم الہدیٰ ص۱۲)

پھر آگے چل کر اسی کتاب کے ص۱۴-۱۵ پر فرماتے ہیں :

"ہم صرف ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بصراحت یا اشارات سے گالیاں دیتے ہیں اور ہم ان پادری صاحبان کی عزت کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیتے۔ اور ایسے لوگوں کو جو اس پلیدی سے پاک ہیں قابل تعظیم سمجھتے ہیں اور تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں۔ اور ہمارے بیان میں کوئی ایسا حرف اور نقطہ نہیں ہے جو ان بزرگوں کی کسر شان کرتا ہو اور صرف ہم گالی دینے والوں کی گالی

اُن کے مُنہ کی طرف واپس کرتے ہیں تا اُن کے افتراء کی پاداش ہو۔"
(نجم الہدیٰ صفحہ ۱۴-۱۵)

حضرت بانی ٔسلسلہ احمدیہ ؑ کے اس بیان سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جس شعر کو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے پیش کیا ہے کہ ہمارے دشمن بیابان کے خنزیر بن گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔ یہ شعر مسلمانوں کے متعلق نہیں بلکہ اُن عیسائی منّاد مَردوں اور عورتوں کے متعلق ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے اور آپؐ کے خلاف گندے اعتراضات کرتے تھے۔

اس سے اگلے شعر میں حضرت بانی ٔسلسلہ احمدیہ ؑ نے بتایا ہے کہ یہ لوگ گالیاں دیتے ہیں مگر میں نہیں جانتا کس جُرم کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ گالیاں دیتے ہیں تو کیا ہم (ان کی گالیوں اور اعتراضوں کو سُن کر) اپنے محبوب رسولؐ کی نافرمانی کریں گے اور آپ سے کنارہ کش ہو جائیں گے؟ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پس حضرت بانی ٔسلسلہ احمدیہ ؑ نے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے پیش کردہ شعر میں مسلمانوں کو جنگل کے سُور اور اُن کی عورتوں کو کتیوں سے بڑھی ہوئی نہیں کہا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے عیسائی مَردوں اور عورتوں کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے اور خود بتا دیا ہے کہ یہ سخت الفاظ ان گالی دینے والوں کی پاداش میں اُن کے مُنہ کی طرف لوٹائے گئے ہیں۔ پس یہ شعر جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی آیت

کے مطابق گالیاں دینے والے عیسائی مردوں اور عورتوں کی یادداشت کے لئے لکھا گیا ہے۔ جوابی طور پر سختی اسلام میں جائز ہے۔ دیکھئے خود خدا تعالیٰ نے بھی یہودیوں کو سؤر اور بندر اور بلعم کو کتے سے تشبیہ دی ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب کو مخالفین پر لعنت ڈالنے پر بھی اعتراض ہے مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے صرف گندہ دہن لوگوں پر ہی لعنتیں ڈالی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں جھوٹوں پر لعنت کی ہے اور بعض لوگوں کے متعلق کہا ہے عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ یعنی اُن لوگوں پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اگر گندہ دہن پادریوں پر گن کر ہزار لعنت لکھی تو خدا تعالیٰ نے تو ایسے لوگوں پر کروڑہا لعنتیں پڑنے کا ذکر کیا ہے۔ تمام فرشتوں اور انسانوں کی تعداد کا اندازہ لگائیں تو کروڑوں چھوڑ ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ نے اربوں کھربوں لعنتیں پڑنے کا اس آیت میں ذکر فرما دیا ہے۔ پس لعنت کا ڈالنا بھی قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں بوقتِ ضرورت جائز ہے خصوصاً جبکہ ایسی کارروائی جوابی طور پر ہو۔

فصل چہارم کا جواب

پیشگوئی متعلق مرزا احمد بیگ و محمدی بیگم

مولوی ابوالحسن صاحب نے "ایک پیشگوئی جو پوری نہیں ہوئی" کے عنوان کے ماتحت یہ لکھا ہے کہ:-

"۱۸۸۸ء میں مرزا غلام احمد صاحب نے جبکہ اُن کی عمر پچاس سال کی تھی اپنے ایک رشتہ دار احمد بیگ کی نوعمر صاحبزادی محمدی بیگم کے نکاح کا پیام دیا۔ ان کا بیان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اس بات کے لئے مامور تھے اور خدا نے صاف اور صریح الفاظ میں اس کام کی تکمیل کا وعدہ فرمایا تھا۔" (قادیانیت ص۱۵۱)

اس کے آگے ص۱۶۵ تک اس پیشگوئی کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مرزا صاحب نے ۱۹۰۸ء میں وفات پائی اور یہ نکاح جو بقول اُن کے آسمان پر ہو چکا تھا زمین پر نہ ہو سکا۔"

الجواب:- حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی صدہا پیشگوئیوں میں سے

ایک پیشگوئی مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو ایسی نظر آتی ہے جو اُنکے خیال میں پُوری نہیں ہوئی۔ صدہا پیشگوئیوں میں سے اگر ایک پیشگوئی انہیں ایسی نظر آتی ہے تو عالم دین ہونے کے لحاظ سے انہیں اِس امر کی تحقیق کرنا چاہیئے تھی کہ اس کے بظاہر پورا نہ ہونے کی وجوہات کیا ہیں آیا یہ پیشگوئی کسی شرط کے ساتھ تو مشروط نہ تھی۔ اور اگر شرط کے ساتھ مشروط تھی تو اذا فات الشرط فات المشروط کے ماتحت منسوخ تو نہیں ہوئی؟

سو واضح ہو کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ پیشگوئی مشروط بہ شرائط تھی اور وعید پر بھی مشتمل تھی اور پیشگوئی کا ماحصل یہ تھا کہ اگر محمدی بیگم کا والد اس رشتہ پر رضامند نہ ہو اور کسی دوسری جگہ اس لڑکی کا رشتہ کر دے تو پیشگوئی کے مطابق وہ تین سال بلکہ اس سے بہت قریب مدت میں ہلاک ہو جائے گا اور اڑھائی سال کے عرصہ میں اس کا خاوند وفات پائے گا اور وہ بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئیگی۔

اب اصل واقعہ یہ ہے کہ محمدی بیگم کا والد مرزا احمد بیگ اس رشتہ پر رضامند نہ ہوا اور اس نے اس لڑکی کا نکاح مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی سے کر دیا۔ پیشگوئی کے مطابق لڑکی کا والد نکاح تک زندہ رہا اور لڑکی بھی نکاح تک زندہ رہی اور وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو گیا۔ اس سے مرزا احمد بیگ کے کنبہ والے سخت رنج و غم میں مبتلا ہوئے کیونکہ انہوں نے پیشگوئی کے

ایک حصہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوتے دیکھا۔ اگر مرزا احمد بیگ تین سال کے بعد وفات پاتا تو اِس صورت میں یہ پیشگوئی جھوٹی نکلتی۔ لیکن پیشگوئی کا یہ حصہ اپنے ظاہری لفظوں میں صفائی سے پورا ہوگیا تو یہ دیکھ کر مرزا احمد بیگ کے خاندان والے اور محمدی بیگم کا خاوند بہت گھبرائے اور خوفزدہ ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دُعا کے لئے خط لکھا گیا اِس طرح مرزا سلطان محمد کی توبہ سے یہ پیشگوئی ٹل گئی۔ اور اُس نے اڑھائی سال کے اندر وفات نہ پائی۔ لوگوں نے پیشگوئی کو جھٹلانا چاہا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتلایا کہ مرزا سلطان محمد نے توبہ اور رجوع سے فائدہ اُٹھایا ہے اب پھر اُس کے تکذیب کرنے پر ہی دوبارہ اُس کی ہلاکت کی تاریخ مقرر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتاب انجام آتھم میں پیشگوئی کا انکار کرنے والوں کو لکھا کہ:۔

"فیصلہ تو آسان ہے۔ احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔"

پھر اسی جگہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:۔

"اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک وہ گھڑی نہ آجائے کہ اس کو بے باک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اُٹھو اور اس کو بے باک اور

مکذّب بناؤ۔ اس سے اشتہار دلواؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔" (انجام آتھم ص۳۲)

اِن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے اِس چیلنج کے بعد اگر محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب آئندہ کسی وقت شوخی یا بیباکی دکھاتے اور پیشگوئی کی تکذیب کر دیتے یا معترضینِ پیشگوئی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے اس چیلنج کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کی طرف سے پیشگوئی کی تکذیب کا اشتہار دلانے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر اس کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کے لیے جو میعاد مقرر کی جاتی وہ قطعی ہوتی اور اگر وہ اس میعاد میں وفات نہ پاتے اور نکاح وقوع میں نہ آتا تو اس صورت میں معترضین کو پیشگوئی کے جھٹلانے کا حق پہنچ سکتا تھا۔ لیکن نکاح کا وقوع میں آنا چونکہ اس شرط سے مشروط ہو چکا تھا کہ مرزا سلطان محمد صاحب پیشگوئی کی اعلانیہ تکذیب کریں اور چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب انجام آتھم کے اس چیلنج کے بعد پیشگوئی کی تکذیب سے باز رہے لہٰذا اس صورت میں پیشگوئی کے مشروط ہونے کی وجہ سے محمدی بیگم کا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے نکاح میں آنا بوجہ اس کے مشروط ہونے کے ضروری نہ تھا لہٰذا پیشگوئی کے متعلق یہ سمجھا جانا ضروری ہے کہ نکاح والی پیشگوئی ٹل گئی ہے کیونکہ مرزا سلطان محمد صاحب توبہ پر قائم رہے اور انہوں نے پیشگوئی کی تکذیب نہیں کی۔ اُن کا اپنا بیان ظاہر کرتا ہے کہ آریوں اور عیسائیوں نے پیشگوئی کی تکذیب کرنے کے لئے انہیں لاکھ

لاکھ روپیہ دینا چاہا لیکن وہ تکذیب پر آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں جو اخبار الفضل ۹/۱۲ جون ۱۹۲۱ء میں شائع ہو چکا ہے حافظ جمال احمد صاحب "مبلغ سلسلہ احمدیہ" سے کہا:-

"میرے خسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں علیٰ پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں مگر خدا تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے اور اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔"

اس عبارت کے پہلے فقرہ سے ظاہر ہے کہ وہ اس پیشگوئی کو سچا جانتے تھے اور آخری فقرہ میں انہوں نے اپنی توبہ اور استغفار کا اظہار کیا ہے۔

حافظ جمال احمد صاحب نے اُن سے سوال کیا:-

"آپ کو مرزا صاحب کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے یا یہ پیشگوئی آپ کے لئے کسی شک و شبہ کا باعث ہوئی؟"

اس کے جواب میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:-

"یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔"

اور یہ بھی کہا کہ:-

"میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان و اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا۔"

اس پر حافظ جمال احمد صاحب نے سوال کیا کہ آپ بیعت کیوں نہیں

کرتے؟

اس پر مرزا سلطان محمد صاحب نے جواباً کہا:۔

"اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

اور اس سلسلہ میں یہ بھی کہا:۔

"میرے دل کی حالت کا آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا کہ میں مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا مگر وہی ایمان و اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب توبہ پر قائم رہے اور انہوں نے پیشگوئی کی تکذیب نہ کی اس وجہ سے نکاح والی پیشگوئی کا ٹل جانا ضروری امر تھا کیونکہ وعید کی پیشگوئی کا پورا ہونا توبہ کے وقوع میں نہ آنے پر موقوف ہوتا ہے۔ چنانچہ عقائد کی کتاب مسلم الثبوت کے صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے:۔

"اِنَّ الْاِیْعَادَ فِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی مُقَیَّدَۃٌ بِعَدْمِ الْعَفْوِ"

کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں ہر وعید عدم عفو کی شرط سے مشروط ہوتی ہے۔

اور تفسیر کبیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں :-

"اِنَّ جَمِیْعَ الْوَعِیْدَاتِ مَشْرُوْطَۃٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا یَلْزِمُ مِنْ تَرْکِہٖ دُخُوْلُ الْکَذِبِ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ"۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ مصری)

یعنی وعید کی پیشگوئیوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا تو لفظاً لفظاً پوری ہوتی ہے۔ لہذا اگر وعیدی پیشگوئی پوری نہ ہو تو اس سے خدا کے کلام کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(سورہ انفال آیت ۳۴)

کہ خدا تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں درآنحالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک پیشگوئی کے مصدق رہے اور ان کی طرف سے اشارۃً یا کنایۃً بھی پیشگوئی کی تکذیب نہیں ہوئی اور پہلی ڈھائی سالہ میعاد جو اُن کی موت کے متعلق تھی توبہ اور رجوع سے ٹل چکی تھی اور وہ اس توبہ پر قائم رہے اسلئے خدا تعالیٰ ظالم نہ تھا کہ وہ وعیدی پیشگوئی کی بنا پر باوجود مرزا سلطان محمد کی توبہ و استغفار اور عفو و رحم کی درخواست کے نکاح کی پیشگوئی کو جو

مشروط تھی پوری کرنے کے لیے انہیں ہلاک کر دیتا۔ پس نکاح کا وقوع میں نہ آنا جو ایک وعیدی پیشگوئی سے مشروط تھا اِس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئی جھوٹی نکلی اور وہ اپنے الہام کے دعویٰ میں صادق نہیں۔

مولوی ابو الحسن صاحب نے ازالہ اوہام کی یہ عبارت صفحہ ۱۹۸ سے اِس مضمون کی نقل کی ہے :۔

"خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاما بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اُسے تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے۔ اور ہر ایک روک درمیان سے اُٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

اسی طرح اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء کی یہ عبارت لکھی ہے :۔

"سو خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی

مشروط تھی پوری کرنے کے لئے انہیں ہلاک کر دیتا۔ پس نکاح کا وقوع میں نہ آنا جو ایک وعیدی پیشگوئی سے مشروط تھا اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئی جھوٹی نکلی اور وہ اپنے الہام کے دعویٰ میں صادق نہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے ازالہ اوہام کی یہ عبارت ص۱۹۸ سے اس مضمون کی نقل کی ہے :۔

"خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاما بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اُسے تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے۔ اور ہر ایک روک درمیان سے اُٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

اسی طرح اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء کی یہ عبارت لکھی ہے :۔

"سو خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی

باتوں کو ٹال سکے۔"

پھر اسی اشتہار سے یہ عبارت بھی پیش کی ہے:۔

"اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء کی پیشگوئی کا انتظار کریں جس کے ساتھ یہ الہام بھی ہے قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۔ زَوَّجْنٰکَهَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔"

"اور تجھ سے پوچھتے ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کے وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقدِ نکاح باندھ دیا ہے[1]۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔ اور نشان دیکھ کر مُنہ پھیر لیں گے اور قبول نہیں کرینگے کہیں گے یہ کوئی پکا فریب اور پکا جادو ہے"۔ (اشتہار دہم جولائی بحوالہ فیصلہ آسمانی)

پھر انجام آتھم صفحہ ۲۲۳ کی عربی عبارت درج کی ہے جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔ لکھا ہے:۔

"اور تقدیر تقدیر مبرم ہے۔ جس کا خدا کی طرف سے آخری

---

[1] واقعات کی شہادت یہ ہے کہ الہام یستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہٗ لحق کا تعلق پسر موعود (مصلح موعود) کی پیشگوئی سے ہے اور اسکے اگلے حصے زوجنکھا کا تعلق ان کی والدہ سیدہ نصرت جہاں بیگم سے ہے کیونکہ مصلح موعود کی پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کے وجود سے پوری ہوئی جو سیدہ موصوفہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ واقعاتی شہادت کے خلاف کوئی اجتہاد حجت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ امر پیشگوئیوں کے اصول میں سے ایک اصل ہے؛

فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کا وقت بفضلِ خدا آ کر رہے گا۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے محمد مصطفےٰؐ کو مبعوث فرمایا اور آپؐ کو تمام انبیاء اور تمام مخلوقات میں افضل بنایا (ایسی عبارت کی موجودگی میں مولوی ابوالحسن صاحب نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ نے آنحضرتؐ کے ہم پلّہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ناقل) یہ ایک امرِ حق ہے تم کو خود نظر آجائے گا اور مَیں اس پیشگوئی کو اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ اور مَیں نے اُس وقت تک یہ بات نہیں کی جب تک مجھے اپنے ربّ کی طرف سے اس کی اطلاع نہیں دی گئی۔"

پھر آگے بحوالہ ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۹ لکھا ہے :-

"مرزا صاحب کو شدّتِ علالت اور قربِ وفات کے خطرہ سے جب کبھی اس بارہ میں تردّد ہوا بجدید الہام کے ذریعہ سے اُن کو اس کا اطمینان دلایا گیا۔" (قادیانیت صفحہ ۱۵۷)

ان عبارتوں سے بے شک یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اجتہاد سے ان الہامات کا یہی مفہوم سمجھتے تھے کہ درمیانی روکیں دُور ہو جائیں گی اور بالآخر محمدی بیگم آپؐ کے نکاح میں آئے گی مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جن الہامات سے آپ نے یہ اجتہاد کیا اُنہی الہامات کے ساتھ آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام بھی نازل ہو چکا تھا :-

"اَیَّتُھَا الْمَرْاَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی

لے یہ ترجمہ درست نہیں۔ درست ترجمہ یہ ہے کہ یہ تقدیر خدا کی طرف سے مبرم ہے۔

عَقِبِكِ۔ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ۔"

یہ الہام بھی ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء ہی کے اشتہار میں درج ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ پیشگوئی توبہ سے ٹل سکتی ہے۔ اس میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری اولاد اور تیری اولاد کی اولاد پر پڑنے والی ہے۔ ایک شخص مرے گا اور متعدد بھونکنے والے باقی رہ جائیں گے۔

اس پیشگوئی سے متعلق بنیادی الہام یہ تھا جو اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء میں ان الفاظ میں درج ہے۔ کذبوا بآیاتنا وکانوا بھا یستھزءون فسیکفیکھم اللّٰہ ویردّھا الیک لا تبدیل لکلمات اللّٰہ۔ ترجمہ: "انہوں (متعلقین پیشگوئی) نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی ہے اور ان سے تمسخر کرتے رہے ہیں سو خدا انہیں سزا دے کر اس عورت کو تیری طرف لوٹائے گا۔ خدا کے کلمات بدل نہیں سکتے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ محمدی بیگم کا نکاح میں آنا مکذبین کے سزا پانے پر موقوف تھا اور مکذبین سزا پالیں تو نکاح اٹل ہو بات ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی انذاری اور وعیدی ہے۔ اور وعیدی پیشگوئی ہمیشہ عدم عفو کی شرط سے مشروط ہوتی ہے کیونکہ توبہ کرنے پر خدا اسے ٹال دیتا ہے۔

محمدی بیگم صاحبہ کے والد مرزا احمد بیگ جب پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہو گئے تو اس سے متاثر ہو کر مرزا سلطان محمد صاحب جو محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند تھے توبہ اور استغفار کی اسلئے ان کی وعیدی موت اُن سے ٹل گئی اور محمدی بیگم کا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نکاح میں آنا ضروری نہ رہا۔ الہامی الفاظ اس رنگ میں ظہور پیشگوئی کو سچا ثابت کرتے ہیں اور اس پر کوئی منطقی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا معترضین

کہ اعتراض دراصل الہام پر نہیں بلکہ مسیح موعود علیہ السلام کے اس اجتہاد پر ہیں کہ مرزا
سلطان محمد کسی وقت ضرور توبہ کو توڑ دیگا اور محمدی بیگم کا نکاح میں آنا اٹل ہو جائیگا۔
یہ اجتہاد کسی جدید الہام کی بنا پر نہیں بلکہ پہلے الہام کے الفاظ لا تبدیل لکلمات
اللہ پر ہی مبنی ہے اور یہ الفاظ متعلقین کے عذاب پانے کے بعد نکاح کو اٹل قرار
دیتے ہیں لیکن سزا اور عذاب ٹلنے کو اٹل قرار نہیں دیتے اور اسی اشتہار کا دوسرا الہام
جو پہلے مذکور ہوا یعنی ایتھا المرأۃ توبی توبی فان البلاء علی عقبک کہ اے
عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری اولاد اور اولاد کی اولاد پر آنے والی ہے توبہ کے وقوع
پر نکاح کو اٹل قرار نہیں دیتا۔ مگر اس دوسرے الہام کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے پہلے
الہام لا تبدیل لکلمات اللہ کی بنا پر حضور کا میلان اجتہاداً اس طرف ہو گیا کہ
کہ مرزا سلطان محمد صاحب کسی وقت توبہ کو ضرور توڑ دیں گے اور پھر محمدی بیگم صاحبہ
کا آپ سے نکاح ضرور ہوگا۔

مولوی ابوالحسن صاحب کی پیش کردہ عبارتیں اسی اجتہاد پر مبنی ہیں اور ان کا اعتراض
صرف اجتہاد پر ہو جاتا ہے نہ کہ نفس الہام پر جس کی سچائی پیشگوئیوں کے اصولوں کے
مطابق ثابت ہے۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ کہنا حقیقت کے لحاظ سے درست
نہیں کہ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔ کیونکہ نفس پیشگوئی اپنی شروط کے اعتبار سے قابل اعتراض
نہیں۔ شرط اول نفس الہام سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ متعلقین کو عذاب دیا جانے کے
بعد نکاح اٹل ہوگا نہ کہ عذاب کے بغیر۔ چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب نے توبہ کر لی اور اس پر
قائم رہے اسلئے نکاح ٹل گیا اور شرط کے لحاظ سے منسوخ ہو گیا۔

دوسری شرط یہ تھی کہ توبہ سے عذاب ٹل سکتا ہے۔ چنانچہ مرزا سلطان محمد صاحب

اور متعلقین کی توبہ اور استغفار سے عذاب ٹل گیا سلطان محمد کی توبہ اور رجوع کا ثبوت قبل ازیں دیا جا چکا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ خیال کہ مرزا سلطان محمد ضرور کسی وقت توبہ کو توڑ دینگے کسی ملہم الہام پر مبنی نہیں کیونکہ کسی الہام میں یہ بات مذکور نہیں۔ پس یہ محض اجتہاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیاء اپنے اجتہاد کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہوتے بلکہ اپنے الہامات کی سچائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بات میں اللہ کی طرف سے کہوں وہ برحق ہے اور جو اس کے بارہ میں اپنی طرف سے کہوں تو میں ایک انسان ہوں غلطی کر سکتا ہوں اور درست بھی ہو سکتا ہوں۔

واقعات کی رُو سے پیشگوئی کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ متعلقہ خاندان نے توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھایا اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد کی موت واقع نہ ہوئی اور پیشگوئی اس شرط سے مشروط ہو گئی کہ آئندہ اگر مرزا سلطان محمد توبہ کو توڑینگے تو اسکے بعد محمدی بیگم صاحبہ کا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نکاح میں آنا وعدہ ہو گا چنانچہ آپ نے مکذبین پیشگوئی کو چیلنج کیا کہ وہ مرزا سلطان محمد صاحب سے پیشگوئی کی تکذیب کا اشتہار دلائیں تا نئی میعاد انکی ہلاکت کیلئے مقرر ہو مگر مکذبین پیشگوئی حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اس چیلنج کے مقابل مرزا سلطان محمد سے تکذیب کا اشتہار نہ دلا سکے اور وہ اپنی توبہ پر قائم رہے اسلئے بموجب الہامات نکاح والا حصہ منسوخ ہو گیا اور حضرت مسیح موعود نے بھی سابق اجتہاد پر اصرار چھوڑ دیا کیونکہ آپ پر یہ الہام نازل ہوا۔ تَكْفِيكَ هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ (تذکرہ ص۶۹۶) کہ تمہارے لئے یہ عورت (جو تمہارے نکاح میں ہے) کافی ہے۔ اس الہام کے نازل ہونے پر آپ نے اپنے سابق اجتہاد میں تبدیلی فرما دی اور حقیقۃ الوحی میں لکھا: "اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ" ۔

عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری دُختر اور دُختر کی دُختر پر ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے جو پہلے سے شائع ہو چکا ہے۔

"پھر جب احمد بیگ کی موت نے جو اس پیشگوئی کی ایک شاخ تھی اُسکے اقارب کے دلوں میں سخت خوف پیدا کر دیا اور انکو خیال آیا کہ دوسری شاخ بھی معرضِ خطرہ میں ہے کیونکہ ایک ٹانگ اسکی میعاد کے اندر ٹوٹ چکی تھی۔ تب انکے دل خوف سے بھر گئے اور صدقہ وخیرات دیا اور توبہ استغفار میں مشغول رہے تو خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں تاخیر ڈال دی اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں اُن لوگوں کی خوف کی وجہ یہ تھی کہ یہ پیشگوئی نہ صرف احمد بیگ کے داماد کی نسبت تھی بلکہ خود احمد بیگ کی اپنی موت کی نسبت بھی تھی اور پہلا نشانہ اس پیشگوئی کا وہی تھا بلکہ مقدم بالذات وہی تھا۔ پھر جب احمد بیگ میعاد کے اندر مر گیا اور کمال صفائی سے اسکی نسبت پیشگوئی پوری ہو گئی تب اسکے اقارب کے دل سخت خوف سے بھر گئے اور اتنے روئے کہ انکی چیخیں اس قصبہ کے کنارے تک جاتی تھیں اور بار بار پیشگوئی کا ذکر کرتے تھے اور جہاں تک اُن سے ممکن تھا توبہ اور استغفار اور صدقہ خیرات میں مشغول ہوئے تب خدائے کریم نے اس پیشگوئی میں تاخیر ڈال دی"

پھر تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا ہے خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اُسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ یہ کہ اَیَّتُھَا الْمَرْاَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ۔ پس جب

ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ نکاح آسمان پر پڑھا گیا یا عرش پر مگر آخر وہ سب کارروائی شرطی تھی۔ شیطانی وساوس سے الگ ہو کر اس کو سوچنا چاہیئے۔ کیا یونسؑ کی پیشگوئی نکاح پڑھنے سے کچھ کم تھی جس میں بتلایا گیا تھا کہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ چالیس دن تک اس قوم پر عذاب نازل ہو گا مگر عذاب نازل نہ ہوا حالانکہ اس میں کسی شرط کی تصریح نہ تھی۔ پس وہ خدا جس نے اپنا ایسا ناطق فیصلہ منسوخ کر دیا کیا اس پر مشکل تھا کہ اس نکاح کو بھی منسوخ یا کسی اور وقت پر ڈال دے؟"

واقعات کے لحاظ سے عنداللہ نکاح منسوخ ہو گیا اور تاخیر والی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ تاخیر والی صورت اس طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ مرزا سلطان محمد صاحب پیشگوئی کی تکذیب کرتے اور پھر ان کی ہلاکت کی میعاد مقرر ہوتی اور اس میں ہلاک ہو جاتے۔

واقعات کے لحاظ سے نکاح عنداللہ منسوخ ہو چکا تھا۔ کیونکہ مرزا سلطان محمد صاحب، محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند، توبہ کرنے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی ساری زندگی میں اپنی توبہ پر قائم رہے اور انہوں نے پیشگوئی کی تکذیب نہ کی۔ پیشگوئی کے منسوخ ہونے کے ساتھ تاخیر میں پڑنے کا ذکر محض احتمالی ہے کہ اگر بالفرض مرزا سلطان محمد صاحب تکذیب کر دیں تو پھر وہ قابلِ مؤاخذہ ہو جائیں گے اور اس وقت نکاح کا وقوع میں

آنا ضرور کا ہو جائے گا لیکن چونکہ وہ مواخذہ الٰہی سے بچنے کے لئے اپنی توبہ پر قائم رہے اسلئے خدا تعالیٰ نے اُن سے رحم اور عفو کا معاملہ کیا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ لکھتے ہیں :-

"غرض بے حیا لوگ ان اعتراضوں کے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ایسے اعتراض سب نبیوں پر پڑتے ہیں۔ نمازیں بھی پہلے پچاس نمازیں مقرر ہو کر پانچ رہ گئیں اور توریت پڑھ کر دیکھو صدہا مرتبہ خدا کے قرار داد عذاب حضرت موسیٰؑ کی سفارش سے منسوخ کئے گئے۔ ایسا ہی یونسؑ کی قوم پر آسمان پر جو ہلاکت کا حکم لکھا گیا تھا وہ حکم اُن کی توبہ سے منسوخ کر دیا گیا اور تمام قوم کو عذاب سے بچا لیا گیا اور بجائے اسکے حضرت یونسؑ خود مصیبت میں پڑ گئے۔ کیونکہ ان کو یہ خیال دامنگیر ہوا کہ پیشگوئی قطعی تھی اور خدا تعالیٰ کا ارادہ عذاب نازل کرنے کا مصمم تھا۔ افسوس کہ یہ لوگ یونسؑ کے قصہ سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ اس نبی ہو کر محض اس خیال سے سخت مصیبتیں اُٹھائیں کہ خدا کا قطعی ارادہ جو آسمان پر قائم ہو چکا تھا کیونکر فسخ ہو گیا ہے اور خدا نے اُن کی توبہ پر ایک لاکھ آدمی کو بچا لیا اور یونسؑ کے منشاء کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔"

"کیسے نادان وہ لوگ ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ خدا اپنے ارادہ کو بدلا نہیں سکتا اور وعید یعنی عذاب کی پیشگوئی کو ٹال نہیں سکتا۔ مگر ہمارا یہ مذہب ہے کہ وہ ٹال سکتا ہے اور ہمیشہ ٹالتا رہا ہے

اور ہمیشہ ٹالتا رہے گا۔ اور ہم ایسے خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بلا کو توبہ اور استغفار سے رد نہ کر سکے اور تضرع کرنے والوں کے لئے اپنے ارادوں کو بدل نہ سکے۔ وہ ہمیشہ بدلتا رہے گا۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۳)

اب کیا مولوی ابوالحسن صاحب ندوی حضرت یونسؑ کے نبی ہونے کا بھی انکار کر دیں گے جن کی قوم پر چالیس دن کے اندر عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی تھی جسے انہوں نے قطعی سمجھ لیا لیکن حقیقت میں وہ قطعی نہ نکلی اور قوم کے رجوع کر لینے پر موعود عذاب ٹل گیا؟ اگر وہ یونس علیہ السلام والی پیشگوئی کے عذاب کے ٹل جانے کے باوجود انہیں خدا کا ایک نبی یقین کرتے ہیں تو حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی اس پیشگوئی سے نکاح والے حصے کے ٹل جانے کو کیونکر قابل اعتراض قرار دے سکتے ہیں جبکہ یہ پیشگوئی محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کی وعید سے مشروط تھی جو ان کی توبہ کی وجہ سے ٹل گئی اور اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ کے مطابق نکاح ضروری نہ رہا۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب نکاح والے حصہ کے ٹل جانے کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کی صداقت کے خلاف پیش کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

الہام اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کی تشریح

یہ درست ہے کہ ازالہ اوہام میں درج ہے کہ ایک دفعہ شدید طور پر بیمار ہو جانے کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ شاید اس پیشگوئی کے وہ معنی نہ ہوں جو آپ سمجھتے ہیں بلکہ اس کے سوا کچھ اور

معنی ہیں تو آپ پر الہام نازل ہوا کہ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ مگر اس وقت اس پیشگوئی کا ابھی تک کوئی حصہ بھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ واقعات کے لحاظ سے اس الہام کا منشاء یہ ظاہر کرنا تھا کہ محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ کی موت یقینی ہے لہذا اس بارے میں آپ کو کوئی شک نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے بعد ٹھیک پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ ہلاک ہو گیا اور اس کی ہلاکت کا اس کے تمام دوسرے افرادِ خاندان پر اثر پڑا اور وہ توبہ اور استغفار میں لگ گئے۔ پیشگوئی کا دوسرا حصہ جو مرزا سلطان محمد صاحب کی موت سے متعلق تھا اُن کے رجوع اور توبہ کی وجہ سے وعیدی پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق ضروری الوقوع نہ رہا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ کو قبول کر کے عفو سے کام لیا جیسا کہ قومِ یونس سے اس نے درگزر سے کام لیا۔

پیشگوئی کا تیسرا حصہ نکاح کا وقوع جو مرزا سلطان محمد صاحب کی ہلاکت سے مشروط تھا، توبہ کے وقوع میں آنے اور مرزا سلطان محمد صاحب کے اس پر قائم رہنے کی وجہ سے ٹل گیا اور اس بارہ میں جو جدید الہام ہوا اس نے بتا دیا کہ جو بیوی آپ کے نکاح میں ہے وہی آپ کے لئے کافی ہے یعنی آپ کو کوئی اور نکاح کرنا نہیں پڑے گا۔

پس مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ کہنا کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی درست نہیں۔ کیونکہ پیشگوئی کا ایک حصہ جو مرزا احمد بیگ سے متعلق تھا وہ لفظاً لفظاً پورا ہو گیا۔ اس پیشگوئی میں مرزا سلطان محمد صاحب کے متعلق بھی وعیدی موت کی خبر تھی۔ لہذا توبہ کی وجہ سے مرزا سلطان محمد صاحب بچ گئے اور نکاح کی پیشگوئی ان کے توبہ پر قائم رہنے کی وجہ سے ٹل گئی۔

حدیث نبوی میں وارد ہے:۔

اَکْثِرْ مِنَ الدُّعَاءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ۔ (کنز العمال جلد اوّل ص۱۶ و الجامع الصغیر مصری جلد اوّل ص۵۴)

کہ کثرت سے دعا کرو کیونکہ دعا تقدیر مبرم (مبرم سمجھی ہوئی تقدیر) کو بھی ٹال دیتی ہے۔

واضح ہو کہ مرزا احمد بیگ کی پیشگوئی کے مطابق ہلاکت کا اُس خاندان پر ایسا اثر پڑا کہ اُن میں سے کئی لوگ حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ ذیل کے اصحاب خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ محمد اسحاق بیگ پسر مرزا سلطان محمد صاحب و محمدی بیگم صاحبہ
۲۔ والدہ محمدی بیگم صاحبہ یعنی اہلیہ مرزا احمد بیگ
۳۔ محمودہ بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم صاحبہ
۴۔ عنایت بیگم " " "
۵۔ مرزا احمد حسن صاحب داماد مرزا احمد بیگ
۶۔ مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ

نوٹ:۔ محمدی بیگم صاحبہ کے پسر مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ (حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے پیشگوئی فرمائی تھی۔" (ماخوذ از اعلانِ احمدیت مندرجہ اخبار الفضل ۲۶ر فروری سنہ ۱۹۲۱ء)

پس جس خاندان کے ساتھ اِس پیشگوئی کا براہِ راست تعلق تھا وہ تو اِس پیشگوئی کا مصدّق ہے اور رہا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کے افراد اصل حقیقت سے واقف ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا بیعت کر لینا اِس بات کا روشن ثبوت ہے کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اِس پیشگوئی میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے جدوجہد روا ہے

مولوی ابوالحسن صاحب نے اِس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ حضرت اقدس نے اس نکاح کے لئے خطوط وغیرہ کے ذریعہ کوشش کی اور ترغیب و ترہیب کے تمام ذرائع اختیار کئے۔ مولوی ابوالحسن صاحب کو اِس بات کا اعتراف ہے کہ :-

"خود مرزا صاحب اصولاً اس کے قائل تھے کہ ملہم کو پیشگوئی کی تکمیل کے لئے خود بھی جدوجہد اور تدبیر کرنی چاہیئے اور یہ اس کے منصب اور مقام کے منافی نہیں۔"
(قادیانیت صـ ۱۵۹)

اس پر اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

"وہ حقیقۃ الوحی میں لکھتے ہیں" اگر وحی الٰہی کوئی بات بطور

پیشگوئی ظاہر فرما دے اور ممکن ہو کہ انسان بغیر کسی فتنہ اور ناجائز طریق کے اس کو پورا کر سکے تو اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کو پورا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہے۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۹۱)

پس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے جدو جہد نا روا نہیں بلکہ مسنون ہے اور اس اصل پر مولوی ابوالحسن صاحب کو کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اعتراض بھی کیسے کر سکتے تھے جبکہ پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے انتہائی جدو جہد کرنا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ بدر کی فتح کا وعدہ تھا لیکن اس کے باوجود مقابلہ کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے لئے بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ میدان جنگ سے ایک طرف ہو کر اس میں فتح کے لئے دعائیں کیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا کا وعدہ تھا کہ کنعان کی زمین انہیں دیدی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پیشگوئی کو پورا کرنے کی خاطر قوم کو جدو جہد کے لئے بدیں الفاظ ترغیب و ترہیب سے کام لیا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۔ (مائدہ ع ۴)

یعنی اے قوم! ارض مقدسہ (کنعان) میں داخل ہو جاؤ جو خدا نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھوں کے بل نہ لوٹ جانا ورنہ تم نقصان اٹھا کر لوٹو گے۔

دیکھئے اس میں وعدہ الٰہی کا ان الفاظ میں ذکر ہے کہ یہ زمین خدا نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ اس وعدہ کا ذکر کر کے حضرت موسیٰؑ اس کے فتح کرنے کے لئے ترغیب بھی دیتے ہیں اور وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ میں نقصان اٹھا کر لوٹنے سے ڈرایا بھی گیا ہے۔ پس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب سے کام لینا ناجائز امر نہیں بلکہ ضروری ہے۔

موسیٰؑ کی قوم کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ اس نے اس ترغیب و ترہیب پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا:۔

"فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ"

(المائدہ ع۴)

(کہ اے موسیٰ! جب خدا نے یہ زمین لکھ دی ہے) تو پھر تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں (یعنی کنعان فتح کر لو گے تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے)

مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے کہا:۔

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ۔ (المائدہ ع۴)

کہ وہ زمین ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے اور وہ زمین میں بھٹکتے رہیں گے۔

پس یہ وعدہ الٰہی تاخیر میں جا پڑا اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی

قوم کے ساتھ یہ وعدہ الٰہی پورا نہ کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے مسنون طریق ترک کر دیا۔

لہٰذا جب تک محمدی بیگم صاحبہ کے والد مرزا احمد بیگ صاحب نے محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح کسی دوسری جگہ نہیں کیا تھا اُس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس نکاح کے لئے خط و کتابت کے ذریعہ جدّوجہد کرتے۔

مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی مترجم قرآن کریم، ترجمہ کے صہ۱۴۷ کے حاشیہ پر فائدہ ۱۲ کے تحت یہود کے اس جواب کے متعلق جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو لکھا ہے:۔

"اسباب مشروعہ کا ترک کرنا توکل نہیں۔ توکل تو یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے اور پھر اس کے مثمر اور منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے اور اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں بلکہ تعطّل ہے۔"

پس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں۔ اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کی وجہ سے اڑھائی سالہ میعاد ٹل گئی تھی اور یہ امر پہلے الہام کی بناء پر محض اجتہادی تھا کہ مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کے بعد

محمدی بیگم آپ کے نکاح میں ضرور آئے گی۔ گویا آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ مرزا سلطان محمد صاحب کسی وقت اپنی توبہ کو ضرور توڑ دیں گے لیکن واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب توبہ پر قائم رہے اسلئے نکاح والا حصہ چونکہ ان کی موت کی وعید سے مشروط تھا اور موت بوجہ ان کے توبہ پر قائم رہنے کے وقوع میں نہ آئی اور اس کے بعد باوجود چیلنج کے مخالفین ان سے تکذیب کا اشتہار بھی نہ دلا سکے کہ اُن کی موت کے لئے دوسری میعاد مقرر ہوتی۔ لہٰذا کسی شخص کو اس پیشگوئی کے ٹل جانے پر یہ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ معترضین صرف اس کے ٹل جانے کے متعلق وجہ دریافت کر سکتے ہیں اور وہ وجہ مرزا سلطان محمد صاحب کا توبہ پر قائم رہنا ہے۔ اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے الہام کے ذریعہ حضرت مسیح موعود پر ظاہر کر دیا کہ جو خاتون آپ کے نکاح میں ہے وہی کافی ہے۔ اسلئے آپ کی وہ عبارتیں بھی جو اجتہادی تھیں اور نکاح کو یقینی قرار دیتی تھیں قابلِ اعتراض نہ رہیں کیونکہ اس جدید الہام سے آپ نے اپنے سابق اجتہاد میں تبدیلی فرمالی۔

"یَرُدُّھَا اِلَیْکَ" کے الہامی الفاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ اجتہاد کیا تھا کہ یہ نکاح آسمان پر قرار پا چکا ہے۔ مگر آسمانی نکاح تعبیر طلب بھی ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضؓ سے فرمایا:-

اِنَّ اللّٰہَ زَوَّجَنِیْ مَرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ وَ کُلْثُوْمَ

اُخْتَ مُوْسٰى وَامْرَأَةَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ هَنِيْئًا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

(تفسیر فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ مصر)

(یہ روایت ابو امامہؓ سے مرفوعاً بیان ہوئی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ) خدا تعالیٰ نے میرا نکاح حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم بنت عمران اور موسیٰؑ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی سے کر دیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواباً فرمایا یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔"

نبی کریمؐ کے یہ تینوں نکاح آسمانی تھے جن کی تعبیر اس رنگ میں پوری ہوئی کہ ان عورتوں کے خاندانوں کے بہت سے لوگ آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے۔ اسی طرح مرزا احمد بیگ کے خاندان کے بہت سے افراد اس پیشگوئی پر ایمان لا چکے ہیں جن کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔

ماسوا اس کے نکاح کا خواب میں پڑھا جانا علم تعبیر الرؤیا کے مطابق یہ تعبیر بھی رکھتا ہے کہ نکاح سے مراد ایک منصبِ جلیل کا ملنا ہوتا ہے جیسا کہ تعطیر الانام میں لکھا ہے:۔

اَلنِّكَاحُ فِي الْمَنَامِ يَدُلُّ عَلٰى مَنْصَبٍ جَلِيْلٍ

یعنی خواب میں نکاح کسی بڑے منصب کے معنے پر دلالت کرتا ہے۔

پس گو حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی تعبیر یہ کی تھی کہ مرزا سلطان محمد توبہ کو ضرور توڑ دے گا اور پھر نئی میعاد مقرر ہو کہ اس کی موت وقوع میں آئیگی

اور پھر محمدی بیگم سے آپؑ کا نکاح ہو گا لیکن واقعات نے آپؑ کی زندگی میں ہی بتا دیا کہ مرزا سلطان محمد صاحب تو بہرحال قائم رہے اسلئے پیشگوئی کی وہ تعبیر وقوع میں نہ آئی جو حضرت مسیح موعودؑ نے کی تھی۔ پھر ۱۹۰۶ء کے الہام نے بھی یہ بتا دیا کہ یہ تعبیر وقوع میں نہیں آئے گی۔ چونکہ یہ پیشگوئی ۱۸۸۶ء کی تھی جبکہ آپ کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں تھا اسلئے ۱۸۹۱ء میں آسمانی نکاح کی تعبیر اس رنگ میں ظاہر ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مسیح موعود کا منصب جلیل عطا فرما دیا۔ باقی رہی حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی یہ تعبیر کہ محمدی بیگم کے خاندان کی کسی لڑکی سے مسیح موعودؑ کے خاندان کے کسی لڑکے کا نکاح بھی مراد ہو سکتا ہے۔ سو ایسی تعبیر بھی پیشگوئیوں کے اصول کے خلاف نہیں۔ چنانچہ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے:۔

"قَالَ اِسْمَاعِیْلِیٌّ قَالَ اَھْلُ التَّعْبِیْرِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأٰی فِی الْمَنَامِ اُسَیْدَ بْنِ اَبِی الْعَیْصِ وَالِیًا عَلٰی مَکَّۃَ مُسْلِمًا وَ مَاتَ عَلَی الْکُفْرِ وَ کَانَتِ الرُّؤْیَا لِوَلَدِہٖ عَتَّابَ اَسْلَمَ"

یعنی اسماعیلی نے کہا ہے کہ اہل تعبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اُسید بن العیص کو مسلمان ہونے کی حالت میں مکّہ کا والی دیکھا۔ وہ تو کفر پر مر گیا اور رؤیا اُس کے بیٹے عتّاب کے حق میں پوری ہوئی جو مسلمان ہو گیا۔"

پس اگر باپ کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا کی تعبیر بیٹے

جبکہ نبی کی رؤیا وحی ہوتی ہے اس کا بلیاءِ اد ہوسکتا ہے تو جس قسم کی تعبیر حضرت خلیفۃ المسیح اول نے کی ہے وہ بھی شرعاً ممکن ہو سکتی ہے۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیا میں ابو جہل کے ہاتھ میں جنت کے انگور کا خوشہ دیکھا۔ مگر ابو جہل تو کفر پر مر گیا اور اس کی تعبیر یہ نکلی کہ اس کا بیٹا عکرمہ ایمان لے آیا اور اس نے جنتیوں والے کام کیے۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "خواب کی حالت میں مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں"۔ مگر حضرت ابوہریرہؓ اس کی تعبیر یہ بتاتے ہیں کہ "رسول کریم تو وفات پا گئے اور تم اے صحابہ! ان خزانوں کو لا رہے ہو"۔ (ملاحظہ ہو بخاری کتاب الرؤیا جلد ۴)

مولوی ابوالحسن صاحب کے تنقیدی جائزہ پر ہماری تنقید

مولوی ابوالحسن صاحب نے اپنی کتاب کے "باب چہارم" میں "تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ" کے عنوان کے تحت جو مضمون لکھا ہے اس کی فصل اول میں انہوں نے "ایک مستقل مذہب اور ایک متوازی امت" کے عنوان کے تحت احمدیت کے خلاف یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ احمدیت اسلام میں کوئی مکتبِ خیال یا مذہبی فرقہ اور جماعت نہیں بلکہ ایک مستقل

مذہب ہے اور قادیانی ایک مستقل اُمت ہیں جو دینِ اسلام اور اُمتِ اسلامیہ کے بالکل متوازی چلتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو قادیانیت صد ۱۶۸)

اس بات کے ثبوت کی کوشش میں وہ حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں جس کا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے سُننا بیان کیا ہے کہ:-

"یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اَور چند مسائل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔" (قادیانیت صد ۱۶۹ بحوالہ خطبہ جمعہ مندرجہ الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

اور یہ کہ:-

"حضرت خلیفہ اوّل نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اَور ہے اور ہمارا اسلام اَور ہے۔"
(قادیانیت صد ۱۶۹)

احمدیت کے مستقل مذہب اور متوازی اُمت ہونے کی تردید

یہ الزام سراسر غلط ہے۔ واضح ہو کہ مولوی ابوالحسن صاحب نے اس بارہ میں سخن شناسی سے کام نہیں لیا بلکہ محض حقیقت کو نظر انداز کر کے

غلط فہمی پھیلانے کے لئے اُوپر کے بیانات سے ان کے اصل منطوق کے خلاف یہ غلط نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ جماعت احمدیہ اسلام کے بالمقابل ایک الگ دین اور متوازی اُمت ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا نام خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "مسلمان فرقہ احمدیہ" رکھا ہے۔ لہٰذا احمدیت اسلام سے کوئی الگ دین پیش نہیں کرتی۔ بلکہ یہ دنیا میں صحیح اسلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے پھیلانے کے لئے ایک مخلصانہ تحریک ہے۔ اُوپر کے بیانات کا مطلب صرف یہ ہے کہ احمدی اسلامی تعلیمات پر دوسرے فرقوں کی طرح غافلانہ عامل نہیں بلکہ اُن پر پُورے اخلاص اور وفاداری سے عامل ہیں۔ مفہوم ان بیانات کا یہ ہے کہ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کی ذات، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی شان و عظمت کی جو معرفت رکھتی ہے وہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کو کما حقہٗ حاصل نہیں۔ اسی طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں گو ہمارا دوسرے مسلمانوں سے بظاہر کوئی فرق نہیں۔ جو فرق ہے وہ ان کی کیفیت میں ہے جو یہ ہے کہ احمدی پورے اخلاص سے ان فرائض کو بجا لاتے ہیں اور دوسرے مسلمان فرقے پوری ذمہ داری اور اخلاص سے ان فرائض کو بجا نہیں لاتے۔ بلکہ ان کی ادائیگی میں کمال غفلت سے کام لیتے ہیں۔ نمازوں میں انہیں وہ ذوق اور خشوع و خضوع حاصل نہیں جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا ان میں کوئی معقول انتظام نہیں۔ حج بھی ایک رسم کے طور پر کیا جاتا ہے صحیح رُوح

کے ساتھ ادا نہیں کیا جاتا کیونکہ اسکے بعد انکے اعمال میں روحانی ترقی نہیں ہوتی الّا ماشاء اللہ

کیا مولوی ابوالحسن صاحب اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں میں قبروں کو سجدہ کرنے والے اور اہلِ قبور سے حاجات مانگنے والے اب بھی موجود ہیں۔ کیا یہ لوگ معرفتِ الٰہی سے عاری اور قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے سراسر غافل نہیں؟ اگر ایسے لوگ نماز، روزہ اور حج کا فریضہ ادا کرتے بھی ہیں تو ساتھ ہی صریح شرک کے بھی مرتکب ہیں جو تمام نیکیوں کو حبط کر دینے والا ہے۔ پس گو بظاہر ان کی نماز، روزہ اور حج وغیرہ اپنی صورت و شکل میں احمدیوں کی نمازوں، روزہ اور حج وغیرہ سے کوئی فرق نہیں رکھتے لیکن کیفیت کے لحاظ سے ان میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے ادا کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ احمدیوں کی نمازیں انہیں خدا کے فضل سے فحشاء اور منکر سے بچاتی ہیں اور وہ صحیح طور پر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے والے ہیں کیونکہ ان کے عقائد و اعمال شرک کی ملونی سے پاک ہیں۔

پس ان گور پرست اور مردہ پرست مسلمانوں کا اسلام واقعی اس اسلام سے مختلف ہے جس پر احمدی عامل ہیں لیکن احمدیوں کا اسلام اس اسلام سے مختلف نہیں جسے سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور جس کی تجدید کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کو مبعوث فرمایا ہے۔

پس احمدیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے علاوہ کوئی نیا دین نہیں رکھتی اور نہ احمدیت اسلام کے بالمقابل کوئی متوازی اُمّت ہے۔ جب حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں تو اُمتی نبی کے دعویٰ کے ساتھ وہ نیا دین یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے متوازی اُمّت بنانے والے قرار نہیں پاسکتے۔ جو خود اُمتی بھی ہے وہ نئی اُمّت کیسے بنا سکتا ہے؟

رہا احمدیت میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے ایک نظام کا قیام سو یہ متوازی نظام قرار نہیں پا سکتا کیونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بوجہ مجددِ اسلام ہونے کے اسلام کے متوازی کوئی نظام پیدا نہیں کیا بلکہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا نظام قائم کر کے تجدیدِ دین کا فرض ہی ادا کیا ہے۔ متوازی نظام کا نام تو اسے دیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ احمدیت سے پہلے مسلمانوں میں اس زمانہ میں کوئی تبلیغی نظام موجود ہی نہ تھا اور نہ اب تک کوئی نظام موجود ہے تو اس نظام کو کسی قائم شدہ موجود نظام کے متوازی نظام کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہاں اسے پرانے ختم شدہ نظام اشاعتِ دین کی البتہ تجدید ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔ اشاعتِ دین کا نظام تو ایک مجددِ اسلام کو چاہتا تھا اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ظہور سے پہلے مسلمانوں میں کوئی مجدد اور امام موجود ہی نہ تھا جس کی طرف سے قائم کردہ نظام اشاعت موجود ہوتا بلکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ظہور کے وقت خود مسلمانوں میں تشتّت وافتراق موجود تھا جس کا مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو اعتراف ہے کیونکہ وہ اپنی

اس کتاب میں مسلمانوں کے تشتّت و افتراق کو ہی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کے لئے ساز گار حالات قرار دیے ہوئے ہیں۔ اس زمانہ میں مسلمان فرقوں کا حال یہ تھا کہ سب ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے ہوئے تھے لہٰذا ان میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی جوش اور ولولہ موجود نہ تھا۔ تمام فرقے ایک دوسرے سے چپقلش کے مرض میں مبتلا تھے۔ ان میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی تنظیم موجود نہ تھی۔ ہر فرقہ کے علماء اپنی الگ دفلی بجا رہے تھے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھال رہے تھے۔ اس نازک وقت میں خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کو بطور مسیح موعود مبعوث کرکے اسلام کی دستگیری فرمائی اور آپؑ کے ذریعہ خدمتِ اسلام اور اشاعتِ دین خیر الانامؐ کا سلسلہ جاری ہوا تاکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق مسیح موعودؑ کے ذریعہ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام جاری ہو اور اسلام کو ادیانِ باطلہ پر غلبہ حاصل ہو۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:-

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ (ابوداؤد)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس اُمّت کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی چودھویں صدی کے سر پر

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے وجود میں پوری ہوئی۔ کیا مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ؟ اگر صحیح نہیں تو پھر اس کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے کیوں اپنے اپنے زمانہ میں دعویٰ مجددیت کیا ؟ اگر یہ حدیث مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک صحیح ہے تو پھر وہ چودھویں صدی کا مجدد پیش کریں جس کو خدا تعالیٰ نے بطور مجدد دین اسلام کے مبعوث فرمایا ہو۔ مولوی ابوالحسن صاحب کوئی ایسا مدعی پیش نہیں کر سکتے جس نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی طرح اشاعتِ اسلام کا کام جاری کر کے ایک ایسی جماعت خادمانِ اسلام کی تیار کی ہو جو اشاعتِ دین کا کام ایک نظام کے ماتحت کر رہی ہو اور اکنافِ عالم میں خدا تعالیٰ کی توحید اور رسالتِ محمدیہ کا عَلَم بلند کر رہی ہو۔

جس زمانہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اُس زمانہ میں مسلمانوں کی پستی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ مولوی الطاف حسین صاحب حالی مسلمانوں کی زبوں حالی کا نوحہ کرتے ہوئے اپنے مسدس میں لکھتے ہیں :-

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

پھر وہ لکھتے ہیں :-

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا ۔ مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا ۔ کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر ان کو سجھائیں ۔ تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں ۔ یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ
یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے ۔ بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے ۔ گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی
پھر علمائے وقت کی حالت وہ یوں بیان کرتے ہیں :-
کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے ۔ تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے ۔ تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے
کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے ۔ کبھی جھاگ پر جھاگ منہ پر ہیں لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اسکو بتاتے ۔ کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے

ستوں چشمِ بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خُلقِ رسولِ امیں کے

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

پھر وہ مسلمانوں کی مشرکانہ حالت یوں بیان کرتے ہیں :-

کرے غیر گر بُت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

سدا اہلِ تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے
ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

بہت لوگ بن کر ہوا خواہِ امّت | سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
لدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت | پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیلِ دولت
یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارثِ انبیا اب

پھر پیروں کے متعلق فرماتے ہیں :-

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر | نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جنکو لے دے کے اس پر | کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

پھر متأسفانہ لکھتے ہیں :-

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں | وہ اخبارِ دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصول کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں | محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں
وہ مجلس جو کل سر بسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

اسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن | ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے ان بن | سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن
یہی عیب ہے سب کو کھویا ہے جس نے
ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جس نے

مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا جو نقشہ

کھینچا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ:۔

يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ إِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ تَخْرُجُ مِنْهُمُ الْفِتْنَةُ ثُمَّ تَعُوْدُ فِيْهِمْ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ:۔ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی صرف تحریر باقی رہ جائے گی ان کی مسجدیں تو آباد ہوں گی مگر ہدایت کے لحاظ سے ویران ہوں گی۔ اس زمانہ کے علماء آسمان کے نیچے بدترین وجود ہوں گے۔ اُن میں سے ایک فتنہ نکلے گا اور پھر اُنہی میں لوٹ جائے گا۔"

اسی حدیث کے مطابق اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۲ پر لکھا گیا ہے:۔

"اب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن بالکل ویران ہیں علماء اس اُمت کے بدترین اُن کے ہیں۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اُٹھ چکا ہے۔ فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں مگر واللہ دل سے اسے معمولی اور بہت معمولی اور بیکار کتاب جانتے ہیں۔"
(اخبار اہلحدیث ۱۴ ر جون ۱۹۱۲ء)

غرض مسلمانوں کی اس زبوں حالی کے زمانہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر ایک جماعت مسلمانوں میں پیدا کی جو اشاعتِ اسلام اور خدمتِ قرآن کے جذبہ اور ولولہ سے سرشار ہے۔ اور اس جماعت میں ایسا نظام پیدا ہو چکا ہے کہ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کر کے اکنافِ عالم میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مگر مولوی ابوالحسن صاحب يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ کا مصداق بن کر اس تنظیم کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں کہ یہ تنظیم اسلام کے بالمقابل کسی متوازی نظام کو قائم کر رہی ہے۔ حالانکہ جماعت احمدیہ صرف قرآن مجید کی اشاعت کے لئے سر بکف ہے کیونکہ اس کے امام حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے انہیں یہ تعلیم دی ہے کہ:-

"میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولی ہیں اور باقی سب اس کے

ظلّی تھے۔ سوتم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے افسوس اُن لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح و نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی .... پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام کتابیں ہیچ ہیں۔" (کشتی نوح صـ۲۴)

یہ وہ تعلیم ہے جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے دی ہے۔ اس کی موجودگی میں مولوی ابوالحسن صاحب کا احمدیت کو اسلام کے بالمقابل ایک متوازی تحریک قرار دینا محض افترا ہے۔ پس احمدیت کوئی نئی اُمّت نہیں اور نہ احمدیت کوئی نیا مستقل دین ہے بلکہ احمدیت اسلام کی تجدید

کے لئے ایک ایسا مکتبِ فکر ہے جسے خدا تعالیٰ نے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے قائم کیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ کو آنحضرتؐ کے صحابہؓ کے مثیل جاننے یا قادیان اور مقبرہ بہشتی کو ایک مقدس مقام قرار دینے اور سالانہ جلسہ کے اجتماع کو ظلّی حج قرار دینے اور قبرِ مسیح موعودؑ کی زیارت کی تحریک کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ جماعت احمدیہ کی عقیدت کعبۃ اللہ اور روضۂ رسولؐ سے نہیں رہی۔ اس افتراء کے جواب میں بجز اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ صریح غلط بیانی ہے۔ مولوی ابوالحسن ندوی صاحب نے ہمارا دل چیر کر تو نہیں دیکھا۔ انسان کے عقائد کا پتہ یا اس کی زبان سے لگتا ہے یا عمل سے۔ سو ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخرالانبیاء، سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں اور ہر نبی کو جو نبوت بھی ملی وہ آپؐ کے فیض سے ملی ہے۔ پس ہماری محبت کا اصل مرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے بعد وہ لوگ ہمارے محبوب ہیں جو آنحضرتؐ سے محبت رکھنے کا ہمیں سبق دیں۔ اور اس زمانہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد علیہ السلام نے آنحضرتؐ سے انتہائی عشق رکھنے کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنی جماعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اس تلقین سے جماعت احمدیہ کے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ولولہ اور جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ وہ

سرفروشانہ خدمتِ اسلام میں کمربستہ ہیں۔ ان کی قربانیوں کی نظیر زمانہ حال کے دوسرے مسلمانوں میں کہیں پائی نہیں جاتی۔ ایسا عشقِ رسولؐ اور جذبۂ خدمتِ اسلام صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں ہی مل سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظِلّ اور عکس ہونے کے مدعی ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے مسیح موعود کے متعلق فرمایا ہے:۔

"یَنْعَکِسُ فِیْہِ اَنْوَارُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ"۔

اور نیز اس کے حق میں فرمایا:۔

"ھُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَنُسْخَۃٌ مُنْتَسِخَۃٌ مِنْہُ"۔

یعنی اس میں سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار منعکس ہوں گے وہ اسم جامع محمدی کی تشریح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا جو اسم جامع محمدی کے فیض سے ہوگا"۔

جب مسیح موعود علیہ السلام کی یہ شان اسلام میں مسلّم ہے تو آپؑ کے صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مثیل سمجھنے میں کیا قباحت ہے لہٰذا اس بارہ میں مولوی ابوالحسن صاحب کا اعتراض ان کے احساسِ کمتری پر دال ہے۔

اسی طرح اشاعتِ اسلام کو فروغ دینے کے لئے جلسہ سالانہ کے

اجتماعات کو ظلّی حج یا مجازاً حجِ اکبر قرار دینے کے بھی یہ معنی نہیں ہیں کہ جن لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہو اس جلسہ میں شامل ہونے سے ان سے فریضۂ حج ساقط ہو جاتا ہے ۔ پس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے جلسہ سالانہ کے اجتماع کو ظلّی حج کہنے اور کسی کے اسے مجازاً حجِ اکبر کہہ دینے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ احمدی حج بیت اللہ کے فریضہ سے منکر ہیں ۔ احمدی خدا کے فضل سے ہر سال مکہ معظمہ میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں اور روضۂ نبویؐ کی زیارت سے بھی مشرّف ہوتے ہیں ۔

ظلّی اور مجاز کے الفاظ تو ایک اصل اور ایک حقیقت کو ماننے کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں نہ کہ اصل اور حقیقت کے انکار کے بعد ۔ پس ظلّی حج اور مجازاً حجِ اکبر کے الفاظ حج بیت اللہ پر اعتقاد رکھنے کو ثابت کرتے ہیں نہ کہ اس کی نفی کرتے ہیں ۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب کا اس پر اعتراض محض ان کے تعصّب کا کارنامہ ہے ۔

قادیان مرکزِ اسلام

مسیح موعود علیہ السلام چونکہ قادیان میں رہتے تھے اسلئے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے قادیان کو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا مرکز بنا دیا ۔ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو اس پر اعتراض ہے وہ لکھتے ہیں :-

" قادیانی اصحاب اس دینی اور روحانی تعلق کی بناء پر جو نبی

نبوّت اور نئے اسلام کا مرکز ہونے کی بنا پر قادیان کے
ساتھ قائم ہوتا ہے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قادیان مقامات
مقدسہ میں سے ایک اہم ترین اور عظیم ترین مقام ہے اور
وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ قادیان کا نام لینا
ضروری سمجھتے ہیں۔" (قادیانیت ص۲۷)

الجواب - اس کے جواب میں واضح ہو کہ مسلمانوں نے تو پیروں اور مشائخ کی خانقاہوں کو بھی مقامات مقدسہ قرار دے رکھا ہے اور ہر سال وہاں عرس کی محفلیں قائم کرتے ہیں اور ان مشائخ کے مقامات کے ساتھ "شریف" کا لفظ بڑھا کر ان کی تقدیس بیان کرتے ہیں تو قادیان کو مسیح موعودؑ کے ظہور پر مرکزِ اسلام بن جانے کی وجہ سے اگر احمدی مقدس جانیں تو اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ احمدی کسی نئی نبوت کے قائل ہیں؟ احمدی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلّی نبی یقین کرتے ہیں نہ کہ کوئی نیا مستقل نبی یا تشریعی نبی۔ جب مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے علاوہ بیت المقدس وغیرہ کو بھی مسلمان ایک مقدس مقام جانتے ہیں اور بغداد کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مولد ہونے کی وجہ سے مقدس سمجھا جاتا ہے تو قادیان کو کیوں مقدس نہ سمجھا جائے جبکہ وہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس شخصیت کا بصورت مسیح موعود ظہور ہوا۔ مسلمانانِ پاکستان تو پاکستان کی ایک ایک انچ زمین کو مقدس قرار دیتے ہیں۔ اگر اس سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے علیحدگی کا تصور پیدا نہیں

گویا، ہجومِ خلق کی وجہ سے قادیان کو ارضِ حرم کا سا نظارہ پیش کرنے والا قرار دینا بھی مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے۔ یا للعجب!

بے شک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشتہار منارۃ المسیح میں بطور اشارۃ النص قادیان کا قرآن مجید میں مذکور ہونا بیان کیا ہے۔ مگر مولوی ابوالحسن صاحب نے ان باتوں سے جو یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ:۔

"ان سب بیانات اور قادیان کے بارے میں اعتقادات کا منطقی اور طبعی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے ...... کہ وہاں سال بسال حاضر ہونے کو حج ہی کا سا ایک مقدس عمل بلکہ ایک طرح کا حج سمجھا جانے لگے۔"

ہمارے نزدیک مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ نتیجہ غلط ہے کیونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کی تعلیم کے مطابق کوئی احمدی جو فریضۂ حج بیت اللہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اگر خانہ کعبہ کا حج نہیں کرتا تو وہ عند اللہ قابلِ مواخذہ ہوگا۔ قادیان کے جلسہ پر ہر سال جانے سے یہ فریضہ ساقط نہیں ہو سکتا۔ پس ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی ابوالحسن صاحب جس امر کو منطقی اور طبعی نتیجہ قرار دے رہے ہیں وہ صرف ان کا ایک وہم ہے جو عصبیت کی پیداوار ہے:۔

مولوی ابوالحسن صاحب قادیانیت کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھتے ہیں:۔

"انفرادیت کا رجحان اور مستقل دین اور نئی تاریخ کے آغاز کا احساس اتنا بڑھ گیا کہ قادیانی حضرات نے اپنی نئی تقویم

کی بنیاد ڈال دی اور سال کے مہینوں کے نئے ناموں سے تاریخ لکھنے لگے۔ قادیان کے سرکاری ترجمان الفضل میں مہینوں کے جو نام چھپتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

صلح۔ تبلیغ۔ امان۔ شہادت۔ ہجرت۔ احسان۔ وفا۔ ظہور۔ تبوک۔ اخاء۔ نبوت۔ فتح۔"

الجواب:۔ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے نئی تقویم جاری کرنے کو بھی احمدیت کے مستقل دین ہونے کے ثبوت میں پیش کر دیا ہے حالانکہ اس تقویم میں مہینوں کے جو نام رکھے گئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہیں۔ ان کا اشارہ احمدیت کی زندگی میں پیش آنے والے کسی واقعہ سے نہیں۔

ماہ صلح کا اشارہ صلح حدیبیہ کی طرف ہے۔ تبلیغ کا اشارہ اس ماہ سے ہے جس ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت تبلیغ شروع فرمائی۔ اور امان کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو امان دی۔ اسی طرح ہجرت کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے مہینہ کی طرف ہے۔ ان مہینوں میں ایک ماہ کا نام تبوک رکھا گیا ہے جو اس ماہ کی طرف اشارہ کرنے کی طرف روشن دلیل ہے جس ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے۔ تبوک کے لفظ سے ہر مسلمان تاریخ کی تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ تبوک کا احمدیت کی تاریخ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔

اس سے ہی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی مہینوں کے نام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے واقعات سے متعلق ہیں۔

اس تقویم کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ ہجری سنہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ فلاں واقعہ کس موسم میں پیش آیا۔ وہ گرما کا موسم تھا یا سرما کا۔ کیونکہ ہجری سنہ قمری مہینوں کے لحاظ سے رائج ہے۔ اسلامی تاریخ کے واقعات کو معلوم کرنے کے لئے کہ یہ کس موسم میں ہوئے ہجری شمسی کی تقویم جاری کی گئی۔ جس سے ہر مسلمان اسلام کی تاریخ جو قمری لحاظ سے بیان ہوتی ہے اس کا صحیح موسم معلوم کر سکتا ہے۔ قمری مہینے تو اپنا موسم بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی ایک قمری مہینہ موسم گرما میں آتا ہے تو کبھی وہ موسم سرما میں آجاتا ہے۔ پس یہ نئی تقویم تاریخ اسلام سے فائدہ اٹھانے کی خاطر جاری کی گئی ہے۔ اور اس کے مہینوں کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کے زمانہ کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔ ان مہینوں سے احمدیت کے کسی مستقل دین ہونے کا وہم پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر تعصب ایسی بلا ہے کہ اس کی وجہ سے ہنر بھی بعض کو عیب دکھائی دینے لگ جاتا ہے۔ یہ سچ کہا گیا ہے ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے ست
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

ایک ہندو ڈاکٹر کے خیالات سے مولوی ابوالحسن صاحب کا استدلال

اس فصل کے آخر میں مولوی ابوالحسن صاحب نے اپنی تائید میں ایک

ہندوستان کے ہندو ڈاکٹر کا مضمون نقل کیا ہے اور مضمون نگار کی بڑی تعریف کی ہے کہ اُس نے اس نکتہ کے سمجھنے میں بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے کہ قادیانیت ایک اسلامی فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل مذہب اور ایک متوازی قوم ہے جو خالص ہندوستانی بنیادوں پر ایک نئے مذہب اور نئے معاشرہ کی تعمیر کرتی ہے۔ (قادیانیت ص ۱۷۶)

مضمون نگار نے لکھا تھا:۔

"سب سے اہم سوال جو اس وقت ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ کبھی ان کے ساتھ سودے معاہدے اور پیکیٹ کئے جاتے ہیں، کبھی لالچ دے کر ساتھ ملانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات عرب کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو بھی عرب کا نام دے دیں۔

اس تاریکی میں، اس مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں اور محبان وطن کو ایک ہی امید کی شعاع دکھائی دیتی ہے اور وہ آشا کی جھلک احمدیوں کی تحریک ہے جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کرنے لگیں گے (یہ بالکل جھوٹ ہے۔ محمد نذیر) اور

آخر میں محب ہند اور قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلامزم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ آؤ ہم احمدیہ تحریک کا قومی نگاہ سے مطالعہ کریں۔" (قادیانیت صفحہ ۱)

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"ایک مرزائی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ :-

(۱) خدا سمے سمے پر لوگوں کی رہبری کے لئے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اُس وقت کا نبی ہوتا ہے۔

(۲) خدا نے عرب کے لوگوں میں اُن کی گراوٹ کے زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔

(۳) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی اسلئے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔"

آگے لکھتے ہیں :-

"اب قوم پرست بھائی سوال کریں گے کہ ان عقیدوں سے ہندوستانی قوم پرستی کا کیا تعلق؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہو جانے پر اس کی شردھا اور عقیدت رام، کرشن، وید، گیتا اور رامائن سے اٹھ کر قرآن اور عرب بھومی میں منتقل ہو جاتی

ہے اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اس کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ بریں جہاں اس کی خلافت پہلے عرب اور ترکستان (ترکی) میں تھی اب وہ خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ مدینہ اسکے لئے روایتی مقاماتِ مقدسہ رہ جاتے ہیں۔"

الجواب۔ اس اقتباس کے جواب میں واضح ہو کہ ہندو مضمون نگار کا یہ بیان کہ:۔

"جب کوئی مسلمان احمدی ہو جاتا ہے .... تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے"

سراسر غلط اور دور از حقیقت ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ احمدیت نے احمدیوں کو ایسا زاویۂ نگاہ دیا ہے جس سے اُن کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تمام انبیاء اور اولین و آخرین سے برتر ہے۔ اور حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ایک خادم کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ایک مستقل حیثیت۔ رام اور کرشن کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مستقل حیثیت رکھتے ہیں اسلئے ایک ہندو کے مسلمان ہونے پر اس کی شردھا کم ہو سکتی ہے لیکن احمدی جماعت میں داخل ہوئے ایک مسلمان کی شردھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کم ہونے کی بجائے بڑھ جاتی

ہے۔ کیونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

”پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود و سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی محبت میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اسلئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین اور آخرین پر فضیلت بخشی اور اسکی مرادیں اسکی زندگی میں اسکو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذرّیتِ شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا۔ جو اس کے ذریعہ نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم

کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہی میسر آیا۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے بالمقابل کھڑے ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ مضمون نگار ہندو ڈاکٹر نے احمدیت کو نہیں سمجھا۔ احمدیوں کے نزدیک، حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام سے محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں سے محبت کے اصل اور اولین مرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ پس ہندو ڈاکٹر کا یہ خیال صریح غلط ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے تعلق محبت کی وجہ سے ان کی توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کم ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بعثت کا مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی نوع انسان کا عشق پیدا کرنا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو

عشق تھا اگر اسے بے نظیر نہ سمجھا جائے تو نادر المثال ضرور ہے۔ آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اپنے محبت کے گیت گاتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

پھر فرماتے ہیں ؎

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کی بعثت کی تو غرض ہی یہ ہے کہ دین اسلام کی تجدید و اشاعت کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تمام انبیاء کے مقابلہ میں قائم کر کے دنیا سے آپ کا خاتم النبیین، سید المرسلین اور افضل الانبیاء ہونا منوائیں اور تمام دنیا کے رہنے والوں کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق پیدا کریں۔ پس احمدیوں کے دلوں میں مکہ معظمہ کو بیت اللہ ہونے کی وجہ سے جو عظمت حاصل ہے وہ قادیان کو ہرگز حاصل نہیں۔ پس اس ہندو ڈاکٹر کا یہ استدلال ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے کہ جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہو جانے سے اس کی عقیدت اور شردھا رام اور کرشن کے متعلق کم ہو جاتی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کی شردھا اور عقیدت بڑھ جاتی ہے، ایک مسلمان کے احمدی جماعت میں شامل

ہونے سے اس کی عقیدت اور شردھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کم ہو جائے گی اور مرزا غلام احمد علیہ السلام کے متعلق بڑھ جائیگی۔ حضرت مرزا صاحبؑ تو فرماتے ہیں ؎

یک قدم دُوری ازاں عالی جناب
نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

پس ڈاکٹر شنکر داس کا یہ خیال کہ احمدیوں کی عقیدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہو گئی صریح غلط ہے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ مسلمان احمدیوں کی مخالفت کرتے ہیں اور احمدیت کو مشکوک نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ احمدی انکی قومیت کو اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر واقعات نے ان کے اس خیال کو غلط قرار دیدیا اور بتا دیا ہے کہ احمدی مسلمان بھی عام مسلمانوں کی طرح قوم کی بنیاد مذہب پر رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اسی نظریہ کی وجہ سے امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ نے پاکستان بنایا جانے کی پُرزور تائید کی۔

ہندو ڈاکٹر صاحب جس قومیت کو پیش کرتے ہیں وہ سیاسی نوعیت کی قومیّت کا تصور ہے۔ مسلمان بھی سیاسی لحاظ سے اس قومیّت کو بنا سکتے تھے لیکن ہندوؤں کی ہٹ دھرمی اور بخل اور عدم رواداری نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ علیحدہ سلطنت کا مطالبہ کریں۔ ورنہ قائداعظم تو پہلے پکے کانگرسی تھے لیکن انہوں نے ہندوؤں کی بدسلوکی دیکھ کر ہی مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی اور پھر یہ آواز اٹھائی کہ ملک تقسیم ہونا چاہیئے۔

نبوّتِ محمدیہ کے خلاف بغاوت کے الزام کا ردّ

باب چہارم کی فصل دوم میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر نبوّتِ محمدیہ کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"اسلام کے خلاف وقتاً فوقتاً جو تحریکیں اُٹھیں اُن میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ تحریکیں یا تو نظامِ حکومت کے خلاف تھیں یا شریعتِ اسلامی کے خلاف لیکن قادیانیت درحقیقت نبوّتِ محمدی کے خلاف ایک ایک سازش ہے۔ وہ اسلام کی ابدیت اور اُمّت کی وحدت کو چیلنج ہے کہ اس نے ختم نبوّت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا جو اس اُمّت کو دوسری اُمّت سے ممتاز یا منفصل کرتا ہے جو کسی مملکت کی حدود کو حاضر کرنے کے لئے قائم کیا جاتا ہے ....الخ" (صفحہ ۱۸۳)

خط کشیدہ الفاظ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا صریح افترا اور بہتانِ عظیم ہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر "ختمِ نبوّت انعامِ خداوندی اور اُمّتِ اسلامیہ کا امتیاز ہے" کے ماتحت لکھا ہے:-

"یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے ایک انعامِ خداوندی اور موہبتِ الٰہی تھا جس کو خدا نے اس اُمت کے ساتھ مخصوص کیا۔" (صفحہ ۱۸۱)

واضح ہو کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو بھی مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے اِن معنوں کے ساتھ اتفاق ہے کہ اسلام مکمل دین ہے اور رسول کریم خاتم النبیین ہیں اور نیا دین اور نیا پیغام لانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری پیغمبر ہیں۔ آپ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۱ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس لحاظ سے آخری پیغمبر ہی مانتے ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"اللہ وہ ذات ہے جو ربّ العٰلمین، رحمٰن اور رحیم ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا۔ اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔"

پھر اپنی کتاب کشتی نوح میں اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں :-

"نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر

قرآن اور تمام آدمزادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا تم آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے جو اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی رسول ہے نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ چونکہ یہ ضرور تھا کہ دنیا ختم نہ ہو جب تک محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۳)

مولوی ابوالحسن صاحب پر واضح ہو کہ مسیح موعود نبی اللہ کی آمد کی ساری اُمت قائل ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں جو نواس بن سمعان سے باب خروج الدجال میں مروی ہے آنے والے عیسیٰؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبی اللہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَصْحَابُهٗ ..... فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ ..... ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ ..... فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ اِلَى اللّٰهِ۔

(صحیح مسلم باب خروج الدجّال و مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی السّاعۃ و ذکر الدجّال)

ہمارے نزدیک اس حدیث میں اُمتِ محمدیہ میں آنے والے مسیح موعود کو استعارہ کے طور پر عیسیٰ کا نام دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبیّ اللہ کہا ہے۔ اور اس حدیث کے مطابق ساری اُمتِ محمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبیّ اللہ کو مانتی چلی آئی ہے۔ نیز اُمتِ محمدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بمعنی آخری شریعت لانے والے نبی کے معنوں میں تسلیم کیا ہے نہ کہ مطلق آخری نبی کے معنوں میں۔ کیونکہ عیسےٰ نبی اللہ کا آنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت کو مسلّم رہا ہے۔ ہاں اُمت میں اس بارہ میں اختلاف بھی رہا ہے

کہ اُمتِ محمدیہ میں آنے والا عیسیٰ نبی اللہ مسیح ناصری علیہ السلام ہوں گے جو اسرائیلی نبی تھے یا اُن کا کوئی بروز ظاہر ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کا مذہب "اقتباس الانوار" صفحہ ۵۲ میں یوں لکھا ہے:۔

"بعضے بر آنند کہ رُوحِ عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است۔ مطابق ایک حدیث کہ لا مہدی اِلّا عیسیٰ بن مریم"

یعنی بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ عیسیٰؑ کی روحانیت مہدی میں بروز کرے گی اور نزول سے مراد یہی بروز ہے۔ مطابق حدیث لا مہدی اِلّا عیسیٰ کے" کہ عیسیٰ اور مہدی ایک ہی شخص ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"وَيَجِبُ نُزُوْلُهٗ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔" (تفسیر محی الدین ابن عربیؒ برحاشیہ عرائس البیان جلد ۱ صفحہ ۲۹۲)

یعنی حضرت عیسےٰؑ کا نزول کسی دوسرے بدن کے تعلق سے آخری زمانہ میں ضروری ہے۔

اسی طرح "فریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب" صفحہ ۲۱۴ پر لکھا ہے:۔

"قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِيْسٰى خُرُوْجُ رَجُلٍ يُشْبِهُ عِيْسٰى فِي الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ

لِلرَّجُلِ الْخَيْرِ مَلَكٌ وَ لِلشِّرِّيْرِ شَيْطَانٌ تَشْبِيْهًا بِهِمَا وَلَا يُرَادُ الْاَعْيَانُ"۔

ترجمہ۔ ایک فرقہ نے نزولِ عیسیٰؑ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ جیسے تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر آدمی کو شیطان کہہ دیتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ اور شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

واضح ہو کہ جماعت احمدیہ کا یہی مسلک ہے کہ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد اُمت میں سے عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو کر استعارہ کے طور پر پیشگوئیوں میں عیسیٰ یا ابن مریمؑ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اسلئے استعارہ کو جو مثیل کے آنے کے متعلق ہو اصل کا جزو ہی قرار دیا جاتا ہے۔ پس مسیح موعود کو جو حدیث نبوی میں چار دفعہ نبی اللہ کہا گیا ہے تو اس نبی اللہ کے الفاظ سے تشریعی نبی یا مستقل نبی مراد نہیں کیونکہ خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آخری تشریعی نبی جو شریعت تامہ کاملہ الیٰ یوم القیامت لائے وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خاتم النبیین بمعنی آخری نبی مانا جائے تو آپؐ کا آخری نبی ہونا چونکہ خاتم النبیین کے لوازم میں سے ہے اسلئے آپؐ کو خاتم النبیین اپنے تمام حقیقی اور لازم معنی کے ساتھ یعنی اپنی پوری حاصل کردہ حیثیت میں آخری نبی ماننا پڑے گا۔

اور خاتم النبیین کی پوری حیثیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں جملہ نبوت کے مرتبہ کے حصول میں انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اور آپ اس طرح بھی خاتم ہیں کہ بطور علت غائی آپ کی ذات تمام انبیاء کے ظہور میں موثر ہے اور آپ سب نبیوں کے مصدق ہیں اور ساتھ ہی آپ تمام انبیاء کرام میں سے آخری شریعت تامہ مستقلہ الی یوم القیامۃ لانے والے نبی ہیں۔ نبوت عامہ کے ساتھ آخری نبی نہیں۔ کیونکہ اگر آپ نبوت عامہ کے لحاظ سے آخری نبی ہوتے تو کبھی اپنے بعد ایک نبی اللہ کے ظہور کی پیشگوئی نہ فرماتے۔ پس آپ نبوت مخصوصہ کے لحاظ سے آخری نبی ہیں نہ نبوت عامہ کے لحاظ سے۔

بزرگان امت نے آپ کو آخری شریعت لانے والے نبی کے معنوں میں ہی آخری نبی قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مجدد صدی دوازدہم اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں:۔

"خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰی بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔"

(تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۷۲)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے ذریعہ نبیوں پر اس طرح مہر لگائی گئی کہ آئندہ ایسا شخص نہیں پایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ لوگوں پر نئی شریعت دیکر مامور کرے۔

پھر وہ لکھتے ہیں:۔

"اِمْتَنَعَ اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ مُسْتَقِلٌّ بِالتَّلَقِّیْ"

(الخیر الکثیر ص۸ مطبوعہ بجنور)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل بالتلقی یعنی شارع نبی کا آنا ممتنع ہے۔

پھر وہ موعود عیسیٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"یَزْعَمُ الْعَامَّۃُ اِنَّہٗ اِذَا نَزَلَ اِلَی الْاَرْضِ کَانَ وَاحِدًا مِّنَ الْاُمَّۃِ کَلَّا بَلْ ھُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَنُسْخَۃٌ مُّنْتَسِخَۃٌ مِّنْہُ فَشَتَّانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَّۃِ"

(الخیر الکثیر ص۷۲ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

ترجمہ:۔ عامۃ الناس یہ گمان کرتے ہیں کہ جب مسیح موعود زمین کی طرف نازل ہوگا تو اس کی حیثیت محض ایک اُمتی کی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی تشریح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا جو اُسی کے فیض سے ہوگا۔ پس اس کے درمیان اور ایک اُمتی کے درمیان بڑا فرق ہے۔"

اس عبارت میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظلّ ہی قرار دیا ہے۔

حضرت مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانے میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرّد کسی نبی کا آنا محال نہیں بلکہ نئی شریعت والا البتہ ممتنع ہے۔" (دافع الوسواس فی عصر ابن عباس نیا ایڈیشن صفحہ ۱۱۶)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

"علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر میں کوئی نبی شارع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کی تمام مکلفین کو شامل ہے۔ اور جو بھی آپ کے ہمعصر ہوگا وہ متبع شرع محمدیہ ہوگا۔"

(دافع الوسواس صفحہ ۲۹ نیا ایڈیشن تحذیر الناس)

پس جب علمائے اہلسنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری تشریعی نبی ہیں اور مجرّد کسی نبی کا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ممتنع نہیں اور علمائے اہلسنت حضرت عیسیٰ نبی اللہ کی آمد کے بھی قائل ہیں سو اگر مولوی ابوالحسن صاحب ندوی علمائے اہل سنت میں سے ہیں تو ان کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے اُمتی نبی ہونے پر ندوی صاحب نے اُمتِ محمدیہ سے بغاوت کا جو الزام لگایا ہے وہ سراسر نادرست بلکہ افترا ہے۔ اس دعویٰ سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا قدم ہرگز اسلام کی راہ سے نہیں ہٹا کیونکہ آپ کا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ آپ کوئی مستقل شریعت یا جدید دین لانے والے نبی ہیں بلکہ آپ کا یہی دعویٰ ہے

کہ آپ متبع شریعت محمدیہ ہیں اور آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ سے آپ کی کامل پیروی کے بعد اس طرح مقام نبوت حاصل کیا ہے کہ آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمتی بھی ہیں۔ لہذا مولوی ابوالحسن صاحب کا حضرت مسیح موعودؑ پر نئی اُمت بنانے یا نبوت محمدیہ سے بغاوت کا الزام محض جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔ حضرت مسیح موعود اپنی کتاب تتمہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے (یعنی جدید تشریعی یا مستقلہ نبوت کا۔ ناقل) کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔“

پس حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی نبوت بلحاظ مسیح موعود ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعیت میں ہے۔ اور مسیح موعودؑ کی نبوت خود صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کیونکہ آنے والے عیسیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبی اللہ قرار دیا ہے۔ اور علمائے اُمت

نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیح موعود نبی بھی ہو گا اور اُمتی بھی چنانچہ امام علی القاری علیہ الرحمۃ جو فقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام اور محدث ہیں اپنی کتاب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"لَا مُنَافَاةَ بَيْنَ اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيًّا وَاَنْ يَّكُوْنَ مُتَابِعًا لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيَانِ اَحْكَامِ شَرِيْعَتِهٖ وَاِتْقَانِ طَرِيْقَتِهٖ وَلَوْ بِالْوَحْيِ اِلَيْهِ كَمَا يُشِيْرُ اِلَيْهِ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ - اَيْ مَعَ النُّبُوَّةِ وَ الرِّسَالَةِ وَاِلَّا فَمَعَ سَلْبِهِمَا فَلَا يُفِيْدُ زِيَادَةَ الْمَزِيَّةِ ـ" (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۴)

ترجمہ ۔ موعود عیسےٰ کے نبی ہونے اور اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہونے میں اور آپ کی شریعت کے احکام کے بیان کرنے اور آپ کی طریقت کے پختہ کرنے میں کوئی منافات نہیں خواہ وہ یہ کام اُس وحی سے کرے جو اُس کی طرف نازل ہوئی ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا ۔ مراد یہ ہے کہ موسیٰ اپنی نبوت اور رسالت کے ساتھ تابع ہوتے

ورنہ مسلوب النبوّت والرسالت ہونے کی صورت میں
ان کا تابع ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا
کوئی فائدہ نہیں دیتا۔"

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ امام علی القاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک مسیح موعود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی اور اُمتی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت بر انبیاء کو ثابت کرتا ہے نہ کہ ایسے نبی کا ہونا نبوّتِ محمدیہ سے بغاوت ہے۔

تمام اہل سنّت بموجب حدیث نبوی مندرجہ صحیح مسلم تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح موعود اُمتی نبی ہوگا تو یہ انصاف کا خون ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب پر نبوّتِ محمدیہ سے بغاوت کا الزام لگایا جائے۔

مولوی ندوی صاحب! ہمارے اور آپ لوگوں کے درمیان اختلاف تو صرف مسیح موعود کی شخصیت میں ہے نہ کہ اس کے اُمتی ہونے کے منصب میں۔ اگر آپ کے نزدیک اپنے مزعوم مسیح موعود کا اُمتی نبی ہونا نبوّتِ محمدیہ سے بغاوت نہیں تو پھر آپ کے لینے اور دینے کے باٹ میں فرق کیوں ہے؟

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا نیا فلسفہ

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اسی فصل میں ایک نیا فلسفہ پیش کیا ہے اور یہ فلسفہ ختم النبیین کے متعلق اقبالی فلسفہ سے ماخوذ ہے۔ وہ

فلسفہ یہ ہے :۔

"عقیدۂ ختم نبوت دراصل نوعِ انسان کے لئے ایک شرفِ امتیاز ہے۔ وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوعِ انسان سنِ بلوغ کو پہنچ گئی ہے اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خدا کے آخری پیغام کو قبول کرے۔ اب انسانی معاشرہ کو کسی نئی وحی، کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں۔ اس عقیدے سے انسان کے اندر خود اعتمادی کی رُوح پیدا ہوتی ہے اور اُس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا ہے۔ ..... اب دنیا کو نئی وحی کے لئے آسمان کی طرف دیکھنے کی بجائے خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں سے فائدہ اُٹھانے اور خدا کے نازل کئے ہوئے دین و اخلاق کے بنیادی اصولوں پر زندگی کی تنظیم کے لئے زمین کی طرف اور اپنی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت انسان کو پیچھے کی طرف لے جانے کی بجائے آگے کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ وہ انسان کو اپنی جدّ و جہد کا حقیقی میدان اور رُخ بتلاتا ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب اور بے اعتمادی کے عالم میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کی بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی

طرف سے غیر مطمئن اور متشکک رہے گا۔ اُس کو ہر مرتبہ اور ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشنِ انسانیت اور روضۂ آدم ابھی تک نامکمل تھا۔ اب وہ برگ و بار سے مکمل ہوا ہے۔ اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ جب اس وقت تک یہ نامکمل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے۔ اس طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھولوں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا جو کہ اسے برگ و بار سے مکمل کرے۔" (قادیانیت ص ۱۸۲، ۱۸۳)

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا ختم نبوت کے متعلق پیش کردہ یہ جدید فلسفہ علمائے اہل السنت کے عقائد و افکار سے صریح تضاد رکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی ندوی صاحب مسیح موعود کی امتِ محمدیہ میں بعثت کے عقیدہ کو تمام علمائے اُمت کے برخلاف نادانستہ رد کر رہے ہیں کیونکہ اس طرح ان کے نزدیک زمین کی بجائے اُمت کو آسمان کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ اور وہ اب کسی نئی وحی کے نزول کے قائل نہیں حالانکہ صحیح مسلم کی حدیث میں جس میں نزولِ عیسیٰؑ کا ذکر ہے۔ اس میں صاف طور پر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس پر وحی بھی نازل ہو گی۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا یہ عقیدہ خلافِ حدیث نبوی بھی ہے اور تمام علمائے اُمت کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ ان کے اس فلسفہ کو جو سرا قبال کے افکار سے ماخوذ ہے من وعن کوئی عالم دین قبول کرنے کو تیار نہیں۔

یہ نیا فلسفہ پیش کر کے نادانستہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اہل السنت کے طریق سے بغاوت کی راہ اختیار کی ہے۔ اور چونکہ یہ فلسفہ نزولِ مسیح کی پیشگوئیوں کے خلاف ہے اسلئے میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ علمائے اہل السنت ان کے اس جدید فلسفہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے کیونکہ علمائے اہل السنت مجرّد کسی نبی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونا محال نہیں جانتے۔ صرف شرعِ جدید لانے والے نبی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا ممتنع مانتے ہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں علمائے اسلام کے بعض حوالہ جات قبل ازیں درج کئے جا چکے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ اس نئے فلسفہ کے ذریعہ کہ "اب زمین کی طرف دیکھنا چاہیئے نہ نزولِ وحی کے لئے آسمان کی طرف" مولوی ابوالحسن صاحب اہل السنت کے مذہب پر تبر چلا رہے ہیں کیا وہ ان افکارِ ملحدانہ کے ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث نبویّہ کو ردّ نہیں کر رہے جن میں نزولِ ابنِ مریم کی اُمّتِ محمدّیہ کے لئے بشارت دی گئی ہے؟ حالانکہ یہ احادیثِ نبویہ تواترِ معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور وحی کا دروازہ بھی قرآن کریم کے رُو سے اُمتیوں پر بند نہیں بلکہ خدا تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا

تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيَآءُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ - الاٰیۃ (سورہ حٰمٓ سجدہ)

ترجمہ - جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت دکھائی ان پر خدا کے فرشتے نازل ہونگے کہ تم کوئی خوف اور غم نہ کرو اور اس جنت کی بشارت پاؤ جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی۔

ملائکہ کا یہ نزول بشارات کے ساتھ سچّے اور مستقیم الحال لوگوں پر اذنِ الٰہی سے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ ملائکہ وہی کام کرتے ہیں جس کا خدا تعالیٰ سے اذن پاتے ہیں۔ اگر نزولِ وحی کا دروازہ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کلّیتہً بند کرنا خدا تعالیٰ کا مقصود ہوتا تو پھر یہ آیت قرآن مجید میں نازل نہ ہوتی۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب کے اس جدید فلسفہ کو قرآن مجید کی یہ آیت صریح طور پر ردّ کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ آیت مسلمانوں کی توجہ کو آسمان کی طرف اٹھاتی ہے نہ کہ زمین کی طرف۔ یہ ملائکہ کا نزول خدا کے تازہ نشانوں کے ساتھ شریعتِ محمدیہ پر کامل یقین پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین قرار دیکر اللہ تعالیٰ نے کئی امور میں تمام انبیائے کرام سے ممتاز کر دیا ہے مگر اس طرح کہ آپ

اس لحاظ سے بھی ممتاز ہیں کہ تمام انبیاء کے ظہور میں آپ کا خاتم النبیین ہونا بطور علّت غائی کے موثر ہے۔ اور یہ امتیاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کے حقیقی لغوی معنوں کے لحاظ سے حاصل ہے۔ پھر ایک امتیاز بوجہ خاتم النبیین ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حاصل ہے کہ آپ آخری شریعتِ مستقلہ تامّہ کاملہ لانے والے نبی ہیں جس کا عمل قیامت تک رہے گا۔ اب آئندہ اس امتیاز کی وجہ سے دنیا کو کسی نئی شریعت کی ضرورت نہ ہو گی۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شریعتِ تامّہ کاملہ مستقلہ الی یوم القیامۃ لانے کی وجہ سے آخری شارع نبی ہونے کا بھی امتیاز رکھتے ہیں۔ اب اگر آپ کے امتیوں میں سے آپ کی پیروی اور افاضۂ روحانیہ کے ذریعہ آپ کا کوئی روحانی فرزند آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کا مثیل ہو کر اس طرح مقامِ نبوت پائے کہ وہ نبی بھی ہو اور آپ کا اُمتی بھی۔ تو ایسے نبی کا آنا بھی آپ کے ایک امتیاز اور ایک بلند شان کو ظاہر کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیتا ہے کہ واقعی آپ انبیاء میں روحانی شاہنشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ روحانی شاہنشاہ کی اتباع اور پیروی میں آپ کے کسی خلیفہ کا روحانی بادشاہ بن جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان کو ہی ظاہر کرتا ہے نہ کہ اسے مٹاتا ہے۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا یہ جدید فلسفہ نہ اہل سنّت کے علماء کو مسلّم ہو سکتا ہے نہ جماعت احمدیہ کو کیونکہ ان کا یہ فلسفہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے صریح خلاف ہونے کی وجہ سے محض الحاد ہے۔ واضح ہو کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اُمّتی نبی کا آنا کسی نبی اُمّت بنانے کے مترادف نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ایسا نبی خود بھی اُمّتی فرد ہے تو اُسے نبیٔ اُمّت بنانے والا قرار دینا محض تحکم اور انصاف کا خون ہے۔

مولوی ابو الحسن صاحب روضۂ آدم کے لئے کسی باغبان کی ضرورت کے قائل نہیں خواہ روضۂ آدم کے اشجار یعنی بنی نوع انسان روحانیت کے لحاظ سے بالکل بے برگ و بار ہو جائیں اور دہریت اور الحاد کا شکار بنتے رہیں۔

مولوی ابو الحسن صاحب یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ روضۂ آدم کی خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی مجدد کے ذریعہ حفاظت اور نگرانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسے خیالات کی اشاعت کر کے مولوی ابو الحسن صاحب اسلام دوستی کا ثبوت نہیں دے رہے بلکہ نادان دوست کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ ان کا یہ فلسفہ رد کرنے کے قابل ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور افاضۂ روحانیہ کو بند اور منقطع قرار دینے کے مترادف ہے۔

اپنے اس جدید فلسفہ کی بنا پر مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کا یہ لکھنا کہ:۔

"قادیانیت نبوّتِ محمدیہ کے خلاف ایک سازش ہے۔" (صـ ۱۸۳)

محض ان کا افترا ہے۔ احمدیت نبوّتِ محمدیہ کے خلاف نہ کوئی سازش ہے نہ نبوّتِ محمدیہ سے بغاوت ہے۔ بلکہ اس کا مقصد نبوّتِ محمدیہ کو تمام انبیاء کی نبوّتوں سے برتر اور اتم اور اکمل ثابت کرنا ہے۔ مولوی ابو الحسن

صاحب کا یہ قول بھی محض غلط ہے کہ :-

"وہ (قادیانیت) اسلام کی ابدیت اور اُمّت کی وحدت کو چیلنج ہے۔ اس نے ختمِ نبوّت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا ہے جو اس اُمّت کو دوسری اُمّتوں سے ممتاز و منفصل کرتا ہے۔" (قادیانیت صـ۱۸۳)

واضح ہو کہ خاتم النبیینؐ کی نبوّت کے ذریعہ جو سرحدی خط کھینچا گیا ہے وہ علمائے اہلِ سنّت کے نزدیک صرف یہ مفہوم رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری تشریعی نبی ہیں۔ اس خط کو احمدیت نے عبور نہیں کیا بلکہ وہ لاکھوں انسانوں کو کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھوا کر اس خط کا ان سے اعتراف کرا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شریعتِ تامّہ مستقلہ لانے والے نبی ہیں اور اپنے فیوض و برکات کے لحاظ سے آپ ایک زندہ نبی ہیں کیونکہ آپؐ کا افاضۂ روحانیہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہی خط ہے جو اُمتِ محمدیہ کو تمام اُمّتوں سے منفصل اور ممتاز کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن ختمِ نبوّت کو یہ معنی دے رہے ہیں کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افاضۂ روحانیہ منقطع ہو چکا ہے اور آئندہ آپؐ کی اتباع اور افاضۂ روحانیہ سے کوئی شخص اُمّتی نبوّت کا مقام پا کر مبعوث نہیں ہو سکتا۔

مولوی ابوالحسن صاحب کا جدید فلسفۂ ختمِ نبوّت یہ ہے کہ اب آسمان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف زمین کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان

کے نزدیک ایسی نئی وحی بھی جو پیشگوئیوں اور نشانوں پر مشتمل ہو انسان کو آگے لے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف لے جانے والی ہوگی کیا انکے اس عقیدہ سے یہ ظاہر نہیں کہ وہ تمام امت مسلمہ کے خلاف مسیح موعود کی آمد سے منکر ہیں کیا انکے نزدیک وہ سب پیشگوئیاں (معاذاللہ) غلط ہیں جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق احادیث نبویہ میں مذکور ہیں؟ ڈاکٹر اقبال کا تتبع کرکے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے تمام علمائے اہل السنت کے خلاف نادانستہ ایک جدید مذہب ایجاد کرنے کی کوشش نہیں کی جو انکے اپنے عقیدہ متعلق نزول مسیح سے بھی تضاد رکھتا ہے جبکہ انہوں نے ایسی حدیثوں کو تواتر تک پہنچا ہوا قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "قادیانیت" حاشیہ ص ۷۹)

آسمانی سہارے کی ہمیشہ ضرورت ہے

ڈاکٹر اقبال کا یہ فلسفہ اس خیال پر مبنی ہے کہ اب ذہنی ارتقاء چونکہ کمال کو پہنچ چکا ہے اسلئے نوعِ انسانی کو اب آسمانی سہارے یعنی وحی الٰہی کی کوئی ضرورت نہیں حالانکہ باوجود ارتقائے ذہنی کے دنیا کا ایک کثیر حصہ خلافِ اسلام اشتراکیت اور سوشلزم کا شکار ہو کر دہریہ بن چکا ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ہی قائل نہیں رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں ایسے آسمانی سہارے کی ازبس ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ کی وحی کے بیان کردہ آسمانی نشانوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنے کا موجب ہو سکے اور یہ قومیں یا تو اس سے

استفادہ کر کے خدا تعالیٰ کی ہستی کی قائل ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں
یا اتمامِ حجّت کے بعد خدا تعالیٰ عذاب سے انہیں ملیا میٹ کر دے
کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کی خبر دیتے
ہوئے فرمایا ہے یُھْلِکُ اللّٰہُ فِیْ زَمَانِہِ الْمِلَلَ کُلَّھَا اِلَّا
الْاِسْلَامَ (تفسیر ابن جریر) کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ تمام ملّتوں کو
بجز اسلام کے ہلاک کر دے گا۔ اور مفسّرین تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ
کا وعدہ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ مسیح اور مہدی کے زمانہ میں پورا ہوگا۔
پس قرآن و حدیث تو مسلمانوں کی توجہ کو آسمان کی طرف پھراتے ہیں
اور مولوی ابو الحسن صاحب ڈاکٹر اقبال کی پیروی میں ان کی توجہ زمین کی
طرف پھرانا چاہتے ہیں ؎ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا۔

واضح ہو کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مسیح موعود ہو کر جس نبوّت کا
دعویٰ کیا ہے چونکہ وہ اُمّتی نبوّت ہے اس لئے نہ یہ نبوّت کوئی نئی اُمّت
بناتی ہے اور نہ نبوّتِ محمدیہ کے خلاف کوئی سازش قرار پا سکتی ہے۔
کیونکہ یہ نبوّت تو نبوّتِ تشریعیہ محمدیہ کی تائید اور دین اسلام کی اشاعت
کے لئے ہے جو خود بھی اُمّتی ہو وہ دوسری اُمّت بنا ہی کیسے سکتا ہے؟

ختمِ نبوّت کے متعلق سر اقبال کا فلسفہ!

علّامہ سر اقبال کا یہ فلسفہ کہ ارتقائے ذہنی حاصل ہو جانے کی وجہ سے

اب نوعِ انسانی خارجی سہارے سے بے نیاز کر دی گئی ہے گویا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ اب دنیا کو ایسی وحی کی بھی ضرورت نہیں جو المبشرات یعنی امورِ غیبیہ پر مشتمل ہو اور جو اپنے روشن نشانوں سے خدا تعالیٰ کی ہستی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تازہ اور زندہ گواہ ہو اور اس طرح زندہ ایمان پیدا کرنے کا موجب ہو۔ اس فلسفہ کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ بچے کو شروع میں اُٹھنے اور چلنے کے لئے خارجی سہارے یعنی ماں باپ کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب اس کے اندر خود اُٹھنے اور چلنے کی قوت پیدا ہو جائے تو پھر اُسے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس وقت ایسے سہارے کو اپنے لئے باعثِ شرم محسوس کرے گا۔ اسی طرح نوعِ انسانی چونکہ اس زمانے میں کامل ارتقائے ذہنی حاصل کر چکی ہے اسلئے اب وہ وحی کے خارجی اور آسمانی سہارے سے بے نیاز ہو چکی ہے اب ایسے خارجی سہارے کی تلاش اس کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اگر اس فلسفہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ارتقائے ذہنی کے پیدا ہونے پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب ہمیں قرآن مجید کے خارجی سہارا کی بھی ضرورت نہیں رہی ہم خود ہی اپنی حیاتِ دنیوی کے لئے لائحہ عمل بنائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ پس یہ فلسفہ چونکہ انسان کو قرآن مجید کی تعلیم سے بھی بے نیازی کا سبق دیتا ہے اور اس طرح اس کے ڈانڈے الحاد سے جا ملتے ہیں لہذا ہم اسے کوئی فلسفہ قرار دینے کی بجائے محض ایک

شاعرانہ خیال جاننے پر مجبور ہیں کیونکہ اسلامی تعلیم تا قیامت انسان کو قرآن مجید کے خارجی سہارے اور المبشرات والی وحی کے آئندہ نزول سے بے نیاز قرار نہیں دیتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ہی غنی ہے تم سب اللہ کے محتاج ہو ۔ پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا دعویٰ المبشرات والی وحی پانے کا ہے جو آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور افاضۂ روحانیہ سے حاصل ہے۔ تا الحاد و دہریت اور غلط فلسفوں کو مٹایا جائے۔

حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوتِ تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔"

(الوصیت حاشیہ صـ۱۲)

نیز تحریر فرماتے ہیں :۔

"نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے خدا تعالیٰ کی صرف یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ حاصل کرے اور تجدید دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لاوے کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر ختم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق جائز نہیں جب تک اس کو اُمتی بھی نہ کہا جائے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پایا ہے نہ کہ براہِ راست۔"

(تجلیات الٰہیہ ص۹)

نیز تحریر فرماتے ہیں :-

"لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوّت جس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔"

(چشمہ معرفت، ص۳۲۵)

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ الزام کہ "قادیانیت نبوت محمدیہ کے خلاف ایک سازش ہے اور اسلام کی ابدیت اور وحدت کو چیلنج ہے" سراسر نادرست اور غلط ہے۔ ختم نبوّت سے انکار تب لازم آتا ہے جب کوئی شخص نئی شریعت لانے کا مدعی ہو لیکن جس شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ شریعت محمدیہ کو ابدیت حاصل ہے اسے ختم نبوّت کا منکر قرار دینا سراسر ظلم ہے خواہ اس ظلم کا ارتکاب مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کریں یا علامہ اقبال۔ لاریب سر اقبال کا یہ بیان سچا ہے کہ "ایران

میں بہائیوں نے ختمِ نبوّت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا"

احمدیت اور بہائیت میں فرق

اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ بہائیوں نے قرآن مجید کو منسوخ قرار دے کر اس کی بجائے ایک جدید شریعت پیش کی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے آپ کو خود مسلمانوں سے ایک الگ اُمت قرار دیا ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معنوں میں آخری نبی تسلیم کرتی ہے کہ آپؐ آخری شریعتِ تامہ کاملہ مستقلہ لانے والے نبی ہیں جس کا عمل قیامت تک رہے گا۔ اور قرآن مجید کے بعد تا قیامت کوئی نئی شریعت نازل نہیں ہوگی۔ پس بہائی قرآن مجید کو منسوخ قرار دیکر نئی شریعت کے قائل ہیں اور جماعت احمدیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے اپنے بیانات کے مطابق آپؑ کو ایک خادمِ اسلام اور اُمتی نبی یقین کرتی ہے جو تجدیدِ دین کے لئے مامور ہوئا۔ اور اس کی بعثت کی غرض دنیا پر اسلام کی حقانیت ظاہر کرنا ہے نہ کوئی نئی شریعت لانا۔

ختم نبوّت کی تفسیر از امام علی القاریؒ

امام علی القاری علیہ الرحمۃ جو فقہ حنفیہ کے ایک امام اور جلیل القدر محدّث ہیں خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

"اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَ

لَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ"۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹)

ترجمہ۔ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملت (شریعت) کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمت میں سے نہ ہو۔

جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے ان لازمی معنی کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی کے آنے کی قائل نہیں جو شریعت محمدیہ کو منسوخ کرنے والا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کے آنے میں امام علی القاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک آیت خاتم النبیین مانع نہیں۔ تابع اور امتی نبی کو نئی اُمت بنانے والا نبی قرار دینا مولوی ابوالحسن صاحب کی صریح زیادتی اور سراسر بے انصافی ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب اور علامہ اقبال کا احمدیت پر یہ غلط الزام ہے کہ احمدیہ تحریک سے اسلام کی وحدت کو کوئی خطرہ ہے۔

عجیب بات ہے کہ جماعت احمدیہ تو اپنے تئیں مسلمانوں میں اسلام کی عام اور عرفی تعریف کے لحاظ سے شامل سمجھتی ہے اور یہ دونوں فلاسفر اسے اپنے غلط فلسفہ کو پیش کرکے اسلام کی وحدت کے لئے خطرہ قرار دیتے ہیں حالانکہ اسلام کی اشاعت و ترویج ہی جماعت احمدیہ کی غرض و غایت ہے۔ اور اس کی اغراض میں یہ بھی شامل ہے کہ مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر جمع کرکے ان میں جو فرقہ بندی کا انتشار ہے اُسے دُور کیا جائے تا ان میں سچی وحدت پیدا ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اگر اُمّت میں انتشار موجود نہ ہوتا اور اُس کی وحدت بہتّر فرقوں میں منقسم ہو کر پارہ پارہ نہ ہو چکی ہوتی تو البتّہ کسی ایسے اُمّتی نبی کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے مامور ہونے سے پہلے امّت کی وحدت بالکل پارہ پارہ ہو چکی ہوئی تھی اور آپ کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ انہیں پھر ایک ہاتھ پر جمع کر کے ان میں وحدت پیدا کی جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّتِ محمدیہ کے مسیح موعودؑ کو اپنی احادیث میں "حَکَم عدل" قرار دیا ہے۔ پس مسیح موعود علیہ السلام اُمّتی نبوّت کے ساتھ صرف منصبِ حکمیّت رکھتے ہیں نہ نئی شریعت لانے کا منصب۔ مسیح موعود علیہ السلام کی نبوّت خدا تعالیٰ کی طرف سے اُمّتِ محمدیہ کے اختلافات کو مٹانے کے لئے اور ان میں حقیقی وحدت پیدا کرنے کی غرض سے قائم ہوئی ہے۔ لہٰذا اسے وحدتِ اسلامیہ قائم کرنے کا ذریعہ سمجھا جانا چاہیئے نہ کہ وحدتِ اسلام کے لئے کوئی خطرہ۔

بنی اسرائیل میں شریعت لانے والے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور خدا تعالیٰ نے اس وجہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا ہے کہ آپ شریعتِ جدیدہ لانے والے نبی ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے بعد صدہا انبیاء بنی اسرائیل میں بمنصبِ حکمیّت مامور ہوئے جو شریعتِ موسوی کے تابع تھے۔ سورۂ نور کی آیت استخلاف وَعَدَ

اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ. میں خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ایمان لا کر اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو خلافتِ محمدیہ کی نعمت سے متمتع کیا جائے گا اور وہ سب پہلے گزرے ہوئے خلفاء یعنی موسوی زمانہ کے انبیاء کے مثیل ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور مجدّدِ دین اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اور حسب حدیث نبوی "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" کہ میری اُمّت کے علمائے ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے مثیل انبیاء بنی اسرائیل بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور افاضۂ روحانیہ کے واسطہ سے انہیں علیٰ قدرِ مراتب المبشرات والی نبوت کا حصہ ملنا ضروری تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی غرض سے اس نبوت سے کامل حصہ ملنے کی ضرورت بھی اسلیے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللّٰہ کا نام بھی دیا اور اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح بخاری) اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ (صحیح مسلم) فرما کر اُمّت میں سے اُمّت کا امام بھی قرار دیا۔ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نبی اللہ بھی ہے اور آپ کا اُمّتی بھی۔ اور اسے عیسیٰ کا نام مثیلِ عیسیٰ ہونے کی وجہ سے مجاز اور استعارہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ اور طبرانی کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نبی اور رسول بتانے کے ساتھ ہی اپنا خلیفہ بھی قرار دیا ہے۔ پس حضرت

اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ. میں خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ایمان لاکر اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو خلافتِ محمدیہ کی نعمت سے متمتع کیا جائے گا اور وہ سب پہلے گزرے ہوئے خلفاء یعنی موسوی زمانہ کے انبیاء کے مثیل ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور مجدّدِ دین اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اور حسبِ حدیث نبوی "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" کہ میری اُمّت کے علمائے ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے مثیل انبیاء بنی اسرائیل بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور افاضہ روحانیہ کے واسطہ سے انہیں علیٰ قدرِ مراتب المبشرات والی نبوت کا حصہ ملنا ضروری تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی غرض سے اس نبوت سے کامل حصہ ملنے کی ضرورت تھی اسلئے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کا نام بھی دیا اور اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح بخاری) اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ (صحیح مسلم) فرما کر اُمّت میں سے اُمّت کا امام بھی قرار دیا۔ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نبی اللہ بھی ہے اور آپ کا اُمّتی بھی۔ اور اسے عیسیٰ کا نام مثیلِ عیسیٰ ہونے کی وجہ سے مجازاً اور استعارہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ اور طبرانی کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نبی اور رسول بتانے کے ساتھ ہی اپنا خلیفہ بھی قرار دیا ہے پس حضرت

جماعت احمدیہ کے نزدیک کوئی اور نبی تین سو سال کے عرصہ میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور نبی کی ضرورت اُسی وقت پیش آسکتی ہے جب تین صدیاں گزرنے کے بعد اُمت میں پھر ایسا بگاڑ پیدا ہو جائے کہ عند اللہ آنحضرتؐ کی قوتِ افاضہ سے خدا تعالیٰ کے نزدیک پھر کسی اور نبی کا بھیجنا ضروری ہو۔ امکان کی حد تک تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب اُمتی نبی کی آمد آیتِ خاتم النبیین کے منافی اور خلاف نہیں تو پھر ضرورت پڑنے پر ہزاروں نبی آسکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن امکان اور ضرورت میں فرق ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ نبی کا بھیجا جانا ضروری اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ اُس کے آنے کیلئے ضرورتِ حقہ موجود ہو۔ ضرورتِ حقہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی نبی نہیں بھیجتا۔ جب اور جہاں وہ ضرورتِ حقہ پاتا رہا ہے نبی ضرور بھیجتا رہا ہے۔ چنانچہ نوحؑ کے بعد پے در پے نبی آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا (المؤمنون: ۴۵)

کہ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔"

اسی طرح اُمتِ موسوی میں بھی صدہا انبیاء کا ظہور ہوا۔ پس مولوی محمد علی صاحب کا جو اقتباس مولوی ابوالحسن صاحب نے اِس موقع پر "قادیانیت" کے صفحہ ۹۰-۹۱ پر درج کیا ہے وہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے نزدیک آئندہ دھڑا دھڑ نبی آئیں گے تو احمدیہ جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"یاد رکھو اگر اسلام کو کُل ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ سچّا ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آ سکتا کہ ہزار ہا نبی اپنی اپنی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ لئے پھرتے ہوں۔"

مولوی محمد علی صاحب کو بوجہ احمدی ہونے کے یہ معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ مسیح موعودؑ نے سنّتِ نبوی کے مطابق غلبۂ اسلام کے لئے اپنا زمانہ تین صدیاں بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اِس عرصہ میں کوئی اور نبی ظاہر نہیں ہو سکتا یا ایسے نبی نہیں آ سکتے ہیں جو اپنی اپنی ٹولیاں الگ الگ لے کر احمدیت کو جو وحدتِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے لئے وجود میں آئی ہے پارہ پارہ کر سکیں۔ پس تین سو سال کے عرصہ میں کوئی سچّا نبی مسیح موعودؑ کے بعد ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی دماغی خرابی کی وجہ سے دعویٰ کرے تو اُس کا دعویٰ قابلِ اعتنا نہیں ہوگا اور وہ ناکام و نامراد رہے گا۔ اور اگر افترا علی اللہ کر کے دعویٰ کرے تو وہ ناکام بھی رہے گا اور اس کی قطعِ وتین بھی ہو گی حسب آیت کریمہ :-

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ (سورۃ الحاقہ)

سر اقبال تو اب زندہ نہیں لیکن ان کو اپنی تائید میں پیش کرنے والے مولوی ابو الحسن صاحب بقیدِ حیات ہیں وہ دیکھ لیں کہ سر اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی حالتِ زار اُن کے زمانہ میں یہ تھی جس کو دیکھ کر خود اُن کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہو رہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر

تشریف لاویں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانہ میں مقبول ہو اور رسول اللہ پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔" (مکاتیب اقبال حصہ اول صلا۴۱ مکتوب ۱۹ر جون ۱۹۱۶ء)

پھر سر اقبال اپنے مجوزہ بیانات کو جنہیں مولوی ابوالحسن صاحب نے پیش کیا ہے حرف آخر نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ صاف لکھتے ہیں :۔

"بانی تحریک کا دعویٰ سلسلہ بروزیہ مبنی ہے مسئلہ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے ازبس ضروری ہے۔"

(مکاتیب اقبال حصہ اول ص۴۱۹ مکتوب بنام پروفیسر الیاس برنی مؤرخہ ۲۷ر مئی ۱۹۳۶ء)

پھر سر اقبال ملت اسلامیہ کے نام اپنے پیغام کے ص۲۲-۲۳ پر لکھتے ہیں :۔

"جہاں تک میں نے اس تحریک کے منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے اس خیال سے اس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے۔"

سر اقبال نے احمدیت کے خلاف جو مضمون لکھا ہے وہ اُن کی

سیاسی مجبوریوں کی بناء پر ہے۔ اپنے اس خط میں انہوں نے اُمّت کو اس غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ رسول کریمؐ اِن معنوں میں آخری نبی ہیں کہ آپؐ کے بعد آئندہ کوئی بھی امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ نہ عیسٰیؑ کا مثیل اور نہ کوئی اور۔ انہوں نے ختمِ نبوّت کو اپنے ان جدید معنوں کے لحاظ سے احمدیت کے خلاف سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کرنا چاہا ہے۔

سر اقبال کا یہ مضمون جیسا کہ میں نے بتایا ہے حرفِ آخر نہیں۔ یہ ۱۹۳۵ء کی تصنیف ہے لیکن وہ ۱۹۳۲ء میں بانی سلسلہ احمدیہؑ کے دعویٰ کے بروز کے سلسلہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے تاریخی لحاظ سے اسکی تحقیق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

آپ یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ سر اقبال احمدیوں کی طرح وفاتِ مسیح کے قائل تھے اور احمدیت کے اس عقیدہ کو کہ مسیحؑ کی رجعت سے مراد ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے معقولیت کا رنگ رکھنے والا قرار دے چکے ہیں۔

۱۳ر فروری ۱۹۳۵ء کے اخبار مجاہد لاہور میں ان کا ایک بیان احمدیوں کے عقیدہ کے متعلق شائع ہوا تھا جس میں لکھا ہے:۔

"یہ عقیدہ کہ حضرت عیسٰیؑ ایک فانی انسان کی مانند جامِ مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا کسی

حد تک معقولیت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔"

پھر ختم نبوت پر سر اقبال نے جو مضمون سیاسی مجبوریوں کے ماتحت لکھا اُس پر مسلمانوں کے سمجھدار اصحاب نے تنقید بھی کی ہے چنانچہ اخبار سیاست میں سید حبیب صاحب نے ان کے بیان پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :-

"علامہ اقبال احرار کی موجودہ فتنہ پروری کی آج حمایت کر رہے ہیں لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مرزائیت کم و بیش تیس سال سے موجود ہے۔ اس طویل عرصہ میں

ہر کہ رمزِ مصطفٰے فہمیدہ است
شرک را در خوفِ مضمر دیدہ است

کا نعرہ لگانے والے علامہ اقبال کا طرزِ عمل وہی رہا ہے جس کی تائید و حمایت کی وجہ سے آج میرے ایسے مسلمان موردِ طعن ہو رہے ہیں۔ ..... علامہ اقبال کی شخصیت، علمیت، ہر دلعزیزی، شرافت، نجابت، قابلیت، اور بلند اخلاق و شہرت کا حامل اگر وہ بات کہے جو ملت کیلئے برباد کن ہو تو یقیناً ہمیں حق حاصل ہوتا ہے کہ ہم ملت کے مستقبل کا ماتم کریں اور نوحہ کریں کہ جن سے امیدِ ہدایت تھی، وہی ملت کو گمراہ کر کے تباہی و بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

یہ حقیقت کہ تیس سال کی طویل میعاد تک علامہ اقبال کا مسلک مرزائیوں کے متعلق وہی رہا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے ناقابل انکار ہے۔ علامہ صاحب نے آج سے پہلے کبھی یہ اعلان نہیں کیا کہ مرزائی ختم نبوت کے دشمن ہیں لہذا یا معاشر المسلمین! تم ان سے آگاہ رہو۔ بلکہ اس کے برعکس سیاسی، علمی، تمدنی اور معاشرتی مجالس میں ان کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ اور علامہ اقبال یکساں بطور مسلمان انجمن حمایت اسلام کے رکن رہے اور علامہ نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا ۔ ۔ ۔ ۔ مسلم لیگ و مسلم کانفرنس میں چودھری ظفر اللہ خان اور علامہ اقبال یکساں بطور مسلمان ممبر بنے رہے۔ علامہ صاحب نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ چودھری صاحب مسلم لیگ کے صدر ہو گئے۔ عوام میں سے بعض نے اعتراض بھی کیا علامہ صاحب نے نہ صرف کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ معترضین کی تائید بھی نہیں کی اور خود چودھری صاحب کے ماتحت لیگ کے ممبر بنے رہے۔ علامہ ممدوح لیگ اور کانفرنس کے صدر رہے لیکن آپ نے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ ان مجالس میں قادیانی بھی بطور مسلمان شامل ہوتے ہیں۔ قادیان سے ان جماعتوں کو علامہ صاحب کی صدارت میں

مالی امداد ملی مگر علامہ صاحب نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ پنجاب کونسل میں چودھری ظفر اللہ خان اور علامہ اقبال دونوں مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے پہلو بہ پہلو کام کرتے رہے۔ اور سائمن کمیٹی کے لئے جب چودھری صاحب کو بطور مسلمان ممبر منتخب کیا گیا تو علامہ صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور انتہا یہ ہے کہ جب حکومت نے گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی کانفرنس کی نیابت کے لئے علامہ اقبال اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو بحیثیت مسلمان چنا تو نہ صرف علامہ اقبال نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ لنڈن میں چودھری صاحب کے دوش بدوش کام کرتے رہے۔ ...... لیکن شاید کہا جائے کہ گزشتہ را صلوٰات آئندہ را احتیاط جو کچھ ہوا وہ غلط تھا آئندہ علامہ صاحب ایسا نہ کریں گے۔ اوّل تو ممدوح کی حیثیت کے بلند فرد کے متعلق یہ عذر ہرگز عذرِ معقول نہیں کہلا سکتا تاہم اگر بہ فرضِ دلیل اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو علامہ اقبال کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ حال ہی میں لنڈن میں جوبلی کے موقع پر جو جماعت اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ برطانیہ اور دنیائے اسلام کے تعلقات بہتر ہونے چاہئیں اس میں علامہ اقبال اور چودھری ظفر اللہ خان دونو

بطور مسلمان شامل ہیں۔ یہ لیگ کی خبر رائٹر نے دس مئی کو دی اور گیارہ مئی کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس کے ممبر یا برطانیہ کے لارڈ ہو سکتے ہیں یا مسلمان۔ کوئی غیر مسلم غیر انگریز اس کا رکن نہیں ہو سکتا۔"

(اخبار سیاست ۱۹۳۵ء بحوالہ الفضل)

اس مضمون سے پہلے اداریہ میں سید حبیب لکھتے ہیں:۔

"علامہ اقبال نے اس بیان میں احرار کی موجودہ شرارت کے جواز کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے مسلمانوں میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے ہر پہلے اختلاف سے بدتر ہے۔ اگرچہ شیعہ اور سنی، حنفی اور وہابی اور دوسرے ایسے جھگڑوں کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی رائے سے مجھے اختلاف ہے اور میں آپ سے عرض کر سکتا ہوں کہ شیعہ اور سنی اور حنفی اور وہابی اسی طرح یکجا نماز نہیں پڑھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات ازدواج قائم نہیں کرتے جیسے احمدی اور غیر احمدی۔ تاہم اس دلیل کو ترک کرکے میں علامہ ممدوح سے استصواب کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کیوں چودھری ظفر اللہ خان کے تقرر کے بعد ان کی محبت ختم رسل (فداہ ابی و امی) میں جوش آیا اور کیوں اس سے پہلے وہ اس

میدان میں نہ اُترے حالانکہ اس فتنہ کی عمر کشمیر کمیٹی اور چودھری صاحب کے تقرر سے کوئی تیئس سال کے قریب زیادہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ چودھری صاحب کے رُکن پنجاب کونسل منتخب ہونے کے وقت یا اُن کے سائمن کمیٹی کا ممبر منتخب ہونے پر یا اُن کے اوّل مرتبہ سر فضل حسین کی جگہ مقرر ہونے پر یا مرزائیوں کی متعدد دیگر تحریکات کے زمانہ میں آپ نے اِس گروہ کے خلاف علمِ جہاد بلند نہ کیا۔"

روزنامہ حق لکھنؤ نے ۲۷ر جون ۱۹۳۵ء کے لیڈنگ آرٹیکل میں لکھا:۔

"ہم کو ڈاکٹر سر محمد اقبال سے اِس حد تک پورا پورا اتفاق ہے کہ احمدیوں اور عام مسلمانوں میں اعتقادات کا بہت بڑا اختلاف ہے اور اگر اِس اختلاف کو شدّت پسندی کی نظر سے دیکھا جائے تو بعض صورتوں میں مذہبی اعتبار سے احمدی جماعت اور عام مسلمانوں کے درمیان اتحادِ عمل ناممکن سا نظر آتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ احمدیوں کو قطع نظر کر کے کیا اسی قسم کے اختلاف اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع میں کارفرما نہیں ہیں۔ کیا یہی تضاد اہلِ سنّت کی مختلف العقیدہ جماعتوں میں نہیں ہے؟ وہابی اور حنفی، بریلوی اور دیوبندی اسی طرح

مختلف اسکول ہر جماعت میں موجود نہیں ہیں، ان میں کی
ہر شاخ دوسری شاخ کو اپنے نقطۂ نظر سے مرتد اور کافر
گردانتی ہے اور بطور مدبرینِ فرنگ کے یہ تو مسلمانوں کا
ایک عام مشغلہ ہے کہ اُن میں کا ہر فرد دوسرے کو نہایت
آسانی سے کافر کہہ دیتا ہے۔ خیر یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے
کہ کون مومن ہے اور کون کافر لیکن اِس تمام اختلاف کو
دیکھتے ہوئے سب سے زیادہ محفوظ صورت یہ ہے کہ ہم ہر
کلمہ گو کو مسلمان سمجھیں جو خدا کو ایک اور محمد رسول اللہؐ کو
اس کا محبوب اور رسول سمجھتا ہو۔ اگر مسلمان کی تعریف صرف
یہی تسلیم کر لی جائے تو جس طرح ایک حنفی کو، ایک وہابی کو،
ایک مقلد کو، ایک غیر مقلد کو، ایک دیوبندی کو، ایک بریلوی
کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اسی طرح احمدیوں کو بھی دائرہ
اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور کسی کو غیر مسلم کہنے
کہنے کا ہم کو حق ہی کیا ہے جب وہ خود اس پر مُصر ہو کہ ہم مسلمان
ہیں۔ اگر ہم اس کو مسلمان نہ بھی سمجھیں تو ہمارے اس نہ سمجھنے
سے کیا ہو سکتا ہے اس کا عمل خود اس کے قول سے تسلیم
کیا جائے گا"

سر اقبال کا ایک سوال

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے نبوتِ
مسیح موعود کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیغمبر خیز قوت کا ثبوت ہونے کی تردید میں سر اقبال کا ایک سوال ذیل کی عبارت میں درج کیا ہے :-

"خود بانی احمدیت کا استدلال جو قرونِ وسطیٰ کے متکلمین کے لئے زیبا ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا نبی نہ پیدا ہو سکے تو پیغمبر اسلام کی روحانیت نامکمل رہ جائیگی۔ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی روحانیت میں پیغمبر خیز قوت تھی خود اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے۔ لیکن آپ اس سے دریافت کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے ؟ تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ یہ خیال اس بات کے مترادف ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں۔ میں آخری نبی ہوں۔" (قادیانیت صـ۱۸۶)

الجواب :- مندرجہ بالا اقتباس کا منطقی تجزیہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علامہ اقبال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیغمبر خیز قوت پایا جانے کے منکر ہیں۔ اور انکار کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر بانیٔ احمدیت کی نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبر خیز قوت کا ثبوت تسلیم کیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نبی پیدا کرنے کی صلاحیت سے انکار کیا جائے تو بانیٔ احمدیت آخری نبی قرار پاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں رہتے۔

مگر میں کہتا ہوں اقبال صاحب نے غور نہیں فرمایا کہ اگر ایک سے زیادہ

نبی پیدا کرنے کی صلاحیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی جو نبی اس صلاحیت سے سب سے آخر میں پیدا ہو گا اس پر بھی تو یہ اعتراض وارد ہو گا کہ وہ آخری نبی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطلق آخری نبی نہیں رہتے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ خاتم النبیین کے معنی محض آخری نبی نہیں بلکہ اس کے معنی جامع کمالاتِ انبیاء اور انبیاء کے لئے مؤثر وجود کے ہیں اور لزوماً اس کے معنی آخری تشریعی نبی، شریعت کاملہ اور مستقلہ لانے والے کے ہیں نہ کہ مطلق آخری نبی کے۔ واضح ہو کہ بانیٔ احمدیت کی دلیل کا پہلا مقدمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت خیز قوت موجود ہے کیونکہ آپؐ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بمعنی نبی تراش قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۹۷)

ہمارے نزدیک بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے استدلال کا یہ مقدمہ بالکل صحیح ہے اور علامہ اقبال کا اس مقدمہ کو تسلیم نہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کے منافی ہے اور آپؐ کی صریح تنقیص ہے۔ کیونکہ ایک اعلیٰ قوت کے ہونے کے مقابلہ میں اس قوت کی نفی تنقیص شان کا باعث ہو گی نہ کہ عظمتِ شان کا۔

علامہ اقبال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قوت کی نفی ظاہر کرنے کے لئے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ قوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے تو پھر ایک ہی نبی کیوں پیدا ہوا جو خود بانیٔ احمدیت ہیں۔ ہم علامہ صاحب کے اس مقدمہ کو درست نہیں مانتے جس پر موصوف نے اپنے استدلال کی عمارت

کھڑی کی ہے۔ کیونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کا مرکزی نقطہ ہیں اور مرکز سے محیط تک جتنے خطوط بھی ہیں ان میں جس قدر انبیاء و اولیاء پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔ ان سب کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بطور علّتِ غائی مؤثر ہے۔ چنانچہ آپ سرمہ چشم آریہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بجز ایک نقطہ مرکز کے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔ ناقل) اور جس قدر نقاطِ وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء و رسل و اربابِ صدق و صفا بھی شریک ہیں۔ اور نقطۂ مرکز اس کمال کی صورت ہے جو صاحبِ وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ و ارفع و اخص و ممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہاں اتّباع اور پیروی سے ظلّی طور پر شریک ہو سکتا ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ دراصل اسی نقطۂ وسطی کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائقِ عالم کا منبع و اصل ہے اور درحقیقت اسی ایک نقطہ سے خطِ وتر انبساط و امتداد پذیر ہُوا اور اسی نقطہ کی روحانیت تمام خطِ وتر میں ایک ہویت ساریہ ہے جس کا فیضِ اقدس اس سارے خط کو تعین بخش ہو گیا ہے۔ .... غرض سرچشمۂ رموزِ غیبی و مفتاحِ کنوزِ لاریبی اور انسانِ کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے۔ اور تمام اسرارِ مبدء و معاد

کی علّتِ غائی اور ہر ایک زیر و بالا کی پیدائش کی لمّیت یہی ہے۔ جس کے تصوّر بالکنہ اور تصوّر بکنہہ سے تمام عقول و افہام بشریہ عاجز ہیں۔ اور جس طرح ہر ایک حیات خدا تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر ایک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر ایک تعیین اس کی تعیین سے خلعت پوش ہے۔ ایسا ہی نقطۂ محمدیہ جمیع مراتبِ اکوان و حظائرِ امکان میں باذنہ تعالیٰ حسب استعداداتِ مختلفہ و طبائع متفاوتہ مؤثر ہے۔" (سرمہ چشم آریہ ایڈیشن قدیم صـ۲۲۰ تا صـ۲۲۳)

اس عبارت سے لاعلمی کی بنا پر علامہ اقبال نے یہ خیال کر لیا کہ بانیٔ احمدیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبر خیز قوّت کے ثبوت میں صرف اپنا ہی وجود پیش کرتے ہیں اور وہ اس امر سے ناواقف رہے کہ بانیٔ احمدیت تو آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک کے لئے تمام انبیاء و اولیاء کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطۂ نفسی کو بطور علّتِ غائی کے مؤثر قرار دیتے ہیں۔ پس الٰہی سکیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت سے خاتم النبیین ہیں جبکہ ابھی آدمؑ کا خمیر اُٹھ رہا تھا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

كُنْتُ عِنْدَ اللّٰهِ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ مُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ ۔ (کنز العمال)

یعنی میں اُس وقت بھی اللہ کے حضور خاتم النبیین تھا جبکہ آدم ابھی گیلی مٹی میں لت پت تھا۔

لہذا آپؐ کا خاتم النبیین ہونا بطور علّتِ غائی کے تمام انبیاء کے ظہور میں مؤثر رہا ہے خواہ وہ انبیاء تشریعی تھے یا غیر تشریعی۔

پس علامہ اقبال کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبر خیز قوت کے ثبوت میں بانیٔ احمدیت نے صرف اپنے وجود کو ہی پیش کیا ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بانیٔ احمدیت علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کو تمام انبیاء کے ظہور میں مؤثر قرار دیا ہے۔ آیت خاتم النبیین کا سیاق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی شان کا مظہر ہے۔ کیونکہ اس سیاق کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو الانبیاء کے مفہوم میں خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ آیت کے پہلے حصے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں گویا آپؐ کی اُبوّتِ جسمانی کی بالغ نرینہ اولاد کی رُو سے نفی کی گئی ہے اور اس کے بعد مثبت جملوں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ سے آپؐ کی روحانی اُبوّت کا اس طرح اثبات کیا ہے کہ رسول ہونے کے لحاظ سے آپؐ کو اُمّت کا باپ اور خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے انبیاء کا باپ قرار دیا گیا ہے۔ یہی تفسیر اس آیت کی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں کی ہے پس علامہ اقبال کی دلیل کا مقدمہ باطل ہوا۔ اور ثابت ہوگیا کہ خاتم النبیین کی تاثیر قدسیہ کے ثبوت میں بانیٔ احمدیت نے صرف اپنا وجود ہی پیش نہیں کیا بلکہ تمام انبیاء کو پیش

کیا ہے۔

علامہ اقبال کا یہ خیال کہ بانیٔ احمدیّت کے بعد اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے کوئی نبی پیدا نہ ہو تو بانیٔ احمدیت آخری نبی بن جاتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں رہتے ـــــ اس نتیجہ کے پیدا کرنے میں بھی علامہ اقبال ایک غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع آخری غیر تشریعی اُمتی نبی کا وجود خواہ وہ کوئی بھی ہو ہرگز حقیقی خاتم النبیین قرار نہیں پاتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین محض آخری نبی کے معنوں میں نہیں۔ کیونکہ آخریّت خاتم النبیین کے حقیقی معنی کو جو نبیوں کے لئے مؤثر وجود ہونے کے معنی میں اس مفہوم میں لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شریعت تامہ کاملہ مستقلہ لانے والے نبی ہیں جس کا عمل قیامت تک رہے گا۔ ان معنوں میں نہ بانیٔ احمدیت آخری نبی ہو سکتے ہیں اور نہ تا قیامت کوئی اور شخص۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اپنی تمام حیثیت حاصلہ کے ساتھ ہیں نہ کہ اس حیثیتِ حاصلہ کو نظر انداز کر کے صرف آخری نبی۔ پس کسی نبی کا صرف آخری اُمتی نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی حیثیتِ حاصلہ کے ساتھ آخری نبی ہونے کی صفت کو نہیں چھینتا بلکہ اس کا آخری اُمتی نبی ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان اور آپ کے آخری شارع نبی ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

پس علامہ اقبال کا یہ سوال احمدیہ لٹریچر سے ناواقفی کا نتیجہ ہے اور مولوی ابوالحسن صاحب بھی ان کی تقلید میں ناواقفی سے غلط فہمی کا شکار ہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۶ کے فٹ نوٹ میں سیاق عبارت سے علیحدہ کر کے حضرت بانیٔ احمدیت علیہ السلام کی ایک عبارت خطبہ الہامیہ سے مع ترجمہ بزعم خود علامہ اقبال کی تائید میں پیش کی ہے۔ وہ عبارت مع ترجمہ از خطبہ الہامیہ یہ ہے:۔

"فَكَانَ خَالِيًا مَوْضِعُ لَبِنَةٍ أَعْنِي الْمُنْعَمَ عَلَيْهِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُّتِمَّ النَّبَاءَ وَيُكْمِلَ الْبِنَاءَ بِاللَّبِنَةِ الْأَخِيْرَةِ أَيُّهَا النَّاظِرُوْنَ۔" (ص ۱۱۲)

ترجمہ۔ "اور اس عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی یعنی منعم علیہم پس خدا نے ارادہ فرمایا کہ اس پیشگوئی کو پورا کرے اور آخری اینٹ کے ساتھ بناء کو کمال تک پہنچاوے۔ پس میں وہی اینٹ ہوں۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس کے سیاق میں آپ کسی پیشگوئی کا ذکر کر رہے ہیں جس کا تعلق منعم علیہم کے اس زمانہ میں ظہور سے تھا۔ اور پھر اپنے ذریعہ اس پیشگوئی کی عمارت کی تکمیل بطور آخری اینٹ کے قرار دے رہے ہیں۔ اس سے پہلی عبارت کا جب مطالعہ کیا جائے تو اس سے ظاہر ہے کہ اس جگہ آپ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی دعا سے جو سورۃ فاتحہ میں مذکور ہے ایک پیشگوئی کا استنباط فرمایا ہے جس کا یہ مفہوم ہے کہ اس میں آخری زمانہ میں منعم علیہم اور المغضوب علیہم اور الضالین کی خبر دی گئی تھی۔ پھر بتایا ہے کہ مسلمانوں میں جب مغضوب علیہم اور الضالین کے دونوں گروہ پیدا ہو چکے

تو اب میرے ذریعہ منعم علیہم کا گروہ بھی ظاہر ہو گیا ہے اور میں اس خبر کے پورا ہونے پر اس کی عمارت کی تکمیل کے لئے بمنزلہ آخری اینٹ کے ہوں۔ یعنی اب میرے ظہور سے یہ پیشگوئی علیٰ وجہ الکمال پوری ہو گئی ہے۔ اس عبارت کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ میں اس اُمت میں آخری اُمتی نبی ہوں اور میرے بعد کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت میں مقام نبوت نہیں پا سکتا۔ چنانچہ خطبہ الہامیہ کے بعد کی کتاب لیکچر سیالکوٹ میں آپ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر میں یہی تحریر فرماتے ہیں:۔

"لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کے لئے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقتٍ آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ" (لیکچر سیالکوٹ ایڈیشن اوّل صـ۳۱)

نیز اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں اپنے تئیں محمد اور احمد کے نام سے متصف ہو کر آیت آخرین منھم کا بطور بروز مصداق قرار دیتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں۔"

اِن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آپؑ کے نزدیک آنحضرتؐ کے بعد وقتاً فوقتاً بروزی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ظل مقامِ نبوت پا سکتا ہے۔ لہٰذا آپؑ اِن معنوں میں اپنے آپ کو کبھی آخری نبی قرار

نہیں دے سکتے جس کے بعد کسی بروزی اور ظلّی نبی کا امکان نہ ہو۔ پس خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲ پر اپنے تئیں آخری اینٹ اِن معنوں میں قرار دے رہے ہیں کہ آپ منعم علیہم گروہ کا اس زمانہ میں اکمل فرد ہیں۔ چنانچہ مولوی ابوالحسن صاحب کی طرف سے پیش کردہ عبارت سے دو سطر بعد آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"اِنِّیْ جُعِلْتُ فَرْدًا اَکْمَلَ مِنَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَلَا فَخْرَ وَلَا رِیَاءَ وَاللّٰہُ فَعَلَ کَیْفَ اَرَادَ وَشَاءَ۔" (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲)

کہ میں اس آخری زمانہ میں منعم علیہم گروہ کا فرد اکمل بنادیا گیا ہوں اور اس بیان میں کوئی فخر اور نمائش نہیں۔ اللہ نے جیسا چاہا کر دیا۔"

پس منعم علیہم کی آخری اینٹ سے مراد خطبہ الہامیہ کی عبارت میں منعم علیہم کا اکمل فرد ہے۔ اسی طرح خطبہ الہامیہ میں آپ نے لکھا ہے :-

"اَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ لَا وَلِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا الَّذِیْ ھُوَ مِنِّیْ وَعَلٰی عَھْدِیْ ۔" (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵)

کہ میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں۔ سوائے اس کے جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہو۔"

پس آپ نے اپنے تئیں اُمتِ محمدیہ میں خاتم الخلفاء اور سلسلہ محمدیہ کا آخری خلیفہ بھی قرار دیا ہے مگر ان معنوں میں نہیں کہ خلافت منقطع ہو گئی

ہے بلکہ یہ معنی مراد ہیں کہ اب آئندہ خلافت کے لئے آپ واسطہ ہونگے۔ چنانچہ آپ لیکچر سیالکوٹ میں فرماتے ہیں :-

"چونکہ یہ آخری ہزار ہے اسلئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو۔ اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظل کے ہو"

(لیکچر سیالکوٹ ایڈیشن اول صفحہ)

مولوی محمد علی صاحب پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ایک بیان کو جس میں ہزاروں انبیاء کے امکان کا ذکر ہے قابل اعتراض قرار دیا تھا۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کے اس بیان پر کہ

"اگر اسلام کو کُل ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ سچا ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آسکتا کہ ہزاروں نبی اپنی اپنی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ لئے پھرتے ہوں"

حاشیہ میں اپنے ایک نوٹ میں مولوی محمد علی صاحب پر چوٹ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"میاں صاحب (یعنی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ۔ ناقل) اس عقیدہ کے مصنف یا موجد نہیں۔ انہوں نے تو صرف مرزا صاحب کی ترجمانی کی ہے" (قادیانیت صفحہ ۱۹۰)

اس حاشیہ سے ظاہر ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب یہ جانتے ہیں کہ

حضرت بانیٔ احمدیت علیہ السلام نے اپنے بعد بھی انبیاء کے آنے کو ممکن قرار دیا ہے۔ لہٰذا مولوی ابوالحسن صاحب نے اپنے پچھلے بیان میں "آخری اینٹ" کے الفاظ علامہ اقبال کے اس امر کی تائید میں پیش کئے ہیں کہ بانیٔ احمدیت اپنے بعد کسی اَور نبی کا امکان نہیں مانتے اور اپنے آپ کو آخری نبی جانتے ہیں۔ اس کی تردید تو مولوی ابوالحسن صاحب کے اس حاشیہ سے ہی ہو جاتی ہے۔ اور اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ جان بوجھ کر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے خلاف یہ غلط الزام دے رہے تھے کہ آپؑ اپنے آپ کو آخری نبی جانتے ہیں اور اپنے بعد کسی نبی کے آنے کی نفی کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کو اُمتی انبیاء کا امکان تسلیم کرنے پر تو الگ ٹولیاں بن جانے کے خیال سے اعتراض ہے لیکن خود انہوں نے غیر نبی ہوتے ہوئے خلافتِ احمدیہ کا انکار کر کے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد اور اپنی الگ ٹولی بنانے سے احتراز نہیں کیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اقتباس

مولوی ابوالحسن صاحب اپنی کتاب کے صہ۱۹۲ پر براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ۱۸۳ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذیل کا اقتباس "ایک غلط مفروضہ" کے عنوان کے تحت درج کرتے ہیں کہ :-

"ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا

قوتِ قدسیہ الٰہی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کے دعوے
کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں اور خدا تعالیٰ
اپنے مکالمات و مخاطبات سے ان کی آنکھیں نہ کھولے۔
یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے
کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ
ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس
کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا
مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ
کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں قصے ہیں اور کوئی اگرچہ اس راہ
میں اپنی جان بھی فدا کرے۔ اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے
اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کرے تب بھی وہ اس پر اپنی
شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات
سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ
بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام
شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی اور میں یقین رکھتا ہوں
کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔"

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا مسیح موعودؑ کے اقتباس پر اعتراض

مولوی ابوالحسن صاحب

ندوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ اقتباس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”مرزا صاحب نے مکالمات اور مخاطبات الہٰیہ کو معرفت و نجات اور صداقت و حقانیت کی شرط قرار دیکر اُس مذہب کو جس کو اللہ تعالیٰ نے سہل اور ہر شخص کے لیے قابلِ عمل قرار دیا تھا اس کو نہایت مشکل اور محدود بنا دیا ہے۔“

(قادیانیت صفحہ ۱۹۳)

اس کے بعد مولوی ابوالحسن صاحب لکھتے ہیں:۔

”مکالمہ الہٰیہ کو ہدایت اور فلاح کی شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کے برعکس ایمان بالغیب کو ہدایت کی پہلی شرط قرار دیا گیا ہے اور ایمان بالغیب کا مفہوم ہی یہ ہے کہ نبی کے اعتماد پر (جس کو اللہ تعالیٰ اجتبائی طور پر مکالمۂ الہٰی کے لئے انتخاب کرتا ہے) غیبی حقائق کو جو تنہا عقل اور حواس ظاہری کی مدد سے معلوم نہیں کئے جا سکتے تسلیم کیا جائے۔ اگر مرزا صاحب کا ارشاد تسلیم کر لیا جائے کہ مکالمۂ الہٰی معرفت و نجات کے لئے شرط ہے تو ایمان بالغیب کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اس پر قرآن مجید کا اصرار سمجھ میں نہیں آتا۔“

(قادیانیت صفحہ ۱۹۵)

پھر آگے چل کر صحابہ کرامؓ کے متعلق لکھا ہے:۔

"کوئی شخص جو اس دور کی تاریخ اور اس جماعت کے مزاج وحالات بلکہ انسانی طبائع اور نفسیات سے واقف ہے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایک لاکھ سے متجاوز اس قدسی جماعت کو مکالمہ مخاطبۂ خداوندی حاصل تھا۔ جب صحابہ کرام کا یہ حال تھا تو بعد کے لوگوں کا کیا ذکر۔"

(قادیانیت صفحہ ۱۹۵)

الجواب) مولوی ابوالحسن صاحب کی طرف سے قرآن مجید میں شریعت تامہ کاملہ کے نازل ہو جانے کے بعد مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے انکار سخت قابلِ تعجب ہے۔ اس اقتباس سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا یہ مقصد نہیں کہ ہر مسلمان کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف کیا جانا ضروری ہے بلکہ آپ نے ایسے لوگوں کے لئے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف کیا جانا ضروری قرار دیا ہے جو خدا کی رضا جوئی میں فنا ہو جائیں اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کر لیں۔ دوسرے لوگ اس شخص کے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے بالواسطہ فائدہ اٹھا کر اپنے ایمان کو تازہ کریں گے۔ آپ نے نجات کے لئے ہر شخص کے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرنے کی شرط نہیں لگائی کہ اس سے اسلام جیسے سہل دین کا نجات پانے کے لئے مشکل ہونا لازم آجائے۔ آپ نے صاف طور پر فرما دیا ہوا ہے کہ:-

زندہ مذہب وہ ہے جس کے ذریعہ خدا ملے۔ زندہ خدا وہ

ہے جو ہمیں بلا واسطہ ملہم کر سکے اور کم از کم ہم بلا واسطہ ملہم کو دیکھ سکیں۔ سوئم میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ص ۱۵)

اس اقتباس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے نزدیک نجات پانے کے لئے ہر شخص کا مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ سے براہِ راست مشرف ہونا ضروری نہیں۔

خدا تعالیٰ کا متکلم ہونا اس کی ایک ازلی صفت ہے اسلئے یہ عقیدہ سراسر باطل ہے کہ کسی زمانہ سے خدا تعالیٰ کی یہ صفت بالکل معطل ہو جائے۔ اگر وہ پہلی اُمتوں میں اپنی محبت سے سرشار اور دین کے لئے قربانیاں دینے والوں کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشتا رہا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ شریعتِ محمدیہ پر چلنے والوں اور خدا کی محبت میں فنا ہو جانے والوں کو اپنی ہمکلامی کے شرف سے محروم رکھے۔ جبکہ شریعتِ محمدیہ ایک زندہ شریعت ہے اور قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ اس عقلی دلیل کے علاوہ واقعات کی طرف سے بھی آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں۔ اُمتِ محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں اولیاء اللہ گزرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف رہے۔ خدا تعالیٰ تو بنی اسرائیل کی عورتوں پر وحی نازل فرماتا رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بالکل اس نعمت سے محروم کر دے۔ اور اس شخص کو بھی اس سے محروم رکھے جس نے اپنے تئیں اس کی محبت میں محو کر رکھا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جو وحی ہوئی اس کا قرآن مجید میں ان الفاظ میں ذکر موجود ہے :-

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

(سورۃ القصص آیت ۸)

ترجمہ- اور ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلا اور جب تجھے اس کے بارہ میں ڈر ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور ڈر نہیں اور غم نہ کر- ہم اس کو تیری طرف لوٹا لائیں گے اور اسکو رسولوں میں سے ایک رسول بنائیں گے-

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام سے خدا تعالیٰ فرشتہ کے ذریعہ ہمکلام ہوا- اور فرشتہ نے اسے کہا- اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ○ (سورہ مریم آیت ۱۱) یعنی میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دوں-

پس جب پہلی اُمتوں میں ایسا مکالمہ جو امور غیبیہ پر مشتمل ہو ضروری تھا تو اُمتِ محمدیہ میں اس کی ضرورت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟ اُمتِ محمدیہ میں ہزاروں اولیاء مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت سے سرفراز ہوئے ہیں- ان کے الہامات کی بعض مثالیں بطور نمونہ ہم نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ پر درج کی ہیں جو سب قرآنی آیات پر مشتمل ہیں جو ان بزرگوں پر الہاماً نازل ہوئیں-

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں :-

اِنَّ کَلَامَ اللّٰہِ قَدْ یَکُوْنُ شَفَاھًا وَذَالِکَ لِاَفْرَادٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ وَ قَدْ یَکُوْنُ لِبَعْضِ الْکُمَّلِ مِنْ مُّتَابِعِیْھِمْ ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں سے بالمشافہ کلام کرتا ہے اور یہ لوگ انبیاء ہوتے ہیں اور کبھی انبیاء کے بعد ان کے کامل متبعین سے بھی اس طرح کلام کرتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں :-

وَاِذَا کَثُرَ ھٰذَا الْقِسْمُ مَعَ وَاحِدٍ مِّنْھُمْ سُمِّیَ مُحَدَّثًا ۔

یعنی جب انبیاء کے کسی کامل متبع سے خدا تعالیٰ اس قسم کا کلام بکثرت کرتا ہے تو اس کا نام محدّث یعنی مکلّم مِنَ اللہ رکھا جاتا ہے۔

پھر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :-

"ہمچنانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آں علم را از وحی حاصل مے کرد۔ ایں بزرگواران بطریق الہام آں علوم را از اصل اخذ مے کنند۔ علماء ایں علوم را از شرائع اخذ کردہ بہ طریق اجمال آوردہ اند۔ ہماں علوم چنانکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

حاصل بود تفصیلاً و کشفاً ایشاں را نیز بہماں وجوہ حاصل میشود اصالت و تبعیت درمیان است بہ ایں قسم کمال اولیاء کُمّل بعضے از ایشاں از قرونِ متطاولہ و ازمنۂ متباعدہ انتخاب مے فرمائند۔ (مکتوبات جلد اول)

ترجمہ۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ علوم وحی سے حاصل کرتے تھے یہ بزرگوار الہام کے ذریعہ وہی علوم اصل یعنی خدا تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں اور عام علماء ان علوم کو شریعتوں سے اخذ کر کے بطریق اجمال پیش کرتے ہیں۔ وہی علوم جس طرح انبیاء کو تفصیلاً و کشفاً حاصل ہوتے ہیں ان بزرگوں کو بھی انہی طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ دونوں کے علوم کے درمیان صرف اصالت اور تبعیت کا فرق ہوتا ہے۔ ایسے باکمال اولیاء میں سے بعض کو صدیوں اور لمبا زمانہ گزرنے پر انتخاب کیا جاتا ہے۔

حضرت سید اسمٰعیل صاحب شہید رح اپنی کتاب منصبِ امامت میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"باید دانست از انجملہ الہام است ہمیں الہام کہ بانبیاء ثابت است آں را وحی گویند و اگر بغیر ایشاں ثابت مے شود اورا تحدیث مے گویند و گاہے در کتاب اللہ مطلق الہام را خواہ بانبیاء ثابت مے شود خواہ باولیاء اللہ وحی

ہے نامسند۔" (منصب امامت ص۳۱)

ترجمہ۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک الہام بھی ہے۔ یہ الہام جو انبیاء کو ہوتا ہے اسے وحی کہتے ہیں اور جو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو ہوتا ہے اس کو تحدیث کہتے ہیں۔ کبھی مطلق الہام کو خواہ انبیاء کو ہو یا اولیاء کو قرآن مجید کی رُو سے وحی کہتے ہیں۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے اولیاء اللہ کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت سے محروم نہیں کیا گیا۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے محروم تصور نہیں کیا جا سکتا۔ گو اُن کے الہامات محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا پھر بھی بعض الہامات ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ضرور پتہ لگ جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو بھی خدا کی ہمکلامی کا شرف ضرور عطا کیا گیا تھا۔

الہامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکرؓ کتاب اللمع میں لکھا ہے:۔

كَانَتْ لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَارِيَةٌ حُبْلٰى فَقَالَ أُلْقِيَ فِيْ رَوْعِيْ أَنَّهَا أُنْثٰى فَوَلَدَتْ أُنْثٰى۔

(کتاب اللمع لابی نصر عبد اللہ علی السراج الطوسی باب ذکر ابی بکر الصدیقؓ ص۱۲۳)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لونڈی حاملہ تھی، فرماتے ہیں مجھے الہام ہوا کہ حمل میں لڑکی ہے تو اس نے لڑکی جنی۔

حضرت عمر بن الخطابؓ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص کو ایرانیوں سے جنگ کے دوران جو تحریری فرمان بھجوایا اس میں یہ درج تھا کہ مجھے القاء ہوا ہے کہ تمہارے مقابلہ میں دشمن کو شکست ہوگی۔

(الوثائق العباسیہ مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی فرمان بنام سعد بن ابی وقاصؓ ص۳۰)

حضرت علیؓ

(الف) كَانَ عَلِيٌّ وَالفضلؓ يَغسِلَانِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَنُودِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنهُ اِرفَعْ طَرْفَكَ اِلَى السَّمَاءِ۔

(الخصائص الكبرٰى للسيوطي جلد۲ ص۲۷۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور الفضلؓ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے رہے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آواز آئی کہ اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھا۔

حضرت علیؓ معہ دیگر صحابہؓ

(ب) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت لما ارادوا غُسلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالُوا وَاللهِ لَا نَدرِي أَنُجَرِّدُ رَسُولَ اللهِ عَن ثِيَابِهِ كَمَا نُجَرِّدُ مَوتَى أَم نَغسِلُهُ وَعَلَيهِ ثِيَابُهُ فَلَمَّا

اِخْتَلَفُوْا اَلْقَی اللّٰہُ عَلَیْھِمُ النَّوْمَ حَتّٰی مَا مِنْھُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَ ذَقْنُہٗ فِیْ صَدْرِہٖ ثُمَّ کَلَّمَھُمْ مُکَلِّمٌ مِنْ نَاحِیَۃِ الْبَیْتِ لَا یَدْرُوْنَ مَنْ ھُوَ اَنْ اغْسِلُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْہِ ثِیَابُہٗ۔

اخرجہ ابوداؤد والحاکم والبیھقی وحلیۃ ابونعیم۔

(الخصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۲ ص ۲۷۵)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ جب صحابہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتار لیں جیسا کہ ہم مُردوں کے کپڑے اتار لیتے ہیں یا آپؐ کو آپؐ کے کپڑوں میں ہی غسل دیں۔ پس جب انہوں نے اختلاف کیا تو خدا نے سب پر نیند وارد کر دی یہاں تک کہ ان میں سے کوئی آدمی نہ رہا مگر اس کی ٹھوڑی اس کے سینے کو جا لگی۔ پھر ان سے ایک کلام کرنے والے نے گھر کے ایک طرف سے کلام کی۔ صحابہؓ نے نہ جانا کہ وہ کون ہے۔ اس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو۔ (اس روایت کی تخریج ابوداؤد، الحاکم اور بیہقی نے کی ہے اور ابونعیم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

حضرت ابیؓ بن کعبؓ | عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ

لَاَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ فَلَاُصَلِّيَنَّ وَلَاَحْمَدَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بِمَحَامِدٍ لَمْ يَحْمِدْ بِهَا اَحَدٌ فَلَمَّا صَلّٰى وَجَلَسَ يَحْمِدُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ اِذَا هُوَ بِصَوْتٍ عَالٍ مِنْ خَلْفٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْمُلْكُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ عَلَانِيَتُهٗ وَسِرُّهٗ لَكَ الْحَمْدُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اِغْفِرْلِيْ مَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِيْ وَاعْصِمْنِيْ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عُمْرِيْ وَارْزُقْنِيْ اَعْمَالًا زَاكِيَةً تَرْضٰى بِهَا عَنِّيْ وَتُبْ عَلَيَّ۔ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَصَّ عَلَيْهِ فَقَالَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(روح المعانی جلد ۔ ص۲۲ زیر تفسیر آیت خاتم النبیین)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے ابی بن کعب نے کہا میں مسجد میں ضرور داخل ہوں گا پھر ضرور نماز پڑھونگا اور ضرور اللہ تعالیٰ کی ایسے محامد کے ساتھ حمد کروں گا کہ کسی نے ایسی حمد نہ کی ہو۔ جب انہوں نے نماز پڑھی اور خدا کی حمد کرنے کے لئے بیٹھ گئے تو ناگاہ انہوں نے پیچھے سے ایک شخص کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا۔ اے اللہ سب حمد تیرے لئے ہے، ملک تیرا ہے، سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے

سب امور کا مرجع تو ہے خواہ وہ امور ظاہری ہوں یا باطنی حمد تیرے لیے ہی ہے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے میرے گزشتہ گناہوں کو معاف کر دے اور مجھے باقی عمر محفوظ رکھ اور مجھے اپنے پاکیزہ اعمال کی توفیق دے کہ تو ان کے ذریعہ مجھ سے راضی ہو جائے مجھ پر رحمت سے رجوع کر۔ پھر ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔

عبداللہ بن زید بن عبد ربہ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو رؤیا میں اذان سکھائی گئی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو بھی۔ (مشکوٰۃ باب الاذان)

نمونے کے طور پر مندرجہ بالا حوالہ جات ہی کافی ہیں۔ بس صحابہ رضی اللہ عنہم الہام کی نعمت سے محروم نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (انفال ۱۲) یعنی جب تیرا رب ملائکہ کی طرف وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم مومنوں کو ثابت قدم بناؤ۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جہاد کے موقعہ پر اس میں شامل ہونے والے تمام صحابہؓ پر ملائکہ کا نزول ہوا اور انہوں نے وحی الہٰی کے مطابق مسلمانوں کو حوصلہ دلایا۔

مولوی ابوالحسن صاحب پر واضح ہو کہ اگر اُمتِ محمدیہ میں کسی زمانہ میں نبوت کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسیح نبی اللہ کے نزول کی پیشگوئی نہ فرماتے۔ اس پیشگوئی سے صاف ظاہر ہے کہ آخری زمانہ میں گمراہی اپنی انتہاء کو پہنچ جانے والی تھی تبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نبی کے مبعوث کیا جانے کی خبر دی۔ ہمارا یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جس میں دہریت اور ملحدانہ فلسفہ نشوونما پا رہا ہے۔ لہذا اگر خدا تعالیٰ کو کبھی زمانہ میں نبی کے بھیجنے کی ضرورت تھی تو اس زمانہ کے لئے ضرور ایک نبی کا بھیجا جانا مقدر ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں دہریت و الحاد بام عروج پر ہے اور ایسی اقوام عالم کو جو دہریت و الحاد کا شکار ہیں خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ حیاتِ آخرت پر انہیں یقین ہی حاصل نہیں۔ ایسے زمانہ کے لئے ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی بھیج کر اس کے ذریعہ آسمانی نشانات دکھا کر ان پر حجت پوری کی جاتی۔

مولوی ابوالحسن صاحب! بے شک ان مسلمانوں کے لئے ایمان بالغیب کافی تھا جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور جو آپ کے ذاتی چال چلن سے آگاہ تھے اور آپ کو صادق و امین جانتے تھے ان کے لئے یہ دلیل بھی آپ کی رسالت کے سچا ہونے کے لئے کافی تھی لیکن بعد والوں کے لئے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں ایمان بالغیب لانے کے لئے کچھ مزید دلائل بھی درکار تھے اور درکار ہیں۔

چنانچہ ایسے لوگوں کو معجزات و نشانات دکھائے گئے اور پھر اسلام میں مجددین کا ایک سلسلہ جاری فرما دیا گیا جو ہر صدی میں روشن دلائل اور آسمانی نشانوں کے ساتھ اسلام کی صداقت کی گواہی دیتے رہے ہیں ــــ ایمان بالغیب کے معنی بلا سوچے سمجھے مان لینا نہیں کیونکہ مومن Blind Faith نہیں رکھتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۔ کہ مومن وہ ہیں کہ جب انہیں اللہ کی آیات یاد دلائی جائیں تو اُن پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے یعنی ان کو سمجھ کر ان پہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان لاتے ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔ (سورہ یوسف : ۳۶)

اے نبی کہدو یہ میرا راستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میں اور میرے متبعین اس پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب! ایمان یقین سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے مان لینا ایمان بالغیب نہیں۔ ایمان بالغیب بھی بصیرت کو چاہتا ہے۔ اور بصیرت کے حصول کے لئے بھی کچھ ذرائع اور اسباب ہوتے ہیں۔ پھر یقین کا صرف ایک ذریعہ ایمان بالغیب ہی نہیں ایمان بالغیب

کی حد علم الیقین تک ہوتی ہے۔ اس کے بعد عین الیقین کا مرتبہ ہوتا ہے اور پھر حق الیقین کا۔ گو علم الیقین مومن کی نجات کا موجب ہو جاتا ہے مگر بعض کی علمی پیاس اس سے نہیں بجھتی تو وہ اپنے مجاہدات اور قربانیوں سے اگلی منزلِ علم کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی پیاس کو اللہ تعالیٰ اپنے مکالمہ مخاطبہ سے بجھاتا ہے اور پھر اُن کے ذریعہ دنیا کو روشن آسمانی نشانوں کے ذریعہ زندہ ایمان اور یقین بخشتا ہے۔ اور اس طرح لوگوں کا ایمان بالغیب گویا رُویت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

ارتقائے ذہنی کا جو فلسفہ علامہ اقبال نے پیش کیا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ہرگز درست نہیں کہ نوعِ انسانی کو اب الہام اور وحی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ باوجود ارتقائے ذہنی کے دنیا تو دہریت اور الحاد کی طرف جا رہی ہے۔ پس ارتقائے ذہنی کی وجہ سے اگر وحی کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے تو یہ امر دنیا میں دہریت اور الحاد کے بڑھنے کا موجب ہو گا نہ کہ دُور ہونے کا۔ پس اِس زمانہ کا انسان آسمانی مدد کے بغیر دہریت و الحاد کی دلدل سے نہیں نکل سکتا۔

شریعتِ اسلامیہ کے مآخذ اور تفسیر خاتم النبیین

شریعت اسلامیہ کے ماخذ قرآن مجید، سنتِ نبویؐ، احادیثِ نبویہؐ، اجماعِ اُمت اور قیاس ہیں۔ قیاس اُس وقت حجتِ شرعی بنتا ہے

جبکہ وہ کسی نص شرعی یعنی قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف نہ ہو بعض علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الہام الٰہی کو حجت قرار دیا ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے خاتم النبیین کے معنوں میں ڈاکٹر اقبال کے قیاس کو بار بار پیش کیا ہے۔ اور گویا اسے مسلمانوں کے سامنے بطور حجت شرعی کے پیش کیا ہے اور ان کے قیاس سے اتفاق کیا ہے مگر اسلام میں قیاس اس وقت حجت ہوتا ہے جبکہ کوئی مسئلہ قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت نہ ہو اور اس کا کسی اور شرعی جزوی پر قیاس کیا جائے۔ اگر قیاس قرآن و حدیث کی کسی نص کے خلاف ہو تو پھر وہ مسلمانوں کے لئے ہرگز حجت نہیں ہوتا خواہ وہ قیاس کسی امام اور مجتہد کا ہی کیوں نہ ہو۔

اس مسئلہ میں مولوی ابوالحسن صاحب نے بہت بڑی فروگذاشت سے کام لیا ہے۔ بلکہ ہم اس کو قرآن و حدیث سے بغاوت بھی قرار دیں تو اس میں حق بجانب ہیں۔

سیاق آیت خاتم النبیین کی تفسیر

سیاق آیت خاتم النبیین سے یہ امر ثابت ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو الانبیاء ثابت کرنا مقصود ہے۔ تو ولکن رسول اللہ کے جملہ سے آپ کو امت کا باپ قرار دیا گیا

ہے پھر یہی جملہ پر خاتم النبیین کا عطف کر کے پہلی حالت سے ترقی یافتہ
شان بیان کرنے کے لئے آپ کو ابو الانبیاء قرار دیا گیا ہے۔ غرض سب سے
پہلے جملہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نرینہ بالغ اولاد کی نفی کی گئی ہے۔ اور پھر ابتر
کے اعتراض کو دور کرنے کے لئے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ
سے بطور استدراک آپ کو معنوی اور روحانی لحاظ سے اُمت کا
بھی باپ قرار دیا گیا ہے اور نبیوں کا بھی باپ قرار دیا گیا ہے۔ اگر
لٰکِنْ سے پہلے جملہ منفی ہو جیسے اس آیت میں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ
اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کا جملہ ہے تو لٰکِنْ کے بعد کا جملہ ہمیشہ
مثبت مفہوم رکھتا ہے۔ لہٰذا خاتم النبیین کے معنی علی الاطلاق آخری
نبی قرار دینا منفی مفہوم پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ
آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ نہ مسیح اور نہ کوئی اور۔

مندرجہ بالا تفسیر کی تائید حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی
بانی دارالعلوم دیوبند کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

> "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں" —

> "عوام کے خیال میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
> خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر
> اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تأخر زمانی میں بالذات کچھ
> فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ
> وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔" (تحذیر الناس صفحہ ۳)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کے معنی محض "آخری نبی" عرف عوام الناس کے معنی ہیں نہ اہلِ فہم کے۔

اہلِ فہم کے معنی ان کے نزدیک یہ ہیں کہ :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بوصفِ نبوت بالذات ہیں اور سوا آپؐ کے اور نبی موصوف بوصفِ نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپؐ کا فیض ہے۔ مگر آپؐ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ اس طرح آپؐ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض جیسے آپ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی۔" (تحذیر الناس صـ۳-۴)

پھر آیت خاتم النبیین کے سیاق کو مطابق لغتِ عربی ملحوظ رکھ کر خاتم النبیین کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"جیسے خاتَم بفتح تاء کا اثر مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوگا (یعنی تمام انبیاء میں - ناقل) حاصل مطلب آیت کریمہ یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ (جسمانی نرینہ اولاد کا باپ ہونا۔ ناقل) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوتِ معنوی (روحانی باپ ہونا - ناقل) اُمتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی۔ انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصافِ معروض

(مثلاً اس جگہ دیگر انبیاء کی نبوتیں۔ ناقل) اور موصوف بالعرض (مثلاً اس جگہ دیگر انبیاء۔ ناقل) موصوف بالذات (اس جگہ خاتم النبیین۔ ناقل) کی فرع ہوتے ہیں اور موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کا اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل۔ ..... اور اِنتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے۔" (تحذیر الناس صفحہ ۱)

خاتم النبیین کے اِن سیاق والے معنی یعنی نبیوں کے لئے مؤثر وجود اور ابو الانبیاء کے پیشِ نظر لکھتے ہیں :۔

"اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیساکہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو افراد مقصود بالخلق میں مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں انبیاء کے افرادِ خارجی (انبیائے سابقین۔ ناقل) ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افرادِ مقدرہ (جن انبیاء کا آئندہ آنا تجویز ہو۔ ناقل) پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔" (تحذیر الناس صفحہ ۲۸)

پس اصل معنی خاتم النبیین کے انبیاء کے لئے مؤثر وجود ہوئے نہ کہ خاتمیت

زمانی بصورت آخری شریعتِ تامہ مستقلہ لانے کے جس کا عمل قیامت تک رہنے والا ہے۔ آپ آخری تشریعی نبی ہیں اور یہ مفہوم خاتم النبیین کے اصل معنی انبیاء کے لئے مؤثر وجود کو لازم ہے۔ اسلئے بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے پیدا ہونے کی صورت میں خاتمیت محمدیہ یعنی خاتمیت بالذات اور خاتمیت زمانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ جو نبی پیدا ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم بالذات کا اثر ہوگا۔ اور بوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری شریعتِ تامہ کاملہ مستقلہ الی یوم القیامۃ لانے والے نبی ہونے کے آپ کا ماتحت ہوگا اور آپ کا اُمّتی ہوگا۔ پس اُمّتی نبی کے پیدا ہونے میں آیت خاتم النبیین بلحاظ سیاقِ آیت ہرگز مانع نہیں۔

امام علی القاری علیہ الرحمۃ جو فقہ حنفیہ کے علمِ جلیل القدر امام ہیں آیت خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کی وضاحت میں لکھتے ہیں :-

اَلْمَعْنٰی اَنَّهٗ لَا یَاْتِیْ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَهٗ
وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ - (موضوعات کبیر ص۱۵۹)

کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملت (شریعت) کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ آیت خاتم النبیین غیر تشریعی نبی کی آمد میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی ہو مانع نہیں۔ پس آیت خاتم النبیین کے لحاظ

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لزوماً آخری تشریعی نبی قرار پائے نہ کہ مطلق آخری نبی۔

مگر امتی کے لئے غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بھی آیت خاتم النبیین کے رُو سے بند ہو جاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کبھی نہ فرماتے:۔

اَبُوْ بَکْرٍ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ۔

(کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق)

یعنی ابو بکرؓ اس اُمت میں افضل ہیں بجز اس کے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا ہو۔

اگر آیت خاتم النبیین اُمت میں نبی پیدا ہونے میں مانع ہوتی تو آنحضرتؐ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ کے الفاظ سے استثناء نہ فرماتے۔ بلکہ آیت خاتم النبیین کے نزول سے چند سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر صاحبزادہ ابراہیمؑ وفات پا گئے تو آپ نے فرمایا:۔

لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور صدیق نبی ہوتا۔

حضرت امام علی القاری علیہ الرحمۃ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ وَصَارَ نَبِيًّا وَكَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ تَعَالٰى خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔ (موضوعات کبیر ص۵۸)

یعنی اگر صاحبزادہ ابراہیمؑ زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اور اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہو جاتے تو دونو آپؐ کے متبعین میں سے ہوتے (یعنی بعد از نبوّت بھی متبع ہوتے۔ناقل) پس ان دونوں کا نبی ہو جانا آیت خاتم النبیّین کے خلاف نہ ہوتا۔[۱]

خلاف اسلئے نہ ہوتا کہ خاتم النبیّین کی آیت ناسخ شریعت غیر اُمتی نبی کے آنے میں مانع ہے جیساکہ اُوپیان کا قول موضوعات کبیر صفحہ ۵۹ سے درج ہوا ہے۔ وہ اُوپر والا قول فلا یناقض قولہ تعالیٰ خاتم النبیّین کے بعد کا ہے۔ جس کے ذریعہ بتایا ہے کہ ان کا نبی ہو جانا خاتم النبیّین کے مذکورہ معنوں کے خلاف نہ ہوتا۔کیونکہ وہ دونوں تابع نبی ہوتے

پھر حضرت عائشہ الصدیقہ معلّمہ نصف الدین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔

قُوْلُوْا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

(در منثور زیر آیت خاتم النبیّین)

کہ تم لوگ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اولیاء اللہ نے اسلام میں ایک قسم کی نبوّت کو جاری قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :۔

---

[۱] روایت بالا کی توثیق کے متعلق امام موصوف نے لکھا ہے کہ یہ تین طرق سے ثابت ہے جو ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔

اَلْمُقَرَّبُوْنَ مَقَامُهُمْ بَیْنَ الصِّدِّیْقِیَّةِ وَالنُّبُوَّةِ التَّشْرِیْعِیَّةِ وَهُوَ مَقَامٌ جَلِیْلٌ جَهِلَهٗ اَکْثَرُ النَّاسِ مِنْ اَهْلِ طَرِیْقَتِنَا کَاَبِیْ حَامِدٍ وَ اَمْثَالِهٖ لِاَنَّ ذَوْقَهٗ عَزِیْزٌ وَ هُوَ مَقَامُ النُّبُوَّةِ الْمُطْلَقَةِ۔ (فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صـ۱۱)

ترجمہ۔ کچھ مقربین الٰہی کا مقام صدیقیت اور نبوتِ تشریعیہ کے درمیان واقع ہے۔ وہ ایک شاندار مقام ہے جس سے ہمارے طریقہ کے اکثر لوگ جیسے ابوحامد اور ان کے امثال ناواقف ہیں۔ کیونکہ اس کا ذوق نادر ہے اور وہ نبوتِ مطلقہ کا مقام ہے۔

پھر وہ اس نبوت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

فَالنُّبُوَّةُ سَارِیَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فِی الْخَلْقِ وَاِنْ کَانَ التَّشْرِیْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِیْعُ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ۔

ترجمہ۔ نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے گو تشریعی نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ پس شریعت کا لانا نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

پھر وہ اس نبوت کے جاری رہنے پر یہ دلیل دیتے ہیں:۔

اِذْ یَسْتَحِیْلُ اَنْ یَّنْقَطِعَ خَبَرُ اللّٰهِ وَاِخْبَارُهٗ

مِنَ الْعَالَمِ اِذْ لَوِ انْقَطَعَ لَمْ يَبْقَ لِلْعَالَمِ غِذَاءٌ يَتَغَذَّى بِهٖ فِيْ بَقَاءِ وُجُوْدِهٖ۔

ترجمہ۔ یہ محال ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے امور غیبیہ اور اخبار الٰہیہ کا دنیا کو ملنا منقطع ہو جائے۔ کیونکہ اگر یہ منقطع ہو جائے تو دنیا کے لئے کوئی (روحانی) غذا باقی نہیں رہے گی جس سے وہ اپنے (روحانی) وجود کو باقی رکھ سکے۔

یہ مضمون ان کا قرآن مجید کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰم سجدہ) کے مطابق ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر استقامت دکھائی ان پر خدا کے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور کوئی غم نہ کرو اور جنت (رضاء الٰہی کے مقام) کی بشارت پاؤ جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے اس آیت کو اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے باب الاستقامۃ میں درج کرکے فرمایا ہے :۔

هٰذَا التَّنْزِيْلُ هُوَ النُّبُوَّةُ الْعَامَّةُ لَا نُبُوَّةُ

التَّشْرِيع ۔ (فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ ص ۲۴۲ باب معرفۃ الاستقامۃ)

اِس نبوتِ عامہ کو وہ نبوت الولایت قرار دیتے ہیں اور محدثین کو اس سے کچھ حصہ پانے والے اور مسیح موعود کو اس نبوت الولایت کے ساتھ نبوتِ مطلقہ کا حامل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

يَنْزِلُ وَلِيًّا ذَا نُبُوَّةٍ مُطْلَقَةٍ ۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ ص ۴۹)

کہ وہ ایسے ولی کی صورت میں نازل ہوگا جو نبوتِ مطلقہ رکھتا ہوگا۔

پھر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ نبوتِ تشریعیہ کو نبوتِ عامہ کا جزوِ ذاتی نہیں بلکہ جزوِ عارض جانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

فَالتَّشْرِيْعُ اَمْرٌ عَارِضٌ بِكَوْنِ عِيْسٰى يَنْزِلُ فِيْنَا بِغَيْرِ تَشْرِيْعٍ وَهُوَ نَبِيٌّ بِلَا شَكٍّ ۔

یعنی شریعت کا لانا امرِ عارض ہے (امرِ ذاتی نہیں) کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں بغیر شریعت کے نازل ہوں گے اور وہ بلاشک نبی ہوں گے۔" (فتوحاتِ مکیہ جلد ا ص ۵۷۰)

پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بروزی نزول کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ ۔ (تفسیر محی الدین ابن العربیؒ برحاشیہ عرائس البیان)

کہ مسیح علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں کسی دوسرے بدن کے تعلق سے ہوگا۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک وہ اصالتاً نازل نہیں ہونگے بلکہ ان کا نزول بروزی رنگ میں ہوگا۔

امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نبوت مطلقہ کو جاری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّةِ لَمْ تَرْتَفِعْ وَ اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ -

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۵و۳۹ بلحاظ ایڈیشن مختلف)

حضرت عبدالکریم جیلی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:۔

فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهٗ وَ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ لِاَنَّهٗ جَاءَ بِالْكَمَالِ وَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ بِذٰلِكَ -

(الانسان الکامل جلد ۱ صفحہ ۹)

یعنی شریعت والی نبوت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کمال (شریعت کاملہ) لے کر آئے ہیں اور کوئی اور نبی ایسے کمال کے ساتھ نہیں آیا۔

پھر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هِیَ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ

لَا مَقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَزِيْدُ فِيْ شَرْعِهٖ حُكْمًا اٰخَرَ وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ اَيْ لَا نَبِيَّ يَكُوْنُ عَلٰى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِيْ بَلْ اِذَا كَانَ يَكُوْنُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِيْ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صـــ۷۳)

ترجمہ۔ وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہوگئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ مقامِ نبوت۔ اب کوئی شریعت نہیں ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور یا آپؐ کی شریعت میں کسی حکم کا اضافہ کرے۔ اور یہی معنی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ۔ یعنی آپؐ کی مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا نبی آئندہ نہیں ہوگا جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو۔ بلکہ جب کبھی کوئی نبی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔

امام عبدالوہاب شعرانی اس مذہب کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں :-

وَقَوْلُهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ اَیْ مَا ثَمَّ مَنْ یُّشَرِّعُ بَعْدِیْ شَرِیْعَۃً خَاصَّۃً - (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۵)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا نبیّ بعدی و لا رسول بعدی سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد خاص شریعت لانے والا کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس سے پہلے ان کا یہ قول درج کیا جا چکا ہے کہ مطلق نبوت منقطع نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ تحریر فرماتے ہیں ؎

بہرِ ایں خاتم شدست او کہ بجود
مثلِ او نے بود نے خواہند بود
چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختمِ صنعت بر تو است

(مثنوی مولانا روم دفتر ششم صفحہ ۸ نولکشور)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے خاتم ہیں کہ سخاوت (فیض پہنچانے میں) نہ آپ جیسا کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ جب کوئی کاریگر اپنی کاریگری میں کمال پر پہنچ جاتا ہے تو اے شخص کیا تو نہیں کہتا کہ تجھ پر کاریگر ہونے کی مُہر لگ گئی۔ تو سب سے کامل کاریگر ہے۔

پھر وہ فرماتے ہیں ؎

مکر کن در راہِ نیکو خدمتے

تا نبوّت یابی اندر اُمّتے

کر نیکی کی راہ میں خدمت کی ایسی تدبیر کر کہ تجھے اُمّت میں نبوّت مل جائے۔

(مثنوی مولانا روم۔ دفتر اوّل صفحہ ۵۳)

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ مجدد صدی دوازدہم تحریر فرماتے ہیں :-

لِاَنَّ النُّبُوَّةَ تَتَجَزّٰی وَجُزْءٌ مِّنْهَا بَاقٍ بَعْدَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ۔ (المسوّی شرح الموطّا جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ۔ کیونکہ نبوت قابلِ تقسیم ہے اور اسکی ایک جزء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی ہے۔

نیز فرماتے ہیں :-

اِمْتَنَعَ اَنْ یَکُوْنَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ مُّسْتَقِلٌّ بِالتَّلَقِّی

(الخیر الکثیر صفحہ ۸۰ مطبوعہ بجنور)

ترجمہ۔ یہ امر ممتنع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مستقل بالتلقی یعنی تشریعی نبی ہو۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

خُتِمَ بِهِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ (تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۷۲)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اب کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوگا جسے خدا تعالیٰ شریعت دیکر لوگوں کی طرف مامور کرے۔

علامہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں :-

"بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یا زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرد کسی نبی کا آنا محال نہیں بلکہ نئی شریعت والا البتہ ممتنع ہے۔"

(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس ایڈیشن جدید صـ۱۶)

علامہ صوفی محمد حسین صاحب مصنف غایۃ البرہان تحریر فرماتے ہیں :-

"الغرض اصطلاح میں نبوت بخصوصیت الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے وہ دو قسم پر ہے ایک نبوت تشریعی جو ختم ہوگئی اور دوسری نبوت بمعنی خبر دادن وہ غیر منقطع ہے پس اس کو مبشرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں رؤیا بھی ہیں۔" (الکواکب الدریہ صـ۱۴۷ و ۱۴۸)

امام راغب آیت قرآنیہ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ وَالثَّوَابِ النَّبِيَّ بِالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيْقَ

بِالصِّدِّیْقِ وَالشَّھِیْدُ بِالشَّھِیْدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ
(تفسیر البحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۲۸۷)

کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو ان پچھلے چار گروہوں سے درجہ اور ثواب میں شامل کر دے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اس اُمّت کے نبی کو کسی پہلے نبی کے ساتھ اور اس اُمّت کے صدیق کو کسی پہلے صدیق کے ساتھ اور اس اُمّت کے شہید کو کسی پہلے گزرے ہوئے شہید کے ساتھ اور اس اُمّت کے صالح کو کسی پہلے گزرے ہوئے صالح کے ساتھ۔

پس خلاصہ ان سب حوالہ جات کا یہ ہے کہ آیت خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تشریعی نبی کی آمد کو منقطع قرار دیتی ہے امّتِ محمدیہ میں کسی اُمتی کے مقامِ نبوت غیر تشریعیہ کے پانے میں مانع نہیں بلکہ اس کے امکان کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ آنحضرت بوجہ خاتم النبیین خاتم کمالات ہیں۔ لہٰذا آپؐ کا فیض بھی کامل ہے۔

مکالماتِ الٰہیہ اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت

ہم نے قرآن کریم کی آیات، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ بزرگانِ دین سے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ کا دروازہ کُلّیۃً بند

نہیں ہوا بلکہ المبشرات پر مشتمل الہامات کا دروازہ، جنہیں حدیث نبویہ میں نبوت کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (شوریٰ : ۲۷) یعنی اولیاء اللہ پر بشارتوں کا دروازہ دُنیا میں بھی کھلا ہے۔ یہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ تو حقیقت میں اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت ہیں کیونکہ زندہ مذہب وہی مذہب کہلا سکتا ہے جس کی اتباع کرنے والوں کا خدا سے تعلق پیدا ہو اور خدا سے تعلق پیدا ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ اس مذہب کے ماننے والوں میں ایسے اولیاء اللہ پائے جائیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف رکھتے ہوں

اب یہ فخر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہی کو حاصل ہے کہ اس میں ہزارہا اولیاء اللہ پیدا ہوئے جو خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوئے۔ اب دوسرے تمام مذاہب میں اسلام کے سوا اس کی نظیر نہیں مگر مولوی ابوالحسن صاحب کو اس قسم کا تعلق باللہ ہو سکنے سے انکار ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

”مرزا غلام احمد صاحب کے فلسفہ تسلسل و بقاء وحی اور مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کے عموم اور لزوم پر اگر دقتِ نظر سے غور کیا جائے اور اس کی علمی تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو اس میں ختم نبوت کی بجائے سلسلہ نبوت کے

انکار کی رُوح نظر آئے گی اور ہدایت اور معرفت الٰہی بھی مسمریزم
اور جدید تحقیق استحضار ارواح (سپر چوئلزم) وغیرہ کی طرح
ایک روحانی تجربہ اور عمل بن کر رہ جائے گی۔"
(قادیانیت صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷)

مولوی ابوالحسن صاحب کی سلسلۂ نبوّت میں تشکیک

واضح ہو کہ اس بیان سے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے سارے کے سارے سلسلۂ نبوت کو ہی مشتبہ اور مشکوک بنا دینے کی کوشش کی ہے جو اُن کی دین سے نادان دوستی کا ثبوت ہے کیونکہ اگر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کی حیثیت مسمریزم اور استحضار ارواح وغیرہ کا تجربہ کہلا سکتی ہے تو مولوی ابوالحسن صاحب کے اِس بیان پر یقین کر لینے والے دہریہ اور ملحدین انبیاءِ سابقین کے مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کو بھی اِس قسم کا ایک تجربہ قرار دے کر رد کر سکتے ہیں۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ بیان ایسا گمراہ کن ہے کہ بے دینوں کے لئے سارے سلسلۂ نبوّت کو رد کرنے کی راہ ہموار کرنے والا ہے۔ اِس بیان سے اُنہوں نے آدمؑ سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک آنے والے تمام انبیاء کے مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کو مشکوک بنا دیا ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب پر واضح ہو کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو مسمریزم اور استحضار ارواح کا کوئی تجربہ نہ تھا نہ ہی آپ نے اپنی جماعت

کو اس راہ پر ڈالا ہے اور نہ خود ارواح کو حاضر کرنے کا کبھی کوئی کرشمہ دکھلایا ہے بلکہ آپؑ نے اپنی جماعت کو یہی تلقین فرمائی ہے کہ وہ صرف اُن راہوں کو اختیار کرے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور دکھلائی ہیں۔ انہی راہوں کے سچا ہونے کا ثبوت حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اپنے روشن نشانوں سے فراہم کیا ہے۔ وہ اطاعتِ نبوی کی راہیں ہیں جن پر چلنے سے حسب آیت سورہ نساء وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وہ انعامات مل سکتے ہیں جو پہلوں کو ملے۔

مولوی ابوالحسن کے متضاد خیالات

اُوپر کے بیان میں مولوی ابوالحسن صاحب نے بقاءِ وحی اور مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ کو ختمِ نبوّت کی بجائے سلسلۂ نبوّت کے انکار کی رُوح پر مشتمل قرار دیا ہے۔ ایسے بیانات میں وہ دراصل ڈاکٹر اقبال صاحب کے فلسفہ کی تقلید کر رہے ہیں۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں کہ مولوی ابوالحسن صاحب اُن احادیثِ نبویہ کے منکر ہیں جن میں حضرت مسیح کے نزول، ان کے نبی اللہ ہونے اور ان پر وحی نازل کئے جانے کا ذکر ہے لیکن اس کے برخلاف اُن کی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کو خارق عادت اور معجزانہ طور پر صدیوں سے آسمان پر زندہ مانتے ہیں اور ان کے اصالتاً نزول کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

کی کتاب سُرمہ چشم آریہ کے متعلق لکھتے ہیں :-

"مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں نصرت المسیح معجزہ (شق القمر۔ ناقل) کی بلکہ معجزات انبیاء کی پرزور مدلل وکالت کی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ معجزات و خوارق کا وقوع عقلاً ممکن ہے۔ محدود انسانی عقل اور علم اور محدود انفرادی تجربات کو اس کا حق نہیں کہ وہ ان معجزات و خوارق کا انکار کریں اور وسیع کائنات کے احاطہ کا دعویٰ کریں۔" (قادیانیت ص۶۲)

پھر وہ اپنے اس نوٹ کی بناء پر لکھتے ہیں :-

"واقعہ یہ ہے کہ بعد میں انہوں نے رفع و نزول مسیح کے بارے میں اور حضرت مسیح کے صدیوں تک آسمان پر رہنے پر جو عقلی اشکال پیش کئے ہیں اور بعد میں ان کے اندر جو عقلیت کا رجحان پایا جاتا ہے اس کی تردید میں اس کتاب سے زیادہ موزوں کوئی اور چیز نہیں۔" (قادیانیت ص۶۳)

مولوی ابوالحسن صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وفات مسیح علیہ السلام اور ان کی اصالتاً آمد کے امتناع کو سرمہ چشم آریہ کی عبارت سے رد کرنا چاہتے ہیں اور خود صدیوں سے انہیں آسمان پر زندہ مانتے ہیں اور ان کے اصالتاً نزول کے قائل ہیں۔ ان کا یہ بیان درست سمجھا جائے تو ختم نبوت کی بحث میں ڈاکٹر اقبال کی پیروی میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکی

تردید کے لئے ان کا صرف مندرجہ بالا اقتباس ہی کافی و وافی ہے۔ جب وہ حیات مسیح اور مسیح کے اصالتاً نزول کے قائل ہیں تو ختم نبوت کا یہ مفہوم باطل ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق آخری نبی ہیں بلکہ انہیں ہماری طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری تشریعی نبی ماننا پڑا۔ جب احادیث نبویہ میں مسیح موعود پر وحی کے نزول کا ذکر بھی موجود ہے تو ان کا یہ بیان بھی باطل ہو گیا کہ بقاءِ وحی اور مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے ختم نبوت کی بجائے سلسلۂ نبوت کے انکار کی روح نظر آئے گی۔ اب اگر اپنے مزعوم مسیح موعود پر وحی کے نزول کو وہ اس حیثیت کا نہیں جانتے کہ اس سے سلسلۂ نبوت کے انکار کی روح نظر آتی ہے تو پھر بانی سلسلۂ احمدیہ پر ان کے اعتراض کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ نے وفاتِ مسیح کو صرف عقلی دلائل سے ہی ثابت نہیں کیا بلکہ آیاتِ قرآنیہ اور نصوصِ حدیثیہ سے ثابت کرنے کے بعد عقلی دلائل کو محض تائیدی طور پر پیش کیا ہے۔ اس بحث کا انحصار محض عقلی دلائل پر نہیں رکھا۔ یہی حال شق القمر کے معجزہ کا ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوا۔ چونکہ عقل معجزات کا احاطہ نہیں کر سکتی اسلئے انسان کی محدود عقل کے رو سے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کو کہیں معجزہ قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہود کے بارہ میں فرمایا ہے مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ کہ یہود نے مسیح کو صلیب پر مارنے کی تدبیر کی اور اللہ نے بچانے کی تدبیر کی۔ اور اللہ بہتر ہے تدبیر کرنے والوں سے۔ اس سے ظاہر

ہے کہ حضرت مسیح کے معاملہ میں خدا نے تدبیر سے کام لیا نہ کسی معجزہ سے۔ فتدبّر!

مکالمات کے سرچشمہ کی تعیین

مولوی ابوالحسن صاحب اپنی کتاب کے باب چہارم کی فصل دوم کے آخر میں "مکالمات کے سرچشمہ کا تعین" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔

"پھر ان مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کی تنقید کا کیا معیار ہے اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ انسان جو کچھ سُن رہا ہے وہ خود اس کے باطن کی آواز یا اس کے ماحول اور تربیت کی صدائے بازگشت یا اس کی اندرونی خواہشات اور سوسائٹی کے اثرات کا نتیجہ نہیں۔..... خود مرزا صاحب کے مکالمات اور مخاطبات کا کتنا حصہ ان کے زمانہ، ماحول اور تربیت کے تحت الشعور اثرات کا نتیجہ اور اس انحطاط پذیر اور رُو بزوال معاشرے کا عکس معلوم ہوتا ہے جس میں کہ انہوں نے نشوونما پایا اور جس میں وہ اپنی دعوت لیکر کھڑے ہوئے بلکہ کتنا بڑا حصہ وہ ہے جس کے متعلق ایک مبصر کو جو ہندوستان کی سیاسی تاریخ سے واقف ہے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سرچشمہ عالم غیب کی بجائے ہندوستان کا سیاسی اقتدار اعلیٰ ہے۔ (قادیانیت صفحہ ۱۹۷-۱۹۸)

یہ لکھنے کے بعد مولوی ابوالحسن صاحب نے ڈاکٹر اقبال صاحب کا ایک اقتباس بطور مبصر ہندوستان کے درج کیا ہے جو یوں ہے کہ:-

"مَیں یہ ضرور کہوں گا کہ بانیٔ احمدیت نے ایک آواز سُنی اِس امر کا تصفیہ کہ یہ آواز اس خدا کی طرف سے تھی جس کے ہاتھ میں زندگی اور طاقت ہے یا لوگوں کے روحانی افلاس سے پیدا ہوئی - اس تحریک کی نوعیت پر منحصر ہونا چاہیئے جو اس آواز کی آفریدہ ہے اور ان افکار اور جذبات پر بھی جو اس آواز نے اپنے سُننے والوں میں پیدا کئے ہیں۔ ...... جب کسی قوم کی زندگی میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے تو انحطاط ہی الہام کا ماخذ بن جاتا ہے۔"

(قادیانیت صفحہ ۱۹۵ بحوالہ حرفِ اقبال صفحہ ۱۵۷ و ۱۵۸)

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اور ڈاکٹر اقبال صاحب دونوں کے مندرجہ بالا اقتباسات کسی صحیح فلسفہ پر مبنی نہیں بلکہ محض ایک سفسطہ ہیں اور وہم کی پیداوار ہیں کہ مکالماتِ خداوندی کا تجزیہ کرتے ہوئے کسی زمانہ میں اگر روحانیت کا افلاس اور زوال نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان مکالمات کا سرچشمہ خدا تعالیٰ نہیں بلکہ قوم کا روحانی افلاس اور کسی دوسری قوم کا اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ اگر اس وہم کو درست مان لیا جائے تو اس سے اُن تمام انبیاء کرام کے مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ مشکوک ہو جاتے ہیں جو ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جبکہ روحانیت اُن کی قوم سے زائل ہو چکی

تھی یا رُو بزوال تھی اور وہ قوم اور وہ نبی دوسری قوم کے اقتدارِ اعلیٰ کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے۔

ایک ضروری سوال

اِس جگہ ایک نہایت ضروری سوال پیدا ہوتا ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی بتائیں کہ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے الہامات کے سرچشمہ کے متعلق اُن کا کیا خیال ہے جبکہ خود یہ نبی اور ان کی قوم یہود رومن حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ کے تحت زندگی بسر کر رہی تھی۔ اور روحانی لحاظ سے بھی افلاس میں مبتلا تھی۔ حضرت بانیٔ سلسلہ تو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہی قرار دیتے ہیں۔ اگر مثیل کی قوم کے روحانی افلاس اور انگریزی حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ کو اُن کے الہامات کا سرچشمہ قرار دیا جائے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن تمام نبیوں کی نبوت مشکوک ہو کر رہ جائے گی جو قوم کے روحانی افلاس کے وقت مبعوث ہوئے اور اُن کی قوم اُس وقت اقتدارِ اعلیٰ سے محروم تھی اور وہ انبیاء خود بھی اس دوسری اقتدارِ اعلیٰ رکھنے والی قوم کے ماتحت زندگی بسر کرتے رہے۔

پھر جب ہمارے پیارے نبی سرورِ انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُس وقت ساری دنیا روحانی افلاس میں مبتلا تھی۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا رہے تھے اور یہودی بھی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی لعنت کے نیچے روحانی افلاس کا شکار تھے۔
ہندوستانی ہندو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کی پوجا کر رہے تھے۔ ایرانی آتش پرست تھے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جو خدا کے قول کے مطابق ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا مصداق تھا۔ اس زمانہ کا یہ روحانی افلاس اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ایک عظیم الشان نبی کی بعثت کا تقاضا کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اس انتہائی گمراہی اور روحانی افلاس کے زمانہ میں جو ساری دنیا میں پایا جا رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس وقت مکہ کا اقتدارِ اعلیٰ مشرکین مکہ کے ہاتھ میں تھا۔ اپنے زمانہ کے اقتدارِ اعلیٰ کے خلاف نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علمِ بغاوت بلند کیا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول انجیل میں درج ہے کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔ اس میں اشارہ تھا کہ میں قیصر کا باغی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں کے نامناسب رویہ کے بعد جب طائف میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے بھی آپ سے انتہائی برا سلوک کیا۔ آپ کی پنڈلیاں لہولہان کر دیں اور آپ کے پیچھے بچے لگا دیئے جو آوازے کستے تھے۔ جب آپ واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے تشریف لائے تو مکہ والوں نے آپ کا حق شہریت چھین لیا۔ لیکن آپ نے ان کے قانون کو نہیں توڑا۔ بلکہ ایک مشرک کی حمایت سے مکہ میں داخل ہوئے اور اس طرح دوبارہ

شہریت کے حقوق حاصل کئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے ظلم سے تنگ آکر جب وہ آپؐ کی جان لینے کے درپے ہو گئے تو خدا کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی اور وہاں جا کر آپؐ کو خدا کے فضل سے اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو گیا کیونکہ آپؐ تشریعی نبی تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ساری عمر اقتدارِ اعلیٰ سے محروم رہے مولوی ابوالحسن صاحب ان سب نبیوں کے بارہ میں یہ کہنے کو تیار نہیں ہو سکتے کہ کہ ان کے کچھ الہامات کا سرچشمہ خدا کی قوت نہ تھی بلکہ ان کے زمانہ کا روحانی افلاس اور اقتدارِ اعلیٰ کا نہ رکھنا تھا۔ اسی طرح ہزاروں انبیاء اقتدارِ اعلیٰ کے بغیر مبعوث ہوئے اور مولوی ابوالحسن صاحب ان کے الہامات کا سرچشمہ خدا کی قوت کو ہی جانتے ہیں تو پھر یہ کس قدر بے انصافی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کا سرچشمہ وہ خدا کی قوت کو نہیں جانتے بلکہ قوم کے روحانی افلاس اور اقتدارِ اعلیٰ سے محرومی کو آپ کے الہامات کا سرچشمہ قرار دینا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنے ایک شعر میں بھی اپنے اس وہم کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا ؎

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

اس پر مولوی اسلم صاحب جیراجپوری نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:-

"یہ خالص شاعرانہ استدلال ہے غالب کی طرح جس نے

کہا ہے ؎

کیوں ردّ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے مگس کی قے نہیں ہے

جس طرح مگس کی قے کہہ دینے سے شہد کی لطافت اور
شیرینی میں فرق نہیں آسکتا اسی طرح محکومیت کی نسبت
سے الہام بھی اگر حق ہو غارت گر اقوام نہیں ہو سکتا۔
خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام رومی سلطنت کے محکوم تھے
جن کی نسبت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے ؎

فرنگیوں کو عطا خاک سوریا نے کیا
نبی عفت و غمخواری و کم آزاری

جب کہ اکثر انبیاء علیہم السلام محکوم اقوام میں مبعوث
کئے گئے ہیں جن کے خاص اسباب و علل تھے جن کے بیان کی یہاں
گنجائش نہیں۔ دراصل نبوّت کی صداقت کا معیار حاکمیت
یا محکومیت نہیں بلکہ خود الہام کی نوعیت ہے۔"

(نوادرات صہ ۱۲۳ و ۲۴ مجموعہ مضامین اسلم جیراجپوری)

الہامات کو پرکھنے کے قرآنی معیار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ بھی آپؐ کے الہامی
دعویٰ کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان میں بعض قرآن مجید

کے کلام الٰہی کو شاعرانہ کلام قرار دیتے تھے اور بعض اس کا سرچشمہ کہانت کو قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقہ میں ان ہر دو خیالات کو رد کرتے ہوئے قرآن مجید کو کلام الٰہی قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

(۱) مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ (سورۃ الحاقہ رکوع ۲)

ترجمہ۔ یہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔ نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ رب العالمین خدا کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ اور اگر یہ شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر کوئی جھوٹا قول باندھ لیتا تو ہم اُسے یقیناً دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر ہم اس کی رگ گردن کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی خدا کو اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ یہ تو نصیحت

پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تم
میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں اور یقیناً وہ کافروں
کے لئے حسرت کا موجب ہے۔ پس تُو (اے نبی!) اپنے
عظمت والے ربّ کے نام کی تسبیح کرتا رہ۔

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کو دنیا کے روحانی اندھیرے
کو دُور کرنے کے لئے نازل کیا گیا تو اس کے متعلق بعض لوگ سخت
بدظنی میں مبتلا تھے۔ بعض اسے شاعرانہ کلام کہتے تھے اور بعض
کہانت کی باتیں قرار دیتے تھے۔ اور اس کا سرچشمہ خدا کی قدرت کو
قرار نہیں دیتے تھے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اس کے اپنی طرف سے
نازل شدہ وحی ہونے کی دلیل یہ دی کہ اگر یہ مدعیٔ وحی کوئی قول
اپنی طرف سے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرتا تو ہم اپنی قدرت
کے ہاتھ سے اس مدعی کو ناکام کر دیتے اور پھر اس کی رگِ گردن
کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی شخص اُسے میرے ہاتھ سے بچا نہ
سکتا۔ لہٰذا چونکہ اس مدعیٔ وحی نے اپنے دعویٰ کے بعد تئیس سال کی
لمبی عمر پائی ہے اور ایک کامیاب زندگی گزاری ہے۔ اور یہ قتل کیا جانے
سے بچایا گیا ہے لہٰذا اس کی وحی کا سرچشمہ یقیناً خدا تعالیٰ کی قوتِ تکلم ہے۔

اب بھی صاحبزادہ جب ہم حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے الہامات
کو دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اپنے الہامی دعویٰ کے بعد انہوں نے
بھی ۲۳ سال سے زائد عرصہ مہلت پائی ہے اور وہ اپنے مقصد میں

کامیاب ہوتے ہیں اور قتل کیا جانے سے بچائے گئے ہیں۔ لہٰذا انکے الہامات کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ کی قوتِ تکلم کو قرار دینا پڑے گا۔ اگر ان کے الہامات کا سرچشمہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور شے کو قرار دیا جائے تو یہ آیت معاذ اللہ دشمنانِ اسلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل نہیں رہے گی کیونکہ اے مولوی ابوالحسن صاحب! ایک مخالف اسلام آپ کو کہہ سکے گا کہ جب اس معیارِ صداقت کی موجودگی میں تم لوگ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے الہامات کا سرچشمہ خدا تعالیٰ کی قوتِ تکلم کو قرار نہیں دیتے اور ان کی تکذیب کرتے ہو تو پھر تم کس منہ سے اس دلیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر سکتے ہو کہ آپ پر قرآن مجید خداوند تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے؟ پس اگر آپ حضرت بانیٔ احمدیت علیہ السلام کے الہامات کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کریں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ دلیل قرآنی آپ کے ہاتھ سے جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑے شد و مد سے قرآن مجید کی ان آیات میں قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

پس حضرت بانیٔ احمدیت علیہ السلام کا انکار کوئی معمولی بات نہیں کیونکہ ان کے انکار کی صورت میں قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے حق میں یہ دلیل بھی منکرینِ اسلام کے نزدیک حجت نہیں رہے گی۔ لہٰذا

مولوی ابوالحسن صاحب کو اپنا نفع نقصان سوچنا چاہیئے اور آنکھیں بند کرکے ڈاکٹر اقبال کے اس شاعرانہ تخیّل کو کہ روحانی افلاس کے زمانہ کے الہام اور محکوم کے الہام کا سرچشمہ اللہ نہیں ہوسکتا قبول کرکے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے انکار کرنے والوں کے لئے انکار کی راہ ہموار نہیں کرنی چاہیئے۔ جو اُن پر نازل شدہ وحی کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

(۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاۤجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ (الشوریٰ آیت)

ترجمہ۔ وہ لوگ جو اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں بعد اس کے کہ اُسے قبولیت حاصل ہو چکی یعنی بہت سے لوگوں نے اسے قبول کرلیا ان کی دلیل ان کے رب کے حضور ٹوٹ جانیوالی ہے اور ان پر غضب نازل ہوگا اور ان کے لئے سخت عذاب مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب اسلام کو ایک بڑی تعداد نے قبول کرلیا ہے تو اس کے مقابلہ میں منکرین کی حجت اللہ کے حضور کامیاب نہیں ہوگی بلکہ توڑ دی جائے گی اور وہ ناکام رہیں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ پس ہر وہ سلسلہ جس کا داعی خدا تعالیٰ کی

طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کرے اور دُنیا میں اُسے قبولیت حاصل ہو جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہوا ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والوں کی دلیل اللہ کے حضور کوئی وزن نہیں رکھتی۔ وہ انجام کار ناکام رہیں گے اور اُن کی ساری بحثیں بیکار ہو جائیں گی۔

اِس آیت میں بھی سچائی کو پرکھنے کے لیے ایک روشن معیار بیان کیا گیا ہے۔ اسلام میں جب غلط خیالات راہ پا گئے تو خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ مسیح موعود علیہ السلام کو بھیج کر اس کی تجدید کی جائے علمائِ اسلام مسیح موعود کا آنا تو مانتے تھے مگر وہ اِس غلطی میں مبتلا تھے کہ مسیح موعود حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے آخری زمانہ میں دوبارہ بھیجنے کے لیے آسمان پر زندہ اُٹھا لیا۔ وہ جب آسمان سے نازل ہوں گے تو اُن کے ذریعہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ہو گی اور اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اُمتی اور فرزندِ جلیل ہیں مسیح موعود قرار دیا اور آپ پر الہاماً واضح فرما دیا کہ "مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر خدا کے وعدہ کے موافق تو آیا ہے"۔ علماء آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا یہ دعویٰ اس لئے باطل تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ اصالتاً آخری

زمانہ میں نازل ہوں گے۔ اس پر حیات و وفات مسیح پر بحثیں چلیں۔ اور آج یہ حال ہے کہ جماعت احمدیہ اکناف عالم میں پھیل چکی ہے اور وہ وفات مسیح کی قائل ہے اور مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی کا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے وجود میں پورا ہونا مانتی ہے! اور لکھو کھہا پڑھے لکھے مسلمان بھی حیات مسیح کے عقیدہ کو چھوڑ چکے ہیں حتیٰ کہ ڈاکٹر اقبال صاحب جن کے اقتباسات مولوی ابوالحسن صاحب اپنی کتاب "قادیانیت میں پیش کر چکے ہیں وفات مسیح کے قائل تھے اور انہوں نے احمدیوں کے اس عقیدہ کو کہ حضرت مسیح کے نزول سے مراد یہ ہے کہ کوئی اور شخص ان کے رنگ میں رنگین ہو کر آئے گا معقولیت کا پہلو رکھنے والا قرار دیا ہے گو سیاست کے چکر میں پڑ جانے پر وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو مسیح موعود ماننے سے انکار کر گئے۔ سیاست کے چکر میں پڑنے سے پہلے انہوں نے بیان کیا تھا:۔

"جہاں تک میں نے اس تحریک کی منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کے مشابہ ہو اس خیال سے یہ تحریک معقول رنگ رکھتی ہے۔" (خطبات مدراس)

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ڈاکٹر انعام اللہ خان سالاری بلوچستان کے ایک استفسار مرقومہ ۶ راپریل ۱۹۵۶ء کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

"وفاتِ مسیح کا ذکر خود قرآنِ مجید میں ہے۔ مرزا صاحب کی تعریف اور برائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

(ملفوظاتِ آزاد مرتبہ محمد اجمل خان صفحہ ۱۲۹ و صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مکتبہ ماتول کراچی)

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب آیت یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے۔ (انتخاب مضامین تہذیب الاخلاق جلد سوم صفحہ ۱۱۲ تا صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ ۱۸۹۶ء)

مولانا عبید اللہ سندھی اپنی تفسیر الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن الجزء الثانی صفحہ ۴۹ پر عربی زبان میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"متوفیک کے معنی ہیں میں تجھے موت دوں گا اور عیسٰی علیہ السلام کی زندگی کے بارہ میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے وہ ایک یہودی اور صابی افسانہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بات مخفی نہیں کہ علوم اسلامی کا مرجع قرآن عظیم ہے اور اس میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جو صراحت کے ساتھ ثابت کرتی ہو کہ عیسٰی علیہ السلام نے وفات نہیں پائی اور کہ وہ زندہ ہیں اور عنقریب نازل ہوں گے۔ سوائے (بعض لوگوں کے) استنباطات اور تفاسیر کے اور یہ آراء و استدلالات

شک وشبہ سے بالا نہیں ہیں۔ پس ان کو ایک اسلامی عقیدہ کی بنیاد کس طرح مانا جاسکتا ہے؟"

سر سید احمد خان بانی علی گڑھ یونیورسٹی بھی وفاتِ مسیح کے قائل تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کیا لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے۔ ...... پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت سے وفات پا جانا ظاہر ہے مگر چونکہ علمائے اسلام نے بتقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ قرآن پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اسلئے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی۔" (پوری تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر احمدی مصنفہ سر سید احمد خان۔ جلد ۲ ص ۴۸)

علمائے عرب میں سے بھی کئی علماء نے وفاتِ مسیح کا اعتراف کیا ہے بلکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی اس تحقیق کی بھی تصدیق کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کشمیر کی طرف ہجرت کی اور وہاں وفات پائی۔ چنانچہ علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر اور ایڈیٹر رسالہ المنار "القول بہجرۃ المسیح الی الھند وموتہ فی بلدۃ سرینکر فی

کشمیر" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔

فَفِرَارُهٗ اِلَى الْهِنْدِ وَمَوْتُهٗ فِیْ ذَالِکَ الْبَلْدَةِ لَیْسَ بِبَعِیْدٍ عَقْلاً وَ نَقْلاً"

(رسالہ المنار جلد ۵ سنہ ۹ صفحہ ۹)

ترجمہ:۔ مسیح کا ہندوستان ہجرت کر جانا اور شہر سرینگر میں وفات پانا عقل و نقل کی رُو سے بعید نہیں۔

علامہ مفتی محمد عبدہ نے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے معنوں کی تائید میں لکھا ہے:۔

"التوفی ھو الاماتة کما ھو الظاھر المتبادر"

کہ یہاں توفی سے موت مراد ہے اور ظاہر اور متبادر الفہم یہی معنی ہیں۔

الاستاذ محمود شلتوت سابق مفتی مصر اور منتظم اعلیٰ ازہر یونیورسٹی قاہرہ نے اپنے ایک فتویٰ میں تفصیلی طور پر وفاتِ مسیح پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ لکھا ہے:۔

(۱) اَنَّهٗ لَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ وَلَا فِی السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مُسْتَنَدٌ یَصْلُحُ لِتَکْوِیْنِ عَقِیْدَةٍ یَطْمَئِنُّ اِلَیْهَا الْقَلْبُ بِاَنَّ عِیْسٰی رُفِعَ بِجَسَدِهٖ اِلَی السَّمَاءِ وَاَنَّهٗ اِلَی الْاٰنِ فِیْهَا۔

(۲) اِنَّ کُلَّ مَا تُفِیْدُهُ الْاٰیَاتُ الْوَارِدَةُ فِیْ هٰذَا الشَّاْنِ

هُوَ وَعْدُ اللهِ عِيْسٰى بِاَنَّهٗ هُوَ مُتَوَفِّيْهِ اَجَلَهٗ وَرَافِعُهٗ اِلَيْهِ وَعَاصِمُهٗ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاِنَّ هٰذَا الْوَعْدَ قَدْ تَحَقَّقَ فَلَمْ يَقْتُلْهُ اَعْدَاءُهٗ وَلَمْ يَصْلِبُوْهُ وَلٰكِنْ وَفَّاهُ اللهُ اَجَلَهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ ـ" (الرسالة ۱۵ رمئی ۱۹۴۲ء بلا عدد ۶۴۲ والفتاوی علامہ محمود شلتوت مطبوعہ الادارۃ للثقافۃ الاسلامیۃ بالازھر)

ترجمہ (۱) قرآن کریم اور سنّتِ مطہرہ میں کوئی ایسا مستند نص نہیں ہے جو اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے اور جس پر دل مطمئن ہو سکے کہ عیسٰی علیہ السلام مع اپنے جسم کے آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ اب تک وہاں زندہ موجود ہیں۔

(۲) اس بارہ میں جتنی آیات (قرآن کریم میں) وارد ہیں ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عیسٰی علیہ السلام سے وعدہ تھا کہ وہ خود ان کی عمر پوری کر کے وفات دیگا اور ان کا اپنی طرف رفع کرے گا اور انہیں ان کے منکرین سے محفوظ رکھے گا۔ اور یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے چنانچہ ان کے دشمنوں نے نہ انہیں قتل کیا، نہ صلیب پر مار سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقدر عمر پوری کی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

علامہ الاستاذ احمد العجوز اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں جس کا عکس ہمارے پاس موجود ہے :۔

إِنَّ السَّيِّدَ الْمَسِيْحَ قَدْ مَاتَ فِي الْأَرْضِ حَسْبَ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ أَيْ مُمِيْتُكَ وَالْمَوْتُ أَمْرٌ كَائِنٌ لَا مُحَالَةَ إِذْ قَالَ اللّٰهُ عَنْ لِسَانِهٖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ۔

ترجمہ۔ یقیناً سیدنا مسیح زمین میں وفات پا چکے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کے مطابق جس کے معنی ہیں کہ میں تجھے موت دینے والا ہوں اور موت بہرحال واقع ہونے والی چیز ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کی زبان سے فرمایا کہ سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مرونگا۔

الاستاذ مصطفےٰ المراغی اپنی تفسیر میں زیر آیت یعنی إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ لکھتے ہیں :۔

اَلتَّوَفِّيْ هُوَ الْإِمَاتَةُ الْعَادِيَّةُ وَأَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَهُ لِلرُّوْحِ وَالْمَعْنٰى إِنِّيْ مُمِيْتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِيْ مَكَانٍ رَفِيْعٍ عِنْدِيْ۔

(تفسیر المراغی الجزء الثالث صہ ۱۶۵)

ترجمہ۔ توفّی سے روزمرہ کی موت مراد ہے اور رفع موت کے بعد

رُوح کا ہوا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ میں تجھے موت دوں گا اور موت کے بعد تجھے اپنے حضور بلند مرتبہ پر فائز کرونگا

اسی طرح الاستاذ عبد الکریم شریف اور الاستاذ عبد الوہاب النجار اور ڈاکٹر احمد زکی ابو شادی وغیرہ علماء نے وفاتِ مسیح کے ثبوت میں مضامین لکھے ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا یہ مسلک کہ آپ روحانی حیثیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے مثیل ہو کر نزولِ مسیح کی پیشگوئیوں کے مصداق ہیں ایک صحیح مسلک ہے۔ کیونکہ وفاتِ مسیح ثابت ہو جانے کے بعد نزولِ مسیح کی پیشگوئی کی یہی تعبیر تسلیم کی جاسکتی ہے کہ موعود مسیح اُمتِ محمدیہ میں سے پیدا ہونے والا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس عقیدہ کا قائل چلا آیا ہے۔ جیسا کہ اقتباس الانوار صفحہ ۵۲ میں امام مہدی کو ہی بروز کے طور پر نزولِ عیسیٰ کی پیشگوئی کا حسب حدیث لا مھدی الا عیسیٰ مصداق قرار دیا گیا ہے اور خریدۃ العجائب اور فریدۃ الرغائب صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ التقویم العلمی میں صاف لکھا ہے :-

"فَالَتْ فِرْقَةٌ مِن نُزُولِ عِیسیٰ خُرُوجُ رَجُلٍ یَشْبَہُ عِیسیٰ فِی الفَضْلِ وَالشَّرَفِ کَمَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَیْرِ مَلَکٌ وَلِلشِّرِّیرِ شَیْطَانٌ تَشْبِیْھًا بِھِمَا وَلَا یُرَادُ الْاَعْیَانُ"

ترجمہ۔ ایک گروہ نے نزولِ عیسیٰ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا جیسے تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

یہ ہر دو عقیدے جماعت احمدیہ کو مسلّم ہیں اور وہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو نزولِ مسیح کی پیشگوئی کا مصداق جانتی ہے اور اب وہ تمام اکناف عالم میں پھیل چکی ہے اور جماعت کے بہت سے نوجوان اپنی زندگیاں منظم طریق سے خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر کے تبلیغِ اسلام کا فریضہ اطرافِ عالم میں بجا لا رہے ہیں۔ پس یہ سچائی دنیا میں قائم ہو چکی ہے ولو کرہ الکافرون۔ اور یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ مخالفین کی دلیل توڑ دی گئی ہے اور قرآن کریم کے اس معیار کی رُو سے جو سورۂ ہود کی آیت ۱۷ میں مذکور ہے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کی سچائی روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر وفاتِ مسیح اور اپنے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں جو الہام ہوا اس کی سچائی دنیا میں مانی جا رہی ہے۔ اور قرآن مجید کی مندرجہ بالا دونوں آیتوں کی رُو سے آپؑ کا یہ الہامی دعویٰ ثابت ہے کہ آپؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ اور آپ خدا تعالیٰ کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہیں۔ اور اس قسم کا مکالمہ و مخاطبہ

کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی قوتِ تکلم ہے نہ کہ قوم کا روحانی افلاس یا انگریزوں کا اقتدارِ اعلیٰ۔ روحانی افلاس دُور کرنے کے لئے تو انبیاء بھیجے جاتے ہیں اور زمانہ کا روحانی افلاس تو ان کے مبعوث ہونے اور ان کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ اگر انگریزوں کا اقتدارِ اعلیٰ آپؑ کے الہامات کا سرچشمہ ہوتا تو پھر آپؑ حیاتِ مسیح کے قائل ہوتے نہ کہ اس بات کے قائل کہ مسیح صلیبی موت سے بچائے گئے اور انہوں نے کشمیر کی طرف ہجرت کی اور وہاں اپنی عمر کے ستاسی سال گزار کر وفات پائی۔ یہ عقیدہ تو انگریزوں کے عقیدہ صلیب کو پاش پاش کرنے والا ہے۔ کوئی عقلمند اس الہام کا سرچشمہ انگریزوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو قرار نہیں دے سکتا سوائے اس کے کہ وہ احمدیت کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرنا چاہتا ہو۔ اور یہی مولوی ابوالحسن صاحب کا مقصد ہے۔

مسیح موعودؑ کا مطمحِ نظر

واضح ہو کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مقصد ہندوستان کا اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرنے سے بلند تر اور وسیع تر تھا۔ آپؑ یہ پروگرام لے کر کھڑے ہوئے کہ یورپ، امریکہ، افریقہ بلکہ تمام دنیا کے دلوں پر حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی حکومت قائم کریں تا اسلام کا جھنڈا تمام اکنافِ عالم میں لہرائے۔ پس جس کا پروگرام ساری دُنیا میں اسلام کو غالب کرنا ہو اس کی نظر میں انگریزوں

سے لڑ کر ہندوستان کا اقتدار چھیننا ایک ادنیٰ بات ہے وہ شخص تو تمام دنیا میں اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ کو قائم کرنے کا مشن رکھتا ہے پس محض ہندوستان کے اقتدارِ اعلیٰ کو حاصل کرنا اور حکومت سے اُلجھ کر تبلیغ کے مقصد کو نقصان پہنچانا مناسب نہ تھا جبکہ انگریزی حکومت نے ہندوستان کے اندر مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور تمام دنیا میں جہاں جہاں برٹش راج قائم تھا آپ کے لئے تبلیغ کے راستے کھل گئے تھے۔ پس حکومتِ وقت سے ٹکر لے کر اسلام کی تبلیغ ناممکن تھی۔ چونکہ آپ مثیلِ مسیح تھے اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؑ کا پروگرام بھی محبت، آشتی، صلح اور رواداری سے لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچانا تھا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے تبلیغِ اسلام کا پورا حق ادا کر دیا ہے اور وہ کبھی اِس بارہ میں انگریزوں کے عقائد کی تردید سے خائف نہیں ہوئے۔ ان کی سلطنت میں رہتے ہوئے آپؑ نے نہ صرف عیسائیوں کے صلیبی عقیدہ پر کاری ضربیں لگائیں بلکہ اُسے پاش پاش کر دیا ہے اور ملکہ وکٹوریہ کو جو ہندوستان میں اقتدارِ اعلیٰ رکھتی تھیں صلیبی عقیدہ کی تردید کر کے اسلام کی دعوت دی۔ کیا اِس جری اور بطلِ اسلام کا یہ کارنامہ دیکھ کر بھی مولوی ابوالحسن صاحب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آپؑ کے الہامات کا سرچشمہ انگریزوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو قرار دیں؟ مگر وہ آنکھیں بند کر کے ڈاکٹر اقبال کے پیچھے چل پڑے ہیں جو کوئی مذہبی پیشوا نہ تھے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ایک وقت تک خود ڈاکٹر اقبال بھی انگریزوں کی قصیدہ خوانی میں رطب اللسان تھے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد جو ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔جب انگریزی حکومت میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے تو پھر وہ مدح خوانوں کی صف سے نکل گئے لیکن وہ انگریزوں سے تلوار کے ذریعہ حکومت نہیں لینا چاہتے تھے بلکہ آئینی طریق سے انگریزی حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ کو ختم کرنے کے حامی تھے۔انگریزوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو ختم کرنے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تربیت یافتہ اور منظم جماعت نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔۔۔ جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے عبوری حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تو اس وقت پاکستان بننے کا خیال موہوم بن کر رہ گیا۔اس موقع پر جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی خدا تعالیٰ کے ایما پر دہلی میں جا بیٹھے اور نواب بھوپال کی وساطت سے قائدِ اعظم کو اس بات کا قائل کیا کہ عبوری حکومت میں شامل ہونے سے پاکستان نہیں بن سکتا۔قائدِ اعظم کے لئے عبوری حکومت میں اپنی پارٹی کو شامل کرنے میں اب وقار مانع تھا کیونکہ وہ اس کا بائیکاٹ کر چکے تھے۔جب قائدِ اعظم نے اپنی اس مشکل کا اظہار کیا تو حضرت امام جماعت احمدیہ کی کوشش سے لارڈ مونٹ بیٹن گورنر جنرل ہند سے یہ اعلان کروایا گیا کہ مسلم لیگ کے لئے اب بھی عبوری حکومت میں شامل ہونے کا راستہ کھلا ہے۔چونکہ قائدِ اعظم کو تیار کیا جا چکا تھا اس لئے اس اعلان کے ہوتے ہی

قائداعظم نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان وجود میں آ گیا تھا الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اُس وقت صوبہ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ جس میں ہندو بھی شامل تھے۔ اس کے وزیراعظم خضر حیات خان تھے۔ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی کوشش سے ان سے استعفا دلایا گیا۔ اگر حضرت امام جماعت احمدیہ کوشش نہ کرتے تو پاکستان بننے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ذیل میں ڈاکٹر اقبال کے برٹش گورنمنٹ کی مدح میں بہت سے اشعار میں سے چند منتخب اشعار اس جگہ نقل کر دوں جس سے قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال بھی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی زندگی میں انگریزوں کے مدح خوان تھے۔ ہم ان پر منافقت کا الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر اقبال نے "اشک خون" دس صفحات کا ایک لمبا مرثیہ دس بندوں میں لکھا۔ اس میں لکھتے ہیں ؎

میت اُٹھی ہے شاہ کی تعظیم کے لئے

اقبال اُڑ کے خاک سر راہ گزار ہو

ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء کو ہوا۔ اتفاق سے اُس روز عید الفطر تھی اسلئے سر اقبال نے لکھا:۔

؎

آئی اِدھر نشاط اُدھر غم بھی آ گیا
کل عید تھی تو آج محرم بھی آ گیا
(باقیاتِ اقبال صفحہ ۷۰)

کہتے ہیں آج عید ہوتی ہے ہُوا کرے
اِس عید سے تو موت ہی آئے خدا کرے

اس روز رنج و غم سے تو آسان بھی یہی
محشر کی صبح ہو نہ گئی آشکار آج
(صفحہ ۷۶)

دل کا تو ذکر کیا ہے کہ دل کا قرار بھی
سیماب کی طرح سے ہُوا بے قرار آج
مثلِ سموم تھی یہ خبر کس کی موت کی
گلزارِ دل میں آ کے لگے غم کے خار آج
اقلیمِ دل کی آہ شہنشاہ چل بسی
ماتم کدہ بنا ہے دلِ داغدار آج
(صفحہ ۷۷-۷۸)

اے ہند تیری چاہنے والی گزر گئی
غم ہیں ترے کراہنے والی گزر گئی
دردِ اجل کی تاک بھی کیسی غضب کی تھی
انگشتری جو دل کے نگینے کی تھی گئی

اے ہند تیرے سر سے اُٹھا سایۂ خدا
اِک غمگسار تیرے مکینوں کی تھی گئی
(باقیاتِ اقبال ص ۸۰-۸۱)

لکھتا ہوں شعر دیدۂ خوں بار سے مگر
کاغذ کو رشکِ باغِ گلستاں کیے ہوئے
برطانیہ تو آج گلے مل کے ہم سے رو
سامانِ بحر ریزیٔ طوفاں لیے ہوئے
(ص ۸۵-۸۶)

شہرہ ہوا جہاں میں کسی کی وفات کا
ہے سرورق سیاہ بیاضِ حیات کا
(ص ۸۸)

دو نی تھی جن کی شان سے ہیروں کی آبرو
وہ آج کر گئے ہیں جہاں سے سفر کہیں
اے کوہِ نور تو نے تو دیکھے ہیں تاجور
دیکھا ہے اس طرح کا کوئی تاجور کہیں
دیتے ہیں تجھ کو دامنِ کہسار کی قسم
اس شان کا ملا ہے تجھے دادگر کہیں
بن کر چراغ سارے زمانے میں ڈھونڈنا
کیا ہمیں بھی ایسا جو آئے نظر کہیں

تو کیا کسی پہ گوہرِ جاں تک نثار تھے
پیدا جہاں میں ہوتے ہیں ایسے بشر کہیں
ملتا ہے جس سے عرش پہ رونا اسی کا ہے
زینت تھی جس سے تجھ کو جنازہ اسی کا ہے
(باقیاتِ اقبال صفحہ ۸۹-۹۰)

جس کا دلوں پہ راج ہو مرتا نہیں کبھی
صدیاں ہزار گردشِ دوراں گزار دے
وکٹوریہ نہ مُردہ کہ نام نکو گزاشت
ہے زندگی یہی جسے پروردگار دے
(صفحہ ۹۱)

مرحوم کے نصیب ثوابِ جزیل ہو
ہاتھوں میں اپنے دامنِ صبرِ جمیل ہو

انجمن حمایت اسلام کے جلسہ سنہ ۱۹۰۱ء میں ہز آنر سر میکورتھ ینگ لفٹیننٹ گورنر پنجاب اور ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب ڈبلیو۔ بل تشریف لائے۔ اقبال نے اس موقعہ پر خیر مقدم کی نظم پڑھی جس کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :-

ع

خوشا نصیب وہ گوہر ہے آج زینتِ بزم
کہ جس کی شان سے ہے آبروئے تاجِ وسریر

وہ کون زیب دہِ تختِ صوبۂ پنجاب
کہ جس کے ہاتھ نے کی قصرِ عدل کی تعمیر
(باقیاتِ اقبال ص ۹۵-۹۹)

جو بزم اپنی ہے طاعت کے رنگ میں رنگین
تو درس گاہِ رموز و وفا کی ہے تفسیر
اسی اصول کو ہم کیمیا سمجھتے ہیں
نہیں ہے غیرِ اطاعت جہان میں اکسیر

دسمبر ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کے موقعہ پر یادگار کے طور پر "ہمارا تاجدار" نظم لکھ کر پڑھی :-

ہمائے اوجِ سعادت ہوا شکار اپنا
کہ تاج پوش ہوا آج تاجدار اپنا
اسی کے دم سے ہے عزت ہماری قوموں میں
اسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا
اسی سے عہدِ وفا ہندیوں نے باندھا ہے
اسی کے خاکِ قدم پر ہے دل نثار اپنا
(باقیاتِ اقبال ص ۲۰۶ بحوالہ مخزن جنوری ۱۹۱۲ء)

جنگِ عظیم کے دوران سر مائیکل اڈوائر گورنر پنجاب کی فرمائش پر ایک نظم لکھی جو ۱۹۱۸ء کے ایک مشاعرہ میں پڑھی گئی۔ اس میں سے چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

وقت آگیا ہے گرم ہو میدانِ کارزار　　پنجاب ہے مخاطبِ پیغامِ شہریار
اہلِ وفا کے جوہرِ پنہاں ہوں آشکار　　معمور ہو سپاہ سے پہنائے روزگار

تاجر کا زر ہو اور سپاہی کا زور ہو

غالب جہاں میں سطوتِ شاہی کا زور ہو

اہلِ وفا کا کام ہے دنیا میں سوز و ساز　　بے نور ہے وہ شمع جو ہوتی نہیں گداز
پردے میں موت کے ہے نہاں زندگی کا راز　　سرمایۂ حقیقتِ کبریٰ ہے یہ مجاز

سمجھو کہ موت ایک مقامِ حیات ہے

قوموں کے واسطے یہ پیامِ حیات ہے

اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض

خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض

عہدِ وفا و مہر و محبت بھی بے غرض

تختِ شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض

لیکن خیالِ فطرتِ انساں ضرور ہے

ہندوستاں پہ لطفِ نمایاں ضرور ہے

جب تک چمن کی جلوۂ گل پر اساس ہے　　جب تک فروغِ لالۂ احمر لباس ہے
جب تک نسیمِ صبح عنادل کو راس ہے　　جب تک کلی کو قطرۂ شبنم کی پیاس ہے

قائم رہے حکومتِ آئین اسی طرح

دبتا رہے چکور سے شاہین اسی طرح

(باقیاتِ اقبال صـ ۲۱۶ تا ۲۱۹)

ہماری نصیحت ہم مولوی ابوالحسن صاحب کو خیر خواہانہ مشورہ دیتے ہیں کہ خدائی فیصلہ سے ٹکّر نہ لیں۔ جس مسیح موعود کا بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں مقصود تھا وہ آچکا اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ ادیانِ باطلہ پر غلبہ کا آپؑ کے ذریعہ ہی پورا ہوگا۔ آپؑ فرماتے ہیں ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتحِ نمایاں بنامِ ما باشد

مسیح موعودؑ کی سترہ پیشگوئیاں ایک غیر جانبدار محقق کے قلم سے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حٰم ع)

ترجمہ: ہم ان لوگوں کو نشانات آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی۔ یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل جائیگی کہ یہ سچ ہے۔

اس آیت میں نشانات سے مراد وہ امورِ غیبیہ ہیں جو ماموریں اللہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کی تائید و نصرت کے لئے عطا ہوتے ہیں۔ یہ امورِ غیبیہ خدا تعالیٰ کے خالص غیب پر مشتمل ہوتے ہیں جن میں قیاس اور تخمینے کا کوئی دخل متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا

ہے:-

عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انعام ع)

یعنی الغیب کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں۔ اُسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ وہ فرماتا ہے:-

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۂ جن ع۲)

یعنی خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا۔ بجز اس کے جو اُس کا برگزیدہ رسول ہو۔

پس جو شخص مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرے اس کے پرکھنے کا ایک معیار اس کے نشانات بھی ہوتے ہیں جو تبلیغِ حق کا موجب ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سی پیشگوئیاں جو آفاقی اور انفسی ہیں محیر العقول طور پر پوری ہو چکی ہیں۔ پس ان الہامات کا سرچشمہ جو اس طرح پورے ہو چکے ہوں نہ تحت الشعور اور ماحول کو قرار دیا جا سکتا ہے جس میں مامور نے تربیت پائی ہو اور نہ قوم کا روحانی افلاس اور انگریزوں کا اقتدارِ اعلیٰ اُن کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا سرچشمہ صرف خدا تعالیٰ ہے۔

اس جگہ ہم حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی کثرہ پیشگوئیاں ایک غیر جانبدار مبصر کے رسالہ "اظہارِ حق" سے نقل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ رسالہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب فاروقی جالندھری نے تقسیم ہند سے قبل نذیر پرنٹنگ پریس

امرتسر میں باہتمام سید مسلم حسن زیدی پرنٹر طبع کرا کر شائع کیا تھا۔ اس میں جماعت احمدیہ کے عقائد اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی پیشگوئیوں کے متعلق اپنی غیر جانبدارانہ تحقیق علماء اسلام کے سامنے بطور استفسار پیش کی تھی۔ یہ رسالہ ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ مبصر موصوف اس رسالہ کے ص۸ اور ص۹ پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی پیشگوئیوں کو آٹھ قسم کی قرار دیکر آٹھویں قسم کے متعلق لکھتے ہیں :-

"بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہیں جو حیرت انگیز طریق پر پوری ہوئیں اور اُن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص کئی سال پہلے ایسی محیّر العقول باتیں کہہ دے جن کی نسبت بظاہر کوئی قرائن موجود نہ ہوں"

اس کے بعد مبصر موصوف جماعت احمدیہ کے بعض عقائد کو زیر بحث لانے اور اُن کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنے کے بعد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی کشتہ پیشگوئیاں درج کرتے ہیں اور اپنے رسالہ کے ص۱۳ پر اُن کے درج کرنے سے پہلے لکھتے ہیں :-

"آپ کے اس دعوٰی (غیر تشریعی، اُمتی، ظلی اور بروزی نبی) کے ثبوت میں احمدی حضرات مرزا صاحب کے الہامات اور پیشگوئیاں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض پیشگوئیاں واقعی محیّر العقول ہیں۔ جنہیں ہم درج کرتے ہوئے علماء اسلام سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک معمولی انسان جس کا

خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو کیونکر بعض آنے والے واقعات کی خبر کئی سال پیشتر دے سکتا ہے؟ ہم علمائے اسلام کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ جذبات سے قطع نظر فرماتے ہوئے دلائل سے ثابت کریں کہ اس قسم کی پیشگوئیوں کا ظہور کسی ایسے انسان سے کیونکر ہو سکتا ہے جو اپنے دعویٰ میں سچا نہ ہو۔" (اظہارِ حق صد۲!)

اب ہم رسالہ اظہارِ حق سے مولوی سمیع اللہ صاحب فاروقی کے مضمون کا وہ حصہ ذیل میں درج کرتے ہیں جو مرزا صاحب کی پیشگوئیاں کے عنوان کے تحت انہوں نے لکھا ہے:۔

مرزا صاحب کی پیشگوئیاں

(۱) ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرنے سے پہلے میرا مومن ہونا تسلیم کر لیں گے۔ اس پیشگوئی کے پورے بیس برس بعد ۱۹۱۴ء میں جب کہ مرزا صاحب کو فوت ہوئے چھ برس گزر چکے تھے گوجرانوالہ کی ایک عدالت میں بیان دیتے ہوئے تسلیم کر لیا کہ فرقہ احمدیہ بھی قرآن اور حدیث کو مانتا ہے اور ہمارا فرقہ کسی ایسے فرقے کو جو قرآن اور حدیث کو مانے کافر نہیں کہتا۔

(دیکھو مقدمہ نمبر ۱۲ بعدالت ڈالہ زید کی سند مجسٹریٹ درجہ اول)

واضح رہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ آپ نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے تھے۔ عین اس زمانہ میں مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مولانا موصوف وفات سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مولوی صاحب کو عدالت میں یہ بیان دینا پڑا کہ اُن کا فرقہ جماعت مرزائیہ کو مطلقاً کافر نہیں کہتا۔ یہ ایک ایسا بدیہی نشان ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

(۲) پنڈت لیکھرام کی وفات کی مرزا صاحب نے پیشگوئی کی اور کہا کہ "عید اس نشان کے دن سے بہت قریب ہوگی"۔ یعنی لیکھرام کی وفات اور عید کا دن متصل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور پنڈت لیکھرام عید کے دوسرے دن مقتول ہوئے۔ یقیناً یہ بات انسان کے بس کی نہیں ہے۔ ایک شخص عرصہ پہلے یہ کہدے کہ فلاں شخص فلاں موقعہ پر قتل ہوگا اور پھر ایسا ہی ہو۔ یقیناً اس قسم کے واقعات انسانی عقل سے بہت بالا ہیں۔

(۳) ۲۶-۲۷-۲۸ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو لاہور میں جلسہ مذاہب ہونے والا تھا جس میں دوسرے مذاہب کے نمائندوں کے علاوہ مرزا صاحب نے بھی تقریر کرنی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو مرزا صاحب کو بقول اُن کے اللہ تعالیٰ سے اطلاع ملی کہ اُن کا مضمون سب سے بلند رہے گا چنانچہ اسی روز آپ نے اشتہار کے ذریعہ اعلان بھی کر دیا کہ ہمارا ہی مضمون غالب رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب کا مضمون سب پر غالب رہا۔ اور سول ملٹری گزٹ پنجاب، آبزرور اور دوسری اخباروں نے صاف صاف

لکھ دیا کہ مرزا صاحب کا مضمون بہت بلند تھا۔ خود صدر جلسہ نے جلسہ کی کارروائی کی جو رپورٹ مرتب کی اس میں بھی اس مضمون کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔

یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جنہیں اتفاقی کہا جائے۔ ایک شخص کئی روز پہلے یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کا مضمون سب پر بازی لے جائے گا۔ حالانکہ دوسرے مقرر بھی کچھ کم پایہ کے لوگ نہ تھے۔ بالضرور اس میں تصرف الہٰی کے کرشمے موجود ہیں۔

(۴) ۲۲ مئی ۱۹۰۵ء کو آپ نے رؤیا دیکھا۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ نادر خان ابھی بچہ ہی ہوگا۔ اور اس وقت دنیا کے تمام بادشاہوں میں کوئی نادر شاہ بادشاہ نہ تھا۔ لیکن حیرانی ہے کہ بعد میں ایک شخص غیر متوقع طور پر نادر خان سے نادر شاہ بنا اور وہ طبعی موت سے بھی نہ مرا۔ بلکہ ایسے طریق سے قتل ہوا کہ اس وقت ہر زبان پر یہی الفاظ جاری تھے کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"

یہ اس قسم کی باتیں ہیں جنہیں کوئی انسان قرائن سے نہیں سمجھ سکتا اور بغیر تصرفِ الٰہی کے سنہ ۱۹۳۰ء میں ہونے والے ایک واقعہ کی خبر سنہ ۱۹۰۵ء میں دینا ناممکن ہے۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس اطلاع میں خدا تعالیٰ کا تصرف کام کر رہا تھا۔

(۵) مرزا صاحب کو الہام ہوتا ہے غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ الخ اور یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی ہے۔ اگر تصرف الٰہی کام نہیں کرتا تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص عرصہ پہلے ایک ایسی

بات کہہ دے جس کے حصول میں اُسے مطلق کوئی دسترس حاصل نہ ہو اور پھر وہ بات بجنسہٖ پوری بھی ہو جائے۔ روم کے معاملہ میں مرزا صاحب یا آپ کی جماعت کو ذرہ بھر بھی دخل حاصل نہ تھا۔ روم کے مغلوب ہونے میں مرزائیوں کا کچھ بھی ہاتھ نہ ہو سکتا تھا اور پھر مغلوب ہونے کے بعد دوبارہ غلبہ حاصل کرنے میں بھی مرزائیوں کی کوئی طاقت بر روئے کار نہ آسکتی تھی۔ لیکن اس کامل بے بسی کے عالم میں محولہ بالا پیشگوئی کی گئی جس نے تھوڑا ہی عرصہ بعد پوری ہو کر لوگوں کو محوِ حیرت کر دیا۔

(۶) دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملتی ہے کہ "میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اس کے ذریعہ حق ترقی کرے گا اور بہت سے لوگ سچائی قبول کریں گے۔"

اس پیشگوئی کو پڑھو اور بار بار پڑھو۔ اور پھر ایمان سے کہو کہ کیا یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی ہے اس وقت موجودہ خلیفہ ابھی بچے ہی تھے اور مرزا صاحب کی جانب سے انہیں خلیفہ مقرر کرانے کے لئے کسی قسم کی وصیت بھی کی گئی تھی بلکہ خلافت کا انتخاب رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اکثریت نے حکیم نورالدین صاحب کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ جس پر مخالفین نے محولہ صدر پیشگوئی کا مذاق بھی اڑایا۔ لیکن حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفہ مقرر ہوئے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کے زمانہ میں احمدیت نے جس قدر ترقی کی وہ

حیرت انگیز ہے۔

خود مرزا صاحب کے وقت میں احمدیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ خلیفہ نورالدین صاحب کے وقت میں بھی خاص ترقی نہ ہوئی تھی لیکن موجودہ خلیفہ کے وقت میں مرزائیت قریباً دنیا کے ہر خطہ تک پہنچ گئی اور حالات یہ بتلاتے ہیں کہ آئندہ مردم شماری میں مرزائیوں کی تعداد ۱۹۳۱ء کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ ہوگی بلکہ اس عہد میں مخالفین کی جانب سے مرزائیت کے استیصال کے لئے جس قدر منظم کوششیں ہوئی ہیں پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں۔

الغرض آپ کی ذریت میں سے ایک شخص پیشگوئی کے مطابق جماعت کے انتظام کے لئے قائم کیا گیا اور اس کے ذریعہ سے جماعت کو حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی بھی من وعن پوری ہوئی۔

(۷) اپریل ۱۹۰۶ء میں آپ کو اطلاع ملی کہ "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" اس پیشگوئی کی اشاعت سے تھوڑا ہی عرصہ بعد شاہ ایران تخت سے معزول کئے گئے اور یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔

(۸) ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وائسرائے بہادر کے اس اقدام سے بنگالی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ بنگال کو دوبارہ متحد کر دیا جائے۔ وائسرائے نے انکار کیا۔ بنگالیوں نے انارکی شروع کر دی۔ چنانچہ صوبہ بنگال میں تشدد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ انارکسٹ پارٹی نے بم سازی اور بمباری

شروع کر دی۔ کئی انگریزوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ پولیٹیکل ڈاکوؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ الغرض بنگال کی حالت بے حد خطرناک ہو گئی۔ لیکن وائسرائے بہادر نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ وہ تقسیم بنگال کو ہرگز منسوخ نہ کریں گے۔ اس حالت میں کون سمجھ سکتا تھا کہ وائسرائے کا یہ حکم منسوخ ہو جائے گا۔ اور بنگالیوں کی دلجوئی ہو گی۔

مگر قارئین متعجب ہوں گے کہ ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کو اطلاع ملی کہ "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہو گی"

اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے یہی کہا جاتا تھا کہ اس حکم میں کوئی ترمیم نہ ہو گی لیکن ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم ہندوستان میں تشریف لائے اور آپ نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کر دی۔ گویا پانچ سال بعد خود بادشاہ کے ہاتھوں مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری ہو گئی یقیناً اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں صاحب نظر لوگوں کے لئے ایک سبق ہے اور اصحاب دانش کے لئے غور و فکر کا موقعہ ہے۔

(۹) ۲۹ جولائی ۱۸۹۷ء کو آپ نے دیکھا کہ حکام کی طرف سے ڈرانے کی کچھ کارروائی ہو گی۔ پھر آپ نے دیکھا کہ مومنوں پر ایک ابتلا آیا پھر تیسری مرتبہ ایک اور اطلاع ملی کہ ؎

صادق آں باشد کہ ایام بلا ⁂ میگذارد با محبت با وفا

ان تمام اطلاعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالحمید نامی ایک شخص نے عدالت فوجداری امرتسر میں یہ بیان دیا کہ مجھے مرزا غلام احمد نے ڈاکٹر ہنری مارٹن

کو قتل کرنے پر متعین کیا ہے۔ اس بیان پر مجسٹریٹ امرتسر نے مرزا صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ لیکن بعد میں مجسٹریٹ کو معلوم ہوا کہ وہ وارنٹ کے اجراء کا مجاز نہ تھا۔ چنانچہ اس نے وارنٹ واپس منگوائے اور مسل گورداسپور بھجوا دی۔ جس پر صاحب ضلع نے مرزا جی کو ایک معمولی سمن کے ذریعے طلب کیا۔ یہاں خدا کا کرنا یہ ہوا کہ خود عبدالحمید نے عدالت میں اقرار کر لیا کہ عیسائیوں نے مجھ سے یہ جھوٹا بیان دلوایا تھا۔ ورنہ مجھے مرزا صاحب نے قتل کے لئے کوئی ترغیب نہیں دی۔ مجسٹریٹ نے یہ بیان سن کر مرزا صاحب کو بری کر دیا اور اس طرح سے مذکورہ بالا اطلاعات پوری ہوئیں۔

(۱۰) امریکہ کا ایک عیسائی ڈوئی نامی جو اسلام کا سخت دشمن تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب نے اس کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنے دعویٰ سے باز آ جائے مگر وہ باز نہ آیا بلکہ مرزا صاحب اور ڈوئی کے درمیان مباہلہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو نقد سارت کروڑ روپیہ کا نقصان پہنچا۔ اس کی بیوی اور بیٹا اس کے دشمن ہو گئے۔ اس پر فالج کا حملہ ہوا اور بالآخر وہ پاگل ہو کر مارچ ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گیا۔ اس سے پہلے اگست ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کو یہ اطلاع ملی تھی کہ "اس کے صیحون پر عنقریب ایک آفت آنے والی ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آباد کردہ شہر صیحون سے نہایت ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔

اس مباہلہ اور اطلاع سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں

من وعن پوری ہوئیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ہونا محض ایک اتفاقی بات تھی یا اس کے ساتھ خدائی امداد شامل تھی؟ حالات اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں کہ یہ باتیں اتفاقی نہ تھیں بلکہ بتلانے والے کا تصرف اس کے ساتھ شامل تھا۔ اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تصرفاتِ الٰہی سے کسی خائن اور کاذب کی بھی امداد ہوا کرتی ہے؟ یقیناً یہ بات فطرۃ اللہ کے قطعاً خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کا صحیح نکلنا ان کی صداقت پر اٹل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱۱) مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا ایک دعویٰ گورداسپور کی عدالت میں دائر کیا۔ بنائے دعویٰ مرزا صاحب کے یہ الفاظ تھے جو انہوں نے مولوی کرم الدین کے خلاف استعمال کئے تھے۔ یعنی لئیم اور کذّاب۔ عدالت ابتدائی نے مرزا صاحب کو ملزم قرار دیتے ہوئے سزا دیدی۔ لیکن مرزا صاحب کو اطلاع ملی۔ "ہم نے تمہارے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ ہم کسی اور سے تعنے کو پسند نہیں کرتے ..... ان کی کوئی شہادت قبول نہیں کی جائے گی"۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے اپیل دائر کی جس پر صاحب ڈویژنل جج نے لکھا کہ کذّاب اور لئیم کے الفاظ کرم الدین کے حسبِ حال ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب کو بری کر دیا۔

(۱۲) محولہ بالا مقدمہ کے مجسٹریٹ سماعت کنندہ مسٹر آتما رام کے متعلق مرزا صاحب کو اطلاع ملی کہ آتما رام اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیس پچیس دن کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے اس کے

دو بیٹے وفات پا گئے۔

(۱۳) اپریل ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملی کہ

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار"

یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب زار اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ روس کے کروڑہا بندگانِ خدا پر خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا لیکن چند ہی سال بعد انقلابِ روس کے موقعہ پر بالشویکوں کے ہاتھ سے زارِ روس کی جو گت بنی وہ نہایت ہی عبرت انگیز ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا خود مختار بادشاہ پابہ جولاں ہے۔ اسکے خاندان کے تمام ارکان پابندِ سلاسل ہیں۔ اور باغی اپنی سنگینوں اور بندوقوں سے خاندانِ شاہی کے ایک ایک رکن کو ہلاک کرتے ہیں۔ جب زار کے تمام بچوں اور بیوی کو باغی تڑپا تڑپا کر مار چکتے ہیں تو زار کو نہایت بے رحمانہ طریق پر قتل کر دیتے ہیں۔

(۱۴) ۱۸۷۷ء کی بات ہے کہ مرزا صاحب نے عالمِ رؤیا میں دیکھا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھے بھیجا ہے اور میں نے اُسے مچھلی کی طرح تل کر واپس کر دیا ہے۔ اس رؤیا کے بعد مرزا صاحب نے رلیا رام وکیل کے اخبار میں چھپنے کے لئے ایک مضمون بھیجا اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا (مرزا صاحب کو یہ علم نہ تھا کہ پیکٹ میں خط رکھنا قانونِ ڈاکخانہ کی رُو سے جُرم ہے) رلیا رام وکیل جانتا تھا کہ مرزا صاحب کا یہ فعل قانونی طور پر جرم ہے اور اس کی سزا پانچصد روپیہ جرمانہ اور چھ ماہ قید ہے۔

رلیا رام نے اس خط کی مخبری کر دی۔ جس پر افسران ڈاک نے مرزا صاحب پر مقدمہ چلا دیا۔ عدالت گورداسپور سے طلبی ہوئی۔ مرزا صاحب نے وکیلوں سے مشورہ کیا تو ان سب نے یہی کہا کہ سوائے جھوٹ بولنے کے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن مرزا صاحب نے جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا بلکہ عدالت میں اقبال کیا کہ یہ میرا خط ہے۔ پیکٹ بھی میرا ہے۔ میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا۔ افسر ڈاکخانہ نے جو مدعی تھا مرزا صاحب کو پھنسانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اس کے دلائل کا عدالت پر کچھ اثر نہ ہوا۔ چنانچہ عدالت نے مرزا صاحب کو بری کر دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عرصہ پہلے رلیا رام کا سانپ بھیجنا اور مرزا صاحب کا ٹلی ہوئی مچھلی لوٹانا اور پھر اس مقدمہ کا رلیا رام کے ہاتھ سے ہی شروع ہونا اور مرزا صاحب کا باعزت طریق پر بری ہونا اپنے اندر کئی سبق رکھتا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص اٹکل پچو طریق پر ایسی پیشگوئی کر دے۔ جو حرف بحرف پوری ہو کر رہے۔

چشم بصیرت رکھنے والے لوگوں کے لئے ان پیشگوئیوں کی صداقت میں شبہ کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگ کیوں مرزا دشمنی میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اور ایسے شواہد کی جانب سے چشم پوشی کر رہے ہیں جن کی تکذیب محال ہے۔ علمائے اسلام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ بتلائیں کہ کئی کئی سال پہلے پتہ کی باتیں کہہ دینا سوائے تائید خداوندی کے کسی اور صورت میں بھی ممکن ہے؟ اگر نہیں تو ایک ایسے

بڑے بڑے لوگ مرزائیت کے حلقہ بگوش بن رہے ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں بادی النظر میں معمولی معلوم ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ایک شخص کا اتنا بڑا دعویٰ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ چند سال بعد ہی مرزائیوں میں اتنی قوت و طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وہ لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ سے اپنے مبلغ بلاد یورپ میں بھجوا دیں گے اور پھر کون سمجھ سکتا تھا کہ بڑے بڑے لارڈ مرزائیت کو قبول کرلیں گے۔ یہ تمام باتیں دُور از فہم تھیں جو آج بڑی حد تک پوری ہو چکی ہیں۔ اور آثار و قرائن بتلاتے ہیں کہ بہت جلد یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہے گی۔

ان حالات کے مطالعہ سے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو کئی سال پہلے ایک ایسی بات منہ سے نکلوا دیتی ہے جو آخر کار پوری ہو کر رہتی ہے۔ کاش اہل خرد سوچیں اور علمائے اسلام دلائلِ عقلی سے ثابت کریں کہ کیونکر ایک کاذب ایسی ٹھکانے کی بات کہہ سکتا ہے اور پوری کمزوری کے عالم میں کس طرح ایک مفتری کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر دے کہ اُسے عزت اور غلبہ حاصل ہوگا۔

ہم مان لیتے ہیں کہ ایک خدا کا خوف نہ رکھنے والا انسان اتنا بڑا طوفان باندھ سکتا ہے۔ لیکن کیا خدائے تعالیٰ کی یہ عادت ہے۔ کہ وہ مفتریوں اور خائنوں کی تائید اور حمایت کرے۔ کیا خدائے تعالےٰ

کذب اور زور کی بھی سرپرستی کیا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کے دعاوی اور پیشگوئیاں وضعی اور جعلی نہ تھیں بلکہ وہ خدا کی طرف سے تھیں۔

(۱۷) نواب محمد علی خان آف مالیر کوٹلہ کی بیوی ابھی تندرست تھیں، کہ مرزا صاحب کو اُن کی وفات کی اطلاع ملی۔ اور اس کے ساتھ ہی دکھلایا گیا کہ

"دردناک دُکھ اور دردناک واقعہ"

اس کی اطلاع نواب صاحب کو دی گئی۔ خدا کی قدرت کوئی چھ ماہ بعد بیگم صاحبہ کو سل کا عارضہ لاحق ہو گیا اور آپ کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔

ظاہر ہے کہ سل کا مرض نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے اور اس مرض کا مریض دردناک دُکھ میں مبتلا ہو کر راہیٔ ملکِ عدم ہوتا ہے۔

بیگم صاحبہ کی صحت کی حالت میں اس قسم کی اطلاع کی اشاعت یقینِ کامل کے بغیر ناممکن ہے۔ اور یقینِ کامل خدا پر مضبوط ایمان اور اس کی جانب سے حتمی اطلاع کے بغیر محال ہے۔ ان تمام واقعات سے یہ امر سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کو شرحِ صدر حاصل تھا اور آپ کو مکالمہ و مکاشفہ کا شرف حاصل تھا۔

کون بدبخت کہہ سکتا ہے کہ خدا پر جھوٹ باندھنے والا بھی دُنیا میں کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے اور اس کا سلسلہ روز افزوں ترقی کر سکتا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی مسلسل ترقیاں اور اس جماعت کی پیہم کامیابیاں اس

امر کی روشن دلیل ہیں کہ نصرت الٰہی ان کے ساتھ ہے۔ خود مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

محولہ بالا شعر ہی بتلاتا ہے کہ مرزا صاحب کو خدائے تعالیٰ پر کامل توکل اور پورا بھروسہ تھا ورنہ جس کی طبیعت کے اندر گندگی اور پلیدگی ہو اُسے کیونکر جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اعلان کرے کہ نصرتِ الٰہی گندوں کے لئے نہیں بلکہ پاک بازوں کے لئے ہے۔

الغرض اس قسم کی بیسیوں پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہوئیں اور جن کے اندر عظیم الشان نشانات موجود ہیں۔ ان واقعات کے متعلق اس امر کا اقرار ناگزیر ہے کہ مرزا صاحب کو ضرور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل تھا۔"

مولوی ابوالحسن صاحب کی بانیٔ احمدیت کی وفات کے متعلق غلط بیانی

ہم نے قرآنی معیاروں اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے روشن نشانوں سے آپ کے دعویٰ کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ مگر مولوی ابوالحسن صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کو غلط رنگ میں پیش

کرکے آپ کی صداقت پر دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے وہ لکھتے ہیں :۔

"مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے[1] اسلام نے ان کی تردید و مخالفت شروع کی۔ تردید و مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر اہل حدیث پیش پیش اور نمایاں تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا۔ جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا...... اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔" (قادیانیت صد ۲۹)

اس کے بعد مولوی ابوالحسن صاحب نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مولوی

---

[1] علمائے اسلام نے تو مسیح موعود کے دعویٰ پر مخالفت شروع کر دی تھی نہ کہ ۱۹۰۱ء میں۔ پھر ۱۹۰۱ء میں بھی آپ نے نبوتِ تشریعی اور نبوتِ مستقلہ کا دعویٰ نہیں کیا۔ صرف آپ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ آپ کی نبوت کا مقام محدثیت سے بالا ہے۔

ثناء اللہ صاحب سے پہلے ۲۶ ؍مئی ۱۹۰۸ء کو وفات پا جانے کا ذکر کیا ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے :-

"مولانا نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵؍مارچ ۱۹۴۸ء میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔"

مولوی ابوالحسن صاحب کی حق پوشی

مولوی ابوالحسن صاحب پر واضح ہو کہ محولہ خط میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں۔" اور جو اقتباس آپ نے پیش کیا ہے اس میں "سنّت اللہ کے موافق مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ اور سنّت اللہ یہ ہے کہ فریقین میں مباہلہ واقع ہو جائے تو پھر جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو سکتا ہے۔ ویسے تو انبیاء وفات پاتے رہے اور ان کے بعد ان کے اشد مخالفین زندہ رہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور مسیلمہ کذّاب آپ کے بعد زندہ رہا۔ پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب جنہیں اس خط میں مخاطب کیا گیا تھا اس فیصلہ پر مستعد ہو جاتے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو اور اس صورت میں مولوی ثناء اللہ کی بجائے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات پہلے ہو جاتی تو پھر مولوی ابوالحسن صاحب کو آپ کی تکذیب کا حق پہنچ سکتا تھا لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب نے تو اس خط کو اپنے اخبار میں چھاپ کر اس کے نیچے صاف لکھ دیا تھا :-

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔" (اہلحدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء)

پس جب فریقین کے درمیان اس طریقِ فیصلہ پر اتفاق ہی نہیں ہوا تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خط کے مسودہ کو اُن کے خلاف حجت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب اس طریق فیصلہ پر مستعد ہو جاتے کہ کاذب صادق سے پہلے مرے تو وہ ضرور پہلے مرتے۔ اور جب خود مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس طریق فیصلہ کو قبول نہیں کیا تو خط کا یہ مسودہ حجت نہ رہا۔ کیونکہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہ تھی اور سنّت اللہ کے مطابق مباہلہ کے وقوع پر ہی کاذب صادق سے پہلے مر سکتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک سوال پر خود فرماتے ہیں:۔

"یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے تھے؟ ہزاروں اعداء آپؐ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ویسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ

دیئے ہیں۔ کیا کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے کہ سب اعداء مر گئے ہوں بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے۔

ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھنا چاہیئے کہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔" (الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء ص ۹)

پس مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو جو خط لکھا گیا تھا وہ بھی مباہلہ کا مسوّدہ تھا۔ اور چونکہ فریقین میں مباہلہ وقوع میں نہیں آیا کیونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس طریق فیصلہ کو منظور نہ کیا تھا۔ اسلئے مولوی ابوالحسن صاحب کا اس خط کی تحریر کو یک طرفہ پیش کرنا اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کا جو جواب دیا تھا اسے پبلک سے مخفی رکھنا محض حق پوشی اور ناحق کوشی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق ہوئی ہے جو آپ کے رسالہ الوصیت میں درج ہیں جس میں یہ الہام بھی درج ہے کہ قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّر۔ قَلَّ مِیعَادُ رَبِّکَ۔ لہذا مولوی ابوالحسن صاحب نے آپ کی وفات کے معاملہ کو غلط رنگ میں پیش کر کے انصاف کا خون کیا ہے۔

آپ کی وفات ہیضہ سے بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ

" سے ظاہر ہے کہ آپ کی وفات اسہال کی پُرانی بیماری کی وجہ سے واقعہ ہوئی تھی۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی روایت بوجہ اعادہ روایت ہونے کے قابلِ قبول نہیں۔ مریض کے اپنی مرض کے متعلق اپنے بیان کے مقابلہ میں ڈاکٹروں کی رائے ہی وقیع قرار دی جاسکتی ہے۔ بہت ممکن ہے حضرت میر ناصر نواب صاحب سے حضرت اقدس ؑ نے استفہاماً و استخباراً وبائی ہیضہ کا ذکر کیا ہو جسے وہ جملہ خبریہ سمجھ بیٹھے اور روایت کر دیا۔ بہرحال یہ روایت میڈیکل سرٹیفکیٹ کی رُو سے بصورت جملہ خبریہ مردود ہے۔

تنقیدی جائزہ کی فصل سوم پر ہماری تنقید!

تنقیدی جائزہ کی فصل سوم میں "قادیانیت کی لاہوری شاخ اور اس کا عقیدہ اور تفصیل" کے عنوان کے تحت مولوی ابوالحسن صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مخاطب احمدیوں کا لاہوری فریق ہے۔ اس میں انہوں نے ہماری شاخ کے متعلق لکھا ہے :۔

"اس شاخ نے واضح اور قطعی موقف اختیار کیا ہے اور اپنی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کے منشاء کی صحیح ترجمانی و نمائندگی اور اُن کی تعلیمات و تصریحات کی محض صدائے بازگشت ہے۔ لیکن لاہوری شاخ کا موقف (جس کی قیادت مولوی محمد علی صاحب کرتے ہیں) بڑا عجیب اور ناقابلِ فہم ہے۔"

(قادیانیت صفحہ ۲۰۱-۲۰۲)

واضح ہو کہ مولوی ابوالحسن صاحب کو لاہوری شاخ کا موقف سمجھانا اور اُسے قابلِ فہم ظاہر کرنا "لاہوری شاخ" کا کام ہے۔ جہاں تک اُن سے بحثوں کے نتیجہ میں ہم سمجھتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت میں ان کی ہم سے محض لفظی نزاع ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب لاہوری شاخ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"وہ ثابت کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہیں اصطلاحی نبوت

کا دعویٰ نہیں کیا۔"

اس بارہ میں واضح ہو کہ اصطلاحی نبوت سے مراد لاہوری شاخ کی تشریعی اور مستقلہ نبوت ہوتی ہے یعنی ایسی نبوت جس کا حامل کامل شریعت یا بعض احکام جدیدہ لائے یا کسی دوسرے نبی کا اُمتی نہ ہو۔ اس قسم کا نبی ہماری جماعت بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہیں جانتی کیونکہ اس قسم کی نبوت کا آپ نے کہیں اور کسی وقت بھی دعویٰ نہیں کیا۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمتی۔ اور یہ مقام آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیتِ کاملہ کی وجہ سے ملا ہے ـــــ لاہوری شاخ کو بھی اِس سے انکار نہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی طرف جو مستقل تشریعی نبوت کا دعویٰ منسوب کیا ہے اُسے ہماری جماعت اور لاہوری شاخ ہر دو مفتریانہ الزام جانتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے معنی دونوں فریق کے نزدیک مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور امورِ غیبیہ کی کثرت ہیں۔ ہم میں دراں میں نزاع صرف اِس بات میں ہے کہ لاہوری شاخ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کو محدثیت کے مقام تک محدود قرار دیتی ہے اور ہماری جماعت آپ کا مقام محدثینِ اُمت سے بالاتر یقین کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں

خود تحریر فرماتے ہیں :۔

"جس کے ہاتھ پر اخبارِ غیبیہ من جانب اللہ ظاہر ہوں گے بالضرورت اس پر مطابق آیت لا یظھر علیٰ غیبہ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔"

نیز لکھتے ہیں :۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی رُو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں ہے۔ اسی لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں پاتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں ہیں۔ مگر نبوت کے معنی اظہار امرِ غیب ہیں۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ)

بے شک ایک وقت تک حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی نبوت سے مراد تاویلاً محدثیت لی۔ مگر بعد میں آپ پر منکشف ہو گیا کہ آپ نے صریح طور پر نبی کا خطاب پایا ہے مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں جو آخری کتابوں

میں سے ہے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ (تشریعی و مستقلہ نبوّت کا دعویٰ انا قلی) کیا ہے کس قدر جہالت، کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوّت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوّت سے کثرت مکالمت و مخاطبت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوّت رکھتا ہوں ولکلٍّ ان یصطلح"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

پس جب احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک آپ کی نبوت کے بارے میں صرف نزاع لفظی ہے تو لاہوری شاخ اور ہماری جماعت کے درمیان تو بدرجہ اولیٰ نزاع لفظی ہوئی۔

مولوی ابو الحسن صاحب نے آپ پر مستقل صاحب شریعت نبی کے دعوے کا الزام دیا تھا جس کی تردید حضرت بانی السلسلہ احمدیہ کی متعدد عبارات تولی سے

کر دی گئی اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمتی، گویا آپ کو نبی نائب ہونے کا دعویٰ ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کسی نئی نبوت کا دعویٰ۔ ذیل کی عبارت بھی اس بارہ میں فیصلہ کن ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصے میں ڈال دی۔ جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لئے اسی اُمت میں سے ایک نائب مقرر کیا۔ جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ اس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہیں۔ اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہو۔ کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ"

پس مسیح موعودؑ کی بعثت تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے ہے نہ تکمیل شریعت کے لئے۔ کیونکہ آپ کی حیثیت نائب النبوۃ کی ہے نہ تشریعی نبی کی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کے متعلق مولوی ابوالحسن صاحب

جو غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں اس کے رد کے لیئے یہ اکیلا حوالہ ہی کافی و وافی ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل نبی نہیں بلکہ آپ کی نبوت نبوت محمدیہ کی نیابت میں ہے ۔ فاندفعت جمیع الاوھام بھذا فیہ ۔

مولوی ابوالحسن نے یہ الزام بھی دیا تھا کہ بانی سلسلہ احمدیہ بطور ہندوؤں کے تناسخ اور حلول کے مسیح موعود اور مہدی معہود کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ الزام بھی احمدیت کی دونوں شاخوں کے نزدیک درست نہیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے خود ایسے الزام کی تردید فرمادی ہوئی ہے ۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگرچہ میں نے اپنی بہت سی کتابوں میں اس کی تشریح کر دی ہے کہ میری طرف سے یہ دعویٰ کہ میں عیسیٰ مسیح ہوں اور نیز محمدؐ مہدی ہوں اس خیال پر مبنی نہیں ہے کہ میں درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں اور نیز درحقیقت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں مگر پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے غور سے میری کتابیں نہیں دیکھیں اس شبہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ گویا میں نے تناسخ کے طور پر اس دعویٰ کو پیش کیا ہے اور گویا میں اس بات کا مدعی ہوں کہ مسیح کی ان بزرگوں کی روحیں میرے اندر حلول کر گئی لیکن واقعی ایسا امر نہیں ...... یہ وہ طریق ظہور ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں ۔" (ضمیمہ رسالہ جہاد ملا)

مولوی ابوالحسن صاحب کی مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر پر نکتہ چینی اور ہماری تنقید!

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے "قادیانیت" کے صد ۲۰۳ سے صد ۲۱۶ تک مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر "بیان القرآن" کی بعض آیات کی تفسیر پر نکتہ چینی کی ہے۔ مگر مولوی ابوالحسن صاحب جانتے ہوں گے۔ سابقہ تفسیریں اختلافات سے بھری پڑی ہیں اور غلط اور غیر صحیح روایات سے مملو ہیں۔ بالخصوص قصص انبیاء کے متعلق سابقہ تفاسیر میں اسرائیلی روایات پر انحصار کیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم کے سیاق و سباق کو اس بارہ میں بہت ہی کم مدنظر رکھا گیا ہے۔ مسلمان مفسّرین کو جب قصص انبیاء کے بارے میں قرآنی آیات کی وضاحت مطلوب ہوتی تھی تو وہ یہودی علماء کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ انہیں بسا اوقات مضحکہ خیز باتیں بتا دیتے تھے جنہیں مفسّرین اپنی تفاسیر میں نقل کر دیتے تھے۔ یہ تفسیریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ موجودہ زمانہ کے دورِ عقلیت میں جب مسلمان نوجوانوں نے سائنس کے جدید علوم کی تعلیم حاصل کی تو وہ ایسی تفسیروں کی وجہ سے اسلام سے بیزار اور بدظن ہو کر دہریت اور الحاد کی گود میں جا رہے تھے اسلئے یہ ضروری تھا کہ ان کے لئے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جاتی جس سے وہ زندقہ، الحاد اور دہریّت سے بچ جائیں اور ان کے دلوں میں قرآن مجید کی قدر و منزلت پیدا ہو۔ ہاں اس بات کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ انبیاء

کی زندگیوں میں اگر کسی واقعہ میں اعجاز کا ذکر ہے تو اس کو معقول رنگ میں ثابت کیا جائے۔ تا نوجوان طبقہ سرے سے معجزات کا منکر نہ ہو جائے۔ پھر احمدی اپنی تفاسیر میں اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ کسی آیت کی ایسی تفسیر نہ کی جائے جو شانِ الوہیت، شانِ انبیاء اور شانِ ملائکۃ اللہ کے خلاف ہو۔ اور ان کی ایسی تصویر سامنے نہ آئے جو عقل سے مستبعد ہو۔ حالانکہ سابق مفسرین سے اس بارہ میں سخت فروگزاشت ہوئی ہے اور انہوں نے انبیاء اور ملائکۃ اللہ وغیرہ کے متعلق ہتک آمیز باتیں اپنی تفسیروں میں لکھ دی ہیں جو تعلیم یافتہ طبقہ کو ملحد اور دہریہ بنانے میں ممد ہوتی ہیں۔

اگر مولوی ابوالحسن صاحب اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات پڑھیں تو پھر انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ احمدیت نے تفسیر القرآن کے سلسلہ میں بھی اسلام کی ایک عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے اور اپنی تفسیر سے اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس میں تعلیم یافتہ مسلمان طبقہ کو سہارا دیا ہے جو سابقہ قرآنی تفاسیر پڑھ کر مذہب سے ہی بدظن ہو رہا تھا اور یہ اثر لے رہا تھا کہ قرآن مجید بھی خدا کا کلام نہیں بلکہ پرانے لوگوں کے توہمات پر مشتمل کہانیوں سے پُر ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر "بیان القرآن" پر چند مواقع سے تفسیر پیش کر کے تنقید کی ہے۔ اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ان کی تفسیر مفسرین سابقین کے خلاف ہے۔ ہمیں بھی بعض

آیات کی تفسیر میں مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر سے اختلاف ہے۔ لیکن جن آیات کی تفسیر پر مولوی ابوالحسن صاحب نے اعتراض کیا ہے ہم ان کو اس اعتراض میں حق بجانب نہیں پاتے کہ خوارق اور معجزات سے اباء کے نتیجہ میں ان آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ اُن کی تفسیر سے ہمیں کسی جگہ اختلاف تو ہو سکتا ہے اور ان کی کسی تحقیق میں خامی بھی ہو سکتی ہے لیکن بحیثیت مجموعی جن آیات کی تفسیر مولوی ابوالحسن صاحب نے بطور نمونہ پیش کی ہے وہ مسلمانوں کی نئی نسل کے لئے اسلام سے بُعد کو دُور کرنے کا موجب ہو سکتی ہے اور انہیں الحاد کی راہوں سے بچانے میں ممد ہو سکتی ہے۔

(أ) مولوی محمد علی صاحب نے آیت وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرہ : ٦١) میں حضرت موسیٰؑ کے چٹان پر عصا مارنے کا ذکر بھی کیا ہے اور اس آیت کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ مولوی ابوالحسن صاحب کو یہ مسلّم ہے کہ کلام عرب کی خاص ترکیب اور خاص محاورات کے تحت یہ معنی لئے گئے ہیں۔ مگر اسی جگہ چٹان پر عصا مارنے کا ذکر بھی اس تفسیر میں موجود ہے بلکہ ترجمہ بھی آپ نے یہی کیا ہے "اپنا عصا چٹان پر مارو" (بیان القرآن)

ایک ایسی قوم کو جسے بیابان میں پانی نہیں ملتا تھا خدا تعالیٰ کے بتانے سے پانی مل جانا خواہ چٹان پر عصا مارنے سے ہو یا قوم کو کسی

چٹان پر لے جانے سے حاصل ہو اس سے اعجاز میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مولوی ابو الحسن صاحب نے چٹان پر عصا مارنے کی تفسیر درست قرار دی ہے اور اس میں اعجاز جانا ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر اعجازی صورت تو پھر اس قصے میں مذکور ہے جس میں مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک پتھر ہوتا تھا اور جہاں ضرورت پڑتی اُس پر سونٹا مارتے تو اس میں سے پانی جاری ہو جاتا تھا۔ آخر اس تفسیر سے مولوی ابو الحسن صاحب کی طبیعت نے کیوں اِبا کیا ہے؟ اس کی وجہ ہی بتا سکتے ہیں۔

(۲) آیت وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا میں مولوی محمد علی صاحب نے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور اس نفس سے جسے یہودیوں نے اپنے زعم میں قتل کر دیا تھا مسیح علیہ السلام مراد لئے ہیں۔ جس پر فَادّٰرَءْتُمْ کو ان معنوں کے لئے قرینہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی دوسری آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ سے ظاہر ہے کہ واقعہ قتل و صلیب کے وقت یہودیوں کو یہ شک پڑ گیا تھا کہ مسیح حقیقت میں قتل نہیں ہوا۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا الآیۃ کی تفسیر جو مولوی محمد علی صاحب نے ضمائر کے لحاظ سے کی ہے۔ اگر مولوی ابو الحسن صاحب کو اس میں تکلف نظر آتا ہے تو وہ فاضربوہ کی ضمیر کا مرجع فعلِ قتل قرار دے کر اس آیت کے یہ معنی لے سکتے ہیں کہ

یہودیوں کے اس فعلِ قتل کا بعض اس جیسے اور واقعات سے مقابلہ کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا کا بیان مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا سچا تھا کہ یہودی مسیحؑ کو یقینی طور پر نہ مار سکے اور مسیحؑ کے درحقیقت قتل ہو جانے کے متعلق ان کا دعویٰ درست نہ تھا۔ ہاں اسرائیلی روایت کے مطابق اس آیت کی پرانی تفسیر بھی تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) تیسری آیت مولوی ابوالحسن صاحب نے اِنِّیْٓ اَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران ع۵) پیش کی ہے اور لکھتے ہیں:-

"قرآن مجید نے حضرت مسیح کا یہ قول بار بار دہرایا ہے کہ میں بطور معجزہ اور ثبوتِ نبوت کے تمہارے سامنے مٹی کے جانور بناتا ہوں اور پھر ان کو پھونک مار کر پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑاتا ہوں۔"

اور مولوی محمد علی صاحب پر یہ اعتراض کیا ہے:-

"اس میں بے جان چیزوں میں روح ڈالنے کے معجزہ سے بچنے کے لئے مولوی محمد علی صاحب نے اس آیت کو تمام تر استعارات پر مشتمل بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں بزنگِ استعارہ یہاں طَیر سے مراد ایسے لوگ ہیں جو زمین اور زمینی چیزوں سے اوپر اُٹھ کر خدا کی طرف پرواز

کر سکیں۔ اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کس
طرح نبی کے نفخ سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ
زمینی خیالات کو ترک کر کے عالم روحانیت میں پرواز کرے۔
مولانا ابوالحسن صاحب! اس آیت کے ظاہری معنی بھی اس حد تک تو لئے
جا سکتے ہیں کہ حضرت مسیح مٹی سے پرندے کی جو شکل بناتے تھے وہ ان کے
معجزانہ نفخ یعنی پھونک مارنے سے پرواز تو کرتی تھی مگر نظروں سے
غائب ہو جانے پر گر جاتی تھی اور مٹی کی مٹی رہ جاتی تھی۔ قرآن میں یہ
کہیں نہیں لکھا کہ پرندوں کی اس صورت و شکل میں جان، خون، گوشت
پوست اور ہڈیاں پیدا ہو جاتی تھیں اور وہ دوسرے پرندوں سے
مل جل جاتے تھے اور اس طرح خدا تعالیٰ اور مسیح کے پیدا کردہ
پرندوں میں کوئی امتیاز نہیں رہ جاتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید
میں یہ فرمایا ہے۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الرعد ۱۷) یعنی کیا ان
لوگوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک تجویز کئے ہیں جنہوں نے اس
کی طرح کچھ مخلوق پیدا کی ہے جس کی وجہ سے اس کی مخلوق ان کے
لئے مشتبہ ہو گئی۔ تو ان سے کہہ دے اللہ ہی ہر ایک چیز کا خالق
ہے اور وہ یکتا، کامل اقتدار رکھنے والا ہے۔
پھر فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ

شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (نحل ع ۲۰-۲۱) وہ لوگ جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ وہ سب وفات پا چکے ہیں۔ کوئی ان میں سے زندہ نہیں اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائینگے۔

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ حقیقی خلق صرف خدا تعالےٰ کی قدرت سے وقوع میں آتا ہے اور جن کی دنیا میں پرستش کی جاتی ہے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام، ان سے حقیقی خلق وقوع میں نہیں آیا جس سے خدا کی مخلوق اور بندے کی مخلوق میں امتیاز نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ تو خود اموات میں داخل ہو چکے ہیں اور زندہ نہیں اور انہیں علم نہیں کہ وہ دوبارہ کب زندہ ہوں گے۔

جب مسیح علیہ السلام بھی عیسائیوں کے نزدیک معبود مانے جاتے ہیں تو ان آیات کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ حقیقی خلق کو انکے اس قرارداده شریک سے بھی منسوب نہیں کرتا۔

پس مسیح کا یہ خلق بھی خدا تعالیٰ کے خلق کے بالمقابل مجازی ماننا پڑے گا۔ اور اگر مٹی سے پرندے کی ظاہری شکل بنانا مراد لی جائے تو یہ خلق اسی حد تک متصوّر ہو سکتا ہے کہ نظر سے غائب ہو جانے کے بعد پرندے کی وہ صورت مُردے کی طرح گر جاتی تھی اور وہ مٹی ہی مٹی رہتا تھا اس میں جان، خون، گوشت اور ہڈیاں پیدا

نہیں ہو جاتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے یہ معنی بھی بیان القرآن صفحہ ۳۲۱
پر درج کیے ہوئے ہیں۔

ہاں جب اس جگہ خلق مجازی ہی مراد ہوا تو مجاز کے استعمال میں وسعت ہے۔ اسلئے کسی مفسّر کو یہ بھی حق پہنچ سکتا ہے کہ جب خلق کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے تو طَیر کو بھی وہ مجازی معنوں میں لے اور پرواز سے روحانی پرواز مراد لے۔

لفظ طَیر حدیث نبوی میں بھی بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ اَرْوَاحُ الشُّھَدَاءِ عِنْدَ اللّٰہِ کَطَیْرٍ خُضْرٍ (ابن ماجہ) کہ اللہ کے حضور شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے مشابہ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے اِنَّ اَرْوَاحَ الشُّھَدَاءِ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ (صحیح مسلم) کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔

شہیدوں کی ارواح کے لئے پرندوں کا جوف تجویز کرنا بھی استعارہ ہی ہے۔ کیونکہ پہلی حدیث میں ان کی ارواح کو طَیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر کو درست ماننے میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ نے بھی اس آیت میں خلقِ طَیر سے روحانی خلق مراد لیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر محی الدین ابن عربی رحؒ برحاشیہ عرائس البیان)۔

(۴) مولوی ابوالحسن صاحب آیت یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (النمل ع۲) کی اس تفسیر پر بھی معترض ہیں جو مولوی محمد علی صاحب نے کی ہے۔ لیکن خود انہوں نے بیان نہیں کیا کہ منطق الطیر سے ان کے نزدیک کیا مراد ہے۔

مولوی محمد علی صاحب نے منطق الطیر سے مجازاً پرندوں کے ذریعہ نامہ بری کا کام مراد لیا ہے۔ یہ معنے انہوں نے اس وجہ سے لئے ہیں کہ پرانے زمانے میں پرندوں سے نامہ بری کا کام لیا جاتا تھا۔

پرندے درحقیقت کوئی بولی نہیں رکھتے اور منطق بولی کو کہتے ہیں، جس میں مضمون کو ادا کرنے کے لئے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور دوسرا شخص جو اس زبان کو سمجھتا ہو ناطق کی مراد کو سمجھ لیتا ہے۔ پس اگر ظاہری پرندے مراد لئے جائیں تو ان کے لئے نطق کے لفظ اور منطق کے لفظ کا اطلاق مجازی ہوگا۔ یعنی پرندوں کی مختلف آوازوں سے مختلف اصوات سے اُن کی مراد سمجھ لینے کا علم۔ اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا جس کی وجہ سے ان کی بادشاہت میں اس کا جاننا ضروری ہو؟ مولوی ابوالحسن صاحب کو اس پر روشنی ڈالنی چاہیئے تھی مگر وہ خود خاموش ہیں اور مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر پر معترض ہیں۔ آخر مبلغِ اسلام کو غیر مسلموں میں تبلیغ کرتے ہوئے جب منطق الطیر کے سمجھانے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس کی معقول توجیہہ نہ کریں تو مخالف مضحکہ اُڑائے گا۔ پرندوں کی

بولی جاننے سے سلیمانؑ کی حکومت کے لیے کوئی فائدہ متصور نہیں ہو سکتا
پھر اگر منطق سے حقیقی معنی میں منطق مراد لی جائے تو الطیر کو مجازی
معنی ہی میں لینا پڑے گا اور مراد اس سے عالم اور اہل اللہ ہونگے
اور یہ معنی زیادہ قرین قیاس ہیں۔ کیونکہ نبیوں کو علماء اور اہل اللہ
کے طریق اظہار سے اور طریق تکلم سے ضرور آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور
انہیں اپنے بزرگوں کے علم کلام سے حصۂ وافر عطا کیا جاتا ہے ۔
ہمارے نزدیک یہ معنی زیادہ معقول اور قرین قیاس ہیں۔ اگر نامہ بری
کے معنی انہیں پسند نہیں تو مولوی ابوالحسن صاحب یہ دوسرے
معنی اختیار کر سکتے ہیں۔

اسی ذیل میں مولوی ابوالحسن صاحب نے آیت حَتّٰی اِذَا
اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰاَیُّهَا النَّمْلُ
ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ کی تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مولوی
محمد علی صاحب نے مشہور تفسیر اور متبادر معنی کے مطابق چیونٹیوں کا
گاؤں نہیں بلکہ ایک عرب قبیلہ بنی نملہ نام کی وادی مراد لی ہے اور
نملۃ اسی کا ایک فرد تھا۔

ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر معقول اور متبادر الفہم ہے۔ یہ ایک
تاریخی حقیقت ہے کہ وادئ نمل ساحل سمندر پر یوروشلم کے مقابل یا
اس کے قریب دمشق سے حجاز کی طرف آتے ہوئے اندازاً سو میل
نیچے کی طرف واقعہ ہے۔ ان علاقوں میں حضرت سلیمانؑ کے وقت

تک عرب اور مدین کے بہت سے قبائل بستے تھے۔ (دیکھو نقشہ فلسطین و شام بعہد قدیم و جدید و نیلسنز انسائیکلوپیڈیا) اور نملہ ایک قوم تھی جو وہاں رہتی تھی۔ طائف کے قریب ایک نالہ سے سونے کے ذرات چننے والی ایک قوم بھی نملہ کہلاتی ہے۔ نملہ کی انسانی قوم کو چھوڑ کر وادی نمل سے چیونٹیوں کا گاؤں مراد لینا اور پھر یہ خیال کرنا کہ چیونٹی بول پڑی اور اس نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ مکانوں میں گھس جاؤ معقول تفسیر نہیں ـــ نملہ کا قولاً اُدْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ کہنا اور حضرت سلیمان کا اس کو سُن کر متبسم ہونا نملہ کو انسان ہی ثابت کرتا ہے۔

(۵) قرآن کریم کی آیت حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ سے ظاہر ہے کہ ان کا لشکر تین حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ جنوں یعنی پہاڑی قبائلیوں پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ عام لشکریوں اور تیسرا حصہ اہلِ علم اور اہل اللہ پر مشتمل تھا۔ تا وہ باقی لشکریوں کی اخلاقی نگرانی بھی کر سکیں۔

پس قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا لشکر تین گروہوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ لشکر جنگ کرنے والے سپاہیوں پر مشتمل ہوتا ہے اسلئے پرندوں کا لڑائی میں جوانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں کوئی دخل متصور نہیں ہو سکتا۔ پس جنّ اور طَیر دونوں لفظ اس جگہ مجاز عرفی کے طور پر استعمال

ہوئے ہیں۔ اور جن سے مراد آیت میں جِنُّ الْاِنْس اور طیر سے مراد طَیْرُ الْاِنْس اور اِنس کے گروہ سے عام انسان مراد ہیں۔ پھر اس آیت میں لشکر کو ترتیب دینے کا ذکر ہے جیسا کہ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ یہ ترتیب خود بتاتی ہے کہ یہ جن غیر مرئی ہستیاں نہ تھے بلکہ مرئی وجود تھے جن کو صفوں میں دیکھا جاسکتا تھا اور وہ پرا باندھ کر کھڑے کئے گئے۔

مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک اس جگہ الجِنّ کے لفظ سے غیر مرئی ہستیاں اور طَیر سے عام پرندے مراد ہیں لیکن قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ الجنّ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بڑے جفاکش اور محنتی تھے۔ کیونکہ قرآن شریف میں انکے عمارات بنانے، مجسمے بنانے۔ بڑے بڑے لگن، بڑی بڑی دیگیں جو ایک جگہ نصب رہتی تھیں بنانے اور سمندر میں غوطہ زنی کرکے موتی نکالنے کا ذکر ہے۔ فرمایا یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ۔ نیز فرمایا وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ فِی الْبَحْرِ۔ یہ پہاڑوں کے قبائلی لوگ تھے جنہیں حضرت سلیمانؑ کے لئے مسخر کیا گیا تھا اور آیت یَا جِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ میں جبال سے مجاز مرسل کے طور پر اہل جبل ہی مراد ہیں اور الطَّیر سے عالم لوگ۔ اور اس آیت کے مطابق ان جنّ الناس اور عالموں کو

یہ حکم دیا گیا تھا کہ داؤد کے ساتھ مل کر عبادت کریں۔

قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انبیاء کی بعثت انسانوں کے علاوہ کسی غیر مرئی مخلوق کی طرف بھی ہوتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانبیاء ہیں ان کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ نیز فرمایا قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ط (اعراف: ۱۵۸) ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف انسانوں کے لئے تھی لہذا قرآن کریم میں جہاں جنوں کے کلام الٰہی سن کر آپ پر ایمان لانے کا ذکر ہے وہاں جن سے مراد جن الانس ہی ہیں۔ اور آیت يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے ظاہر ہے کہ جن و انس سے نبی آئے۔ مگر قرآن کریم میں کسی غیر مرئی جن نبی کے مبعوث ہونے کا ذکر نہیں بلکہ تمام انبیاء بشر ہی تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جن و انس سے رسول بھیجے اور کسی غیر مرئی جن نبی کا ذکر قرآن کریم میں موجود نہیں اسلئے یہ معشر الجن جن الناس ہی ہیں نہ کہ کوئی غیر مرئی مخلوق۔ غیر مرئی مخلوق کے لئے انسان کو نبی بنانا قرآن کریم میں مذکور نہیں۔

حدیث نبوی میں وارد ہے۔ كَانَ النَّبِیُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً. کہ پہلے نبی اپنی اپنی

مخصوص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ پس کوئی نبی بھی مولوی ابوالحسن کے غیر مرئی مزعوم جنوں کی طرف مبعوث نہیں ہوا لہٰذا قرآن کریم کے عرفِ خاص میں الجن سے مراد وہ سرداران قوم اور بڑے بڑے لوگ بھی ہیں جو عوام الناس سے کم اختلاط رکھتے ہیں یا مخفی رہ کر تحریکیں چلاتے ہیں۔ انہی کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کہ عام انسان اپنے سرداروں کی جو عام نگاہوں سے مخفی رہتے تھے پناہ میں ہوتے تھے۔

آیت يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ سے بھی ظاہر ہے کہ اکثر اور بہت سے انسان جنوں کے قابو میں ہوتے ہیں اور وہ جن ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ انہی کی تحریکات عوام الناس میں چلتی ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (البقرہ) میں ایسے ہی مخالفین اسلام کا ذکر ہے جو شیطان کی طرح مخفی رہ کر اسلام کے خلاف تحریکیں چلاتے تھے۔ شیطان کے متعلق بھی آیا ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (کہف: ۵۰) بعض انبیاء کے لئے جن الناس مسخر کئے گئے اور ان کو مختلف کاموں پر لگایا گیا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔ ہمارے تجربہ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ غیر مرئی جنوں سے انسانوں کا واسطہ رہا ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں پہاڑوں میں علیحدہ رہنے والے قبائل اپنی سخت طبیعت اور انانیت کی وجہ سے

جنّ قرار دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی انانیت اس شدت کی تھی کہ وہ حضرت سلیمان کی حکومت میں اطاعت قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے وَ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ (ص: ۳۹) کہ کچھ اور تھے جن کو بیڑیاں پہنا کر قید کر دیا گیا تھا۔ پس کسی غیر مرئی ہستی کو بیڑیاں پہنانا ممکن نہیں ——— یہ وہ پہاڑی لوگ تھے جنہوں نے سلیمانؑ کی اطاعت نہ کی اور انہیں قید کرنا پڑا۔ ——— یہ آیت اِس بات کے لئے قوی قرینہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کے جنّ جو اُن کے لئے مسخّر کئے گئے تھے غیر مرئی ہستیاں نہ تھے بلکہ یہ وہ اکھڑ لوگ تھے۔ جو متمدن دنیا سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے عُرفاً جنّ کہلاتے تھے۔

چونکہ یہ جنّ، جنّ الناس تھے اسلئے قرآن کریم میں النّاس کی دو صنفیں ہو جانے کی وجہ سے بعض کو جنّ اور بعض کو اِنس کہا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے بیان سے ظاہر ہے کہ انبیاء کی بعثت انسانوں کی طرف تھی۔ لہٰذا سلیمانؑ کے لشکر میں جو جنّ تھے وہ قبائلی پہاڑی لوگ تھے۔ جن کو تربیت دیکر فوجی خدمت پر مامور کیا گیا۔ اور اُن کی فوج کے حصّہ کا نام جنّ ہی رکھا گیا۔ تا امتیاز قائم رہے۔

اَلطَّیْر:۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی جس فوج کو الطَّیر کا نام دیا گیا ہے وہ انسانوں میں سے علم و معرفت

دیکھنے والے لوگوں کا طبقہ تھا۔ جنہیں روحانیت یا علوم میں بلند پروازی یعنی مہارت کی بنا پر الطّیر کا نام دیا گیا۔ ورنہ پرندوں کے لشکر کا حصہ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ جندی یا لشکری جنگ کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں اور وہ تمام جنگی امور سرانجام دیتے ہیں۔ پرندے لشکری یا فوجی کام نہیں دے سکتے۔ پس یہ عقلی قرینہ ہے کہ الطّیر کی فوج سے مراد ایسے فوجی تھے جو علوم و معرفت میں ترقی یافتہ لوگ تھے اور ان سے بھی لڑائی میں عظیم الشان خدمات لی جاتی تھیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان سپاہیوں کے نام بھی خاص پرندوں کے نام پر رکھے گئے ہوں۔ چنانچہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک طائر (فوجی) کا نام ہُدہُد تھا۔ ہدد نام کے کئی آدمی بنی اسرائیل میں گزرے ہیں جیسا کہ بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ عربی میں ھدد، ھُدھُد بن گیا جیسا کہ عربی میں یسوع سے عیسیٰ بن گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل میں تفاؤل کے طور پر کسی شخص کا نام ہُدہُد پرندے کے نام پر رکھ دیا جاتا تھا۔ یا بعد میں اسکے کمال کو دیکھ کر ہُدہُد لقب بن جاتا تھا۔ بہرحال فوج کا ہُدہُد حضرت سلیمانؑ کے وقت الطّیر فوج کا ایک عظیم فرد تھا۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیت فَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے فوج کے حصہ الطّیر کا

معائنہ کیا تو اس میں ہُدہُد کی بڑی شخصیت کو غائب پایا۔ اور چونکہ ہُدہُد بلا اجازت غائب تھا اسلئے حضرت سلیمان علیہ السلام ناراض ہوئے اور کہا اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (النمل، ۲۱-۲۲) یعنی کیا وہ غائب ہو گیا ہے۔ اگر وہ ایسا ہے تو میں اُسے سخت عذاب دوں گا یا اُسے قتل کر دوں گا۔ ورنہ اُسے واضح دلیل پیش کرنا ہو گی۔ یعنی سزا سے تب بچ سکتا ہے کہ وہ اپنی غیر حاضری کے لئے واضح دلائل پیش کرے۔ اب واضح دلائل تو انسان ہُدہُد ہی پیش کر سکتا ہے نہ کہ ہُدہُد پرندہ ـــ یہ ہُدہُد جب لشکر میں واپس آتا ہے تو اس کی جواب طلبی ہوتی ہے تو وہ یہ عذر پیش کرتا ہے۔ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ کہ اے سلیمان! میں نے اس چیز کا پورا علم حاصل کر لیا ہے جو تمہیں پورے طور پر معلوم نہیں۔ اور میں تیرے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ یہ بیان ہُدہُد کا الفاظ میں ہی ہو سکتا ہے۔ وہ آگے بتاتا ہے۔ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ وہ یقینی خبر یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ سبا کے رہنے والوں کی حاکم ایک عورت ہے جسے ہر ضروری سامان حاصل ہے اور اس کا ایک

عظیم الشان تخت ہے۔ آگے کہا وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ میں نے اس ملکہ اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کے آگے سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ۔ شیطان نے ان کے اعمال کو خوبصورت کر کے دکھایا ہے اور انہیں سیدھے راستہ سے روک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ النمل)

ہُدہُد کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ معرفتِ الٰہی رکھنے والا انسان تھا اور توحیدِ الٰہی کے متعلق اسے اچھا علم حاصل تھا۔ اور وہ شیطان کو بھی پہچانتا تھا۔ اور اُن لوگوں سے بحث کر کے وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ شیطان نے غیر اللہ کی عبادت کے فعل کو انہیں ایسا خوبصورت کر دکھایا ہے اور انہیں صحیح راہ سے اس طرح روک دیا ہے کہ وہ ہدایت نہیں پاتے۔ پس جس ہُدہُد نے اس قوم کو توحید کی تبلیغ کر کے یہ معلوم کر لیا کہ وہ شیطانی اثرات کے تحت گمراہ اور ہدایت سے دور ہیں اُس ہُدہُد کو عام پرندہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس خاص انسان کا نام ہُدہُد پرندے کے نام پر رکھا گیا تھا جو پانی کی تلاش کر لیتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے اس کے عذر پر مشتمل تقریر سنی تو اس کے ذمہ یہ ڈیوٹی سپرد کی کہ ملکہ سبا کے پاس وہی آپ کا خط لیکر جائے۔

چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ اِذْهَبْ بِكِتَابِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ۔ کہ میرا یہ خط لیکر جا اور ان لوگوں کو پیش کردے۔ پھر ان سے ایک طرف ہو کر دیکھتے رہنا کہ وہ کن خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ سلیمانؑ نے ہُدہُد کو شاہی آداب بھی سکھائے کہ وہ براہِ راست خط ملکہ کے سامنے پیش نہ کرے بلکہ اس کے درباریوں کے واسطے سے پیش کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ خط ملکہ کے سامنے پیش ہوا۔

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ ہُدہُد انسان تھا۔ جس کو ہدایت کی گئی کہ وہ علیحدہ ہو کر ان کی باتیں سُننے اور خط کے ردِّ عمل کو معلوم کرے۔ سو یہ کام انسان ہی کر سکتا تھا نہ کہ کوئی پرندہ۔ پس ہُدہُد کا سارا بیان جو اُس نے عذر میں پیش کیا اور حضرت سلیمانؑ کی اُسے یہ ہدایت کہ وہ اُن کا ردِّ عمل بھی معلوم کرے، اس ہُدہُد کے انسان ہونے پر روشن دلیل ہے اور اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ جس طیر کے لشکر کا وہ ایک معزز فرد تھا وہ لشکر سارے کا سارا اہلِ علم اور فضلاء پر مشتمل تھا۔ اسلئے ہماری ہی پیش کردہ تفسیر درست ہے اور عام مفسّرین کے خیالات موجودہ سائنٹیفک زمانہ کے اہلِ علم کے لئے قابلِ قبول اور تسلی بخش نہیں۔

بعض علماء نے لفظ اَلْقِهٖ اِلَيْهِمْ سے یہ خیال کر لیا ہے کہ ہُدہُد نے خط اُوپر سے پھینک دیا۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اَلْقِهٖ کا لفظ اِس جگہ اَبْلِغْهُ کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ اِس خط کو انہیں پہنچادو۔ لغت میں لکھا ہے: اَلْقٰى اِلَيْهِ الْقَوْلَ اَوِ الْكَلَامَ: اَبْلَغَهٗ اِيَّاهُ۔ سو یہ لفظ کتاب بمعنی رسالت کے لئے جو کلام پر مشتمل تھا استعمال کیا گیا ہے۔ پس اِس فقرہ کے یہ معنی ہوئے کہ میرا خط ملکہ سبا کے درباریوں کو پہنچاؤ۔

اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا سے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ ملکہ بلقیس کا تخت چوری منگوانا چاہتے تھے۔ یہ امر تو عصمتِ انبیاء کے خلاف ہے۔ چوری کے امر کو معجزہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس عَرْشِهَا میں اضافت تملیکی نہیں بلکہ اضافت بادنیٰ ملابست ہے۔ یعنی وہ تخت لاؤ جو ملکہ کی آمد پر اس کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تخت بنانے کا آرڈر پہلے دیا جا چکا تھا اور اب اس کا منگوانا مطلوب تھا۔ آپ نے اہل مجلس سے پوچھا کون لائے گا۔ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ یعنی جو مشکل کام کرنے میں ماہر تھا۔ اُس نے غلطی سے یہ سمجھا کہ یہ اس تخت کو منگوانا چاہتے ہیں جو بلقیس کی ملکیت ہے۔ اسلئے اس نے کہا اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ کہ وہ تخت میں تمہارے پاس یہاں سے کوچ

کرنے سے پہلے لے آؤں گا اور مجھے قوت ہے۔ یعنی میں لڑ بھڑ کر لا سکتا ہوں اور میں امین ہوں۔ یعنی میں اپنی ڈیوٹی کو خوب جانتا ہوں۔ حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ یہ میرے کلام کا مطلب نہیں سمجھا اسلئے اسے اس کام پر مامور نہ کیا تو دوسرا شخص جو اس راز سے واقف تھا اور جس کے پاس ایسے کاموں کا ریکارڈ ہوتا تھا وہ چونکہ سلیمانؑ کی بات کو صحیح طور پر سمجھ گیا اسلئے اس نے کہا کہ میں فوراً حاضر کر سکتا ہوں۔ اُسے ریکارڈ کی بنا پر علم تھا کہ وعدہ کے مطابق تخت تیار ہو چکا ہے اسلئے اس نے کہا کہ میں ابھی حاضر کرتا ہوں۔ یہ مفہوم ہے اس آیتِ قرآنیہ کا کہ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ۔ ریکارڈ کا علم رکھنے والا یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ میں ابھی چوری کر کے لاتا ہوں۔ نہ اس آیت سے اس کا جن ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کوئی اسرائیلی تھا جو ایسے کاموں کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معتمد علیہ تھا۔ چنانچہ اس نے جھٹ تخت حاضر کیا اور حضرت سلیمانؑ نے اس پر شکریہ ادا کیا کہ دورانِ سفر میں ہی ایسا اعلیٰ درجے کا تخت تیار ہوا حالانکہ ہم مرکز سے دور آچکے ہیں۔ یہ تخت اس وقت بنایا گیا تھا جب ملکہ سبا کو ملاقات کے لئے دعوت دی گئی تھی جیسا کہ خط کے الفاظ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ میں دعوت کا اشارہ ہے کہ فرمانبردار ہو کر تم میری ملاقات کے لئے

اپنے مصاحبین کے ساتھ آؤ ــــــ بلقیس کا اصل تخت منگوانا معجزہ نہیں بن سکتا کیونکہ ایسا فعل چوری بنتا ہے اور چوری پر اعجاز کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ اعجاز کی ہتک ہے۔ پھر بفرضِ محال اگر یہ معجزہ بھی ہو اور چوری نہ سمجھی جائے اور اس کے اس طرح لانے میں کوئی اخلاقی گراوٹ بھی نہ سمجھی جائے پھر بھی یہ سلیمانؑ کا معجزہ نہ ہوتا بلکہ ایک دوسرے آدمی کا معجزہ ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کا علم رکھنے والے چوری کو معجزہ نہیں سمجھ سکتے اور نہ اسے نبی کی طرف منسوب کرسکتے ہیں۔

ایک اور قرینہ اس بات کے لئے کہ یہ تخت بلقیس کا مملوکہ نہ تھا یہ ہے کہ بلقیس کے سلیمانؑ کی ملاقات کے لئے آنے پر سلیمانؑ نے اُس سے پوچھا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ بلقیس کا مملوکہ تخت تھا تو اس پر اپنی شوکت کا رعب ڈالنے کے لئے یہ سوال کرنا چاہیئے تھا اَهٰذَا عَرْشُكِ؟ تشبیہ پر مشتمل سوال پیش کرنا اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ وہ تخت بلقیس کا نہ تھا کیونکہ مُشبّہ اور مُشبّہ بہٖ میں مغائرت ہوتی ہے اور وہ دونوں ایک شے نہیں ہوسکتے۔ پس بلقیس کا تخت اس سوال میں مُشبّہ بہٖ ہے۔ اور جس تخت کا ذکر سلیمانؑ سوال میں کر رہے تھے وہ مُشبّہ تھا۔ پس جب اس فقرے کی حقیقتِ لغویہ یہ ہے تو اس تخت کو بلقیس کا مملوکہ تخت سمجھ لینا درست نہیں۔ بلقیس نے بھی صحیح جواب دیا کَاَنَّهٗ هُوَ۔

کہ یہ تخت ہو بہو میرے تخت سے مشابہ ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اسے یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ تخت میرا مملوکہ ہے۔ اور وہ مملوکہ تھا بھی نہیں۔ وہ اب اس کا تخت اس تعلق کی وجہ سے قرار دیا گیا تھا کہ یہ تخت اس کی خاطر تیار کروایا گیا تھا۔ پس اس تخت کو بلقیس کا مملوکہ تخت قرار دینا اور چوری کے ذریعہ حاصل کرنا معجزہ نہیں کہلا سکتا۔ البتہ اس تخت کا بنوا لیا جانا اپنے اندر ضرور ایک کرامت اور اعجاز کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ دورانِ سفر میں تھوڑی سی مدت میں ہی ایسا عظیم الشان تخت تیار ہو جاتا ہے جو بلقیس جیسی ملکہ کے عظیم الشان تخت کو بھی مات کر رہا تھا۔ پس یہ معنے تو نئے تعلیم یافتہ قبول کر سکتے ہیں لیکن ابو الحسن صاحب ندوی کے معنی جو انہوں نے تفسیروں سے لئے ہیں ان سے حضرت سلیمانؑ کی طرف چوری کا فعل منسوب کرنا پڑتا ہے جو عصمتِ انبیاء کے منافی ہے۔ لہٰذا ایسے معنوں سے ہمارے اس غور کرانے کے بعد ہر اہلِ علم اور ہر سلیم العقل انسان اجتناب کرے گا جو عصمتِ انبیاء کے منافی ہوں۔

(۶) سورۃ سباء میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ارشاد ہے۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ اس آیت کی تفسیر میں مولوی محمد علی

صاحب نے بیان کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے جلد ہی بعد
ان کی سلطنت کی حالت خراب ہو گئی۔ حضرت سلیمانؑ کے بیٹے رحبعام
کے تخت نشین ہونے کے تھوڑا عرصہ بعد یربعام کی انگیخت پر بنی اسرائیل
نے کچھ مطالبات پیش کئے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کے پرانے
مشیروں نے رحبعام کو مشورہ دیا کہ وہ قوم کو تنگ نہ کرے اور ان
کے مطالبات کو قبول کرلے مگر اس نے بجائے ان مشیروں کی بات
سننے کے اپنے نوجوان ساتھیوں کے کہنے پر بنی اسرائیل کے مطالبات
کا سخت جواب دیا اور ان پر سختی کرنے کی ٹھانی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس
قومیں باغی ہو گئیں اور حضرت سلیمانؑ کی سلطنت برباد ہو گئی اور رحبعام
کی حکومت صرف ایک چھوٹی سی شاخ پر رہ گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا
کہ غیر اسرائیلی اقوام بھی آزاد ہو گئیں۔ (سلاطین باب ۱۲)
پس دابۃ الارض یہی رحبعام حضرت سلیمان کا بیٹا ہے جس کی نظر
صرف زمین تک محدود تھی اور سلیمان کے عصا کا کھایا جانا اس کی
سلطنت کی بربادی ہے اور جن سے مراد غیر قومیں ہیں جنہوں نے اب
تک بنی اسرائیل کی ماتحتی کا جُوا نہ اٹھایا ہوا تھا۔
اس تفسیر کے بالمقابل جو معقول معلوم ہوتی ہے۔ مولوی ابوالحسن
صاحب نے مولوی شبیر احمد عثمانی کے ترجمۃ القرآن کے حاشیہ کی
بنا پر یہ لکھا ہے:۔
"مفسرین اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام۔

جنوں کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ میری موت آ پہنچی۔ جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں در بند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی۔ آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی۔ کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہو گئی۔ جس عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کے کھانے سے گرا۔ تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر ہوتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔"

یہ قصہ جو مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے بعض اسرائیلی روایات پر مشتمل معلوم ہوتا ہے۔ ان روایات میں بھی سلیمانؑ کی سلطنت کی بربادی کے واقعہ کو تمثیل میں ہی بیان کیا گیا تھا۔ مگر مولوی ابو الحسن صاحب تمثیل کو حقیقت پر محمول کر رہے ہیں جس روایت میں شیش محل کا ذکر آیا ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ شیش محل کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ لیکن ایک دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ وہ شیش محل کی بجائے ایک ایسے مکان میں داخل ہوتے تھے جس میں دونوں طرف ہوا کی آمد و رفت

کے لئے سوراخ تھے اور اندر داخل ہو کر ایک جن نے ان کی وفات کا علم حاصل کیا۔ لیکن شیش محل کی روایت سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عمارت بنانے والے معمار جن باہر سے ہی دیکھتے رہتے تھے کہ سلیمانؑ اندر زندہ موجود ہیں۔ ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر لاٹھی کے سہارے عبادت کر رہے تھے مگر ابوالحسن صاحب کو سوچنا چاہیئے کہ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ایک شخص لاٹھی کے سہارے کھڑا ہو اور اس کی وفات ہو جائے اور وہ ویسے کا ویسا مدت تک کھڑا رہ جائے۔ یہ نظارہ دنیا کی آنکھ کبھی نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ روح کے پرواز کر جانے کے بعد اگر وفات کھڑے ہونے کی حالت میں ہو تو لاٹھی کے سہارے کوئی نعش کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اس کا لازماً گرنا ضروری ہے۔ اب اگر مولوی ابوالحسن صاحب اسے حضرت سلیمانؑ کا معجزہ قرار دیں تو اس کے معجزہ ہونے پر آیت کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔ اور نہ روایتوں کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ لاٹھی کا سہارا قرار دیتے ہیں اور اسے لاش کے کھڑا رہنے کا سبب قرار دیتے ہیں تو یہ امر تو کسی معجزہ کے عدم وقوع پر دلیل ہے کیونکہ لاش کے کھڑا ہونے کا سبب معلوم ہے جو لاٹھی کا سہارا تھا۔ اور معجزہ ایسا امر ہوتا ہے جس کا سبب غیر معلوم ہو۔

۰ اصل حقیقت یہی ہے کہ اسرائیلی روایات میں بھی گھن سے مراد

تمثیلاً رحبعام ہی تھا۔ جیسا کہ سلاطین کے وضاحتی بیان سے ظاہر ہے۔ اور بعد از وفات حضرت سلیمانؑ کے گرنے سے انکی سلطنت کا گرنا مراد ہے نہ کہ خود اُن کی نعش کا گرنا۔ تفسیر دُرمنثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ملک الموت سے کہہ دیا تھا کہ جب میری موت کا وقت قریب آئے تو مجھے بتا دینا۔ چنانچہ ملک الموت نے بتا دیا اور آپ نے ایک کمرے میں عزلت اختیار کر لی اور جبریل سے کہا کہ میری موت کو مخفی رکھا جائے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کمرے میں داخل ہو کر وہ جلد وفات پا گئے۔ اور جو یہ قصہ ہے کہ ایک سال بعد ان کی وفات ہوئی اُسے علامہ المراغی نے تسلیم نہیں کیا بلکہ اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ:-

"روزانہ اُن کی خوراک وغیرہ کا بندوبست ہوتا ہو گا۔ اور جب تک وہ زندہ رہے لوگوں کو اُن کی زندگی کا علم ہو گا"

پس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وصیت کے مطابق اُن کی وفات کو ایک وقت تک مخفی رکھا گیا۔ اور سوائے خاص دیوں کے اس بات کا عام لوگوں کو کوئی علم نہ تھا۔ اُن کی عزلت کے زمانہ میں اُن کا بیٹا بطور نمائندہ سلطنت کا کام چلا رہا تھا کہ اس دوران یربعام کی انگیخت پر بنی اسرائیل کے دس قبائل نے بعض مراعات طلب کیں لیکن رحبعام اپنے نالائق مشیروں کے مشورہ میں آ کر

دابۃ الارض یعنی سفلی خیالات رکھنے والا ثابت ہوا اور اس نے عصائے سلطنت کو اپنی غلط پالیسی سے توڑ ڈالا۔ اس سے بنی اسرائیل کے ان دس قبائل کو جب سلیمانؑ کی پالیسی کے خلاف نئی پالیسی اختیار کرنے کا علم ہوا تو وہ جان گئے کہ اب سلیمانؑ زندہ نہیں۔ کیونکہ وہ یہ پالیسی بنی اسرائیل کے متعلق کبھی اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

جب حضرت سلیمانؑ کی وفات کا راز فاش ہو گیا تو جن الناس معماروں نے بھی جان لیا کہ ہم یونہی کافی عرصہ بیگار کے عذاب میں مبتلا رہے۔ اگر ہمیں پہلے سے علم ہو جاتا تو اس عذاب سے بچ جاتے۔ قرآن کی آیت لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جنوں کو علم غیب رکھنے کا دعویٰ تھا۔ اس فقرے میں تو انہوں نے اپنی غیب دانی کا انکار کیا ہے اور ان کی غیب دانی کے دعویٰ کا ذکر اس سے پہلے بھی موجود نہیں۔

مِنْسَاَۃ اس بہت بڑے ڈنڈے کو کہتے ہیں جس سے اونٹ ہانکے جائیں اور روکے جائیں۔ المنجد میں لکھا ہے۔ المنسأۃُ: العصا العَظِيمَةُ الَّتِيْ تَكُوْنُ مَعَ الرَّاعِيْ كَاَنَّهٗ يُبْعِدُ بِهَا الشَّيْءَ وَيُدْفِعُ۔ منسأۃ سے وہ بڑا ڈنڈا مراد ہے جس سے چرواہا جانوروں کو دور ہٹاتا ہے — چنانچہ مفردات القرآن میں لکھا ہے۔ اَلْمِنْسَاءُ عَصًا يُنْسَاُ بِهِ الشَّيْءُ اَيْ يُؤَخَّرُ۔ قَالَ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ وَنَسَاْتِ الْاِبِلَ فِيْ ظِمْئِهَا

يَوْمًا اَوْ يَوْمَيْنِ اَىْ آخَرَتْ۔

پس مِنْسَأَتُہٗ سے مراد چھڑی یا لاٹھی نہیں ہو سکتی جس پر ٹیک لگائی جائے بلکہ اس سے وہ بڑی لاٹھی مراد ہوتی ہے جو اونٹوں کو پیچھے ہٹانے کے کام آئے۔ پس جب یہ لاٹھی سہارے والی قرار نہیں پاتی تو اس کا مجازی معنوں میں استعمال اِس مفہوم میں قرار دینا پڑیگا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں ایسی خرابی آگئی کہ سرکش لوگوں کو شرارتوں سے ہٹانے کے لیئے جو طاقت چاہیئے تھی وہ کمزور پڑ گئی۔ عربی زبان میں عصا کا لفظ منسأۃ کے مقابلہ میں عام لفظ ہے اور منسأۃ عصا کے مقابلہ میں خاص لفظ ہے۔ عصا سے ٹیک لگانے اور معمولی مدافعت کا کام تو لیا جا سکتا ہے لیکن بڑے جانوروں کو ہٹانے کے لئے منسأۃ استعمال ہوتا ہے۔ پس عبادت کے لئے کمرے میں جاتے ہوئے منسأۃ کا ٹیک لگانے کے لئے ساتھ لے لینا غیر معقول بات ہے۔ اور یہ امر قرینہ حالیہ ہے کہ منسأتہٗ سے حکومتِ سلیمانؑ کی قوّتِ مدافعت ہی مراد ہے اور اسی قرینہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کی گراوٹ اور کمزوری مراد ہے۔ بعض اسرائیلی روایتوں میں یہ آیا ہے کہ عبادت گاہ میں وہ لاٹھی کے سہارے کھڑے تھے کہ اُن کی موت واقعہ ہو گئی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ انہیں حنوط کیا گیا اور کفن پہنایا گیا اور وہ ایک کرسی پر عبادت گاہ میں بیٹھ گئے۔ اور ڈنڈا ٹھوڑی کے

نیچے رکھ لیا کہ اسی حالت میں اُن کی وفات ہو گئی۔ پس اس بارے میں روایات میں بھی بہت اختلاف ہے۔ حنوط لاش کو کیا جاتا ہے نہ کہ زندہ کو اور کفن بھی مُردہ کو پہنایا جاتا ہے نہ کہ زندہ کو لیکن اگر جنوں کو شیش محل سے یہ دکھانا مقصود ہوتا کہ سلیمانؑ زندہ ہیں تو پھر کفن پہنانے کی ضرورت نہ تھی۔ پس یہ روایات متضاد ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی وفات کو مخفی رکھا گیا اور جنوں کو اُن کی وفات کا علم تب ہوا جب سلطنت کی قوتِ مدافعت میں کمزوری آگئی۔

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کہتے ہیں کہ قرآن کے عربیّ مبین میں نازل ہونے کا ذکر آیا ہے (بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء) قرآن کریم تو بے شک لسان عربیّ مبین میں ہے لیکن قرآن کریم کے عربی مبین ہونے سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اس میں تمثیلات، مجاز اور استعارہ سے کام نہیں لیا گیا۔ اس آیت میں خود لفظ لسان بھی لغت کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ خود قرآن مجید نے بتایا ہے:۔

فِيْهِ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

(آل عمران : ۷)

ترجمہ۔ خدا وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیتیں محکم ہیں۔ وہ اس کتاب کی جڑھ ہیں اور کچھ اور متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو فتنہ کی غرض سے اس کتاب کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کے لئے ان آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو متشابہ ہیں۔ اور ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ راسخ فی العلم کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہی ہے۔ اور عقلمندوں کے سوا ان سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کر سکتا۔

پس متشابہات کی تفسیر میں عقل کو کام میں لانا ضروری ہے تا ان کے معنی محکمات کے مطابق رہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ پرانے مفسرین عموماً متشابہات کی تاویل سے بچتے رہے اور قصص انبیاء کے بارے میں اسرائیلی روایات پر انحصار کرتے رہے۔ نصیحت کا پہلو تو انہوں نے ان واقعات سے نکالا ہے لیکن وہ اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ اسرائیلی روایات اپنے اندر قطعیت رکھتی ہیں جس لئے متشابہات کی تاویل میں بہت گنجائش

ہوتی ہے اور ان کی تفسیر معقول ہونی چاہیئے جو آیات محکمات سے تعارض نہ رکھے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب احادیث کی چھان پھٹک کی جاتی ہے جن کے جمع کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا اور ان میں بھی بہت سی روایات جعلی ثابت ہو جاتی ہیں تو قرآن کریم کی تفسیر میں اس کے متن میں تدبر کیئے بغیر اسرائیلی روایات پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ آیات متشابہات میں عموماً مجاز و استعارہ کا دخل ہوتا ہے۔ پس پہلوں نے ان قصوں سے جو کچھ سمجھا اس پر انحصار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسرائیلی روایات کو قطعی اور یقینی نہیں سمجھا گیا ـــــ مگر مولوی ابوالحسن صاحب یہی چاہتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی بعض آیات کا پہلوں نے اسرائیلی روایات کی بنا پر جو مفہوم اخذ کیا ہے آنکھیں بند کر کے اسی پر انحصار کر لیا جائے۔ کیونکہ بزرگوں نے ان روایات کو تفسیر کا ماخذ قرار دیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت دی ہے کہ ہم قرآن کریم میں تدبر سے کام لیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ پس قرآن کریم میں دلوں کے قفل کھول کر تدبر سے کام لینا چاہیئے۔ اور چونکہ یہ نئے علوم کا زمانہ ہے اسلئے آجکل قرآن کریم کی ایسی تفسیر نہیں کرنی چاہیئے جو سائنٹیفک دنیا کو اپیل نہ کر سکے۔ جب یونانی فلسفے کا پرانے

زمانے میں زور تھا۔ اُس وقت متکلّمین اسلام مجبور تھے کہ رائج فلسفہ کی رعایت سے قرآن کریم کی تفسیر کرتے۔ آج نئے علوم نے تفسیر القرآن کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے جسے ندوی صاحب بند کرنا چاہتے ہیں۔ مگر عجمی نژاد تو کیا اب تو خود اہلِ عرب کے مفسّرین کا رُخ بھی تفسیر القرآن میں نئے علوم نے بدل کر رکھ دیا ہے۔ آپ علّامہ طنطاوی کی تفسیر پڑھ کر دیکھ لیں۔ آپ کو ایسی تفسیر آیاتِ قرآنیہ کی ملے گی جو پہلے لوگوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ یہی حال دیگر علمائے عصر کا ہے سوائے یہاں کے متعصب علماء کے جو احمدیت کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کیلئے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہتے ہیں اور عوام الناس کو پرانے ڈگر پر ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جوں جوں علوم ترقی کر رہے ہیں قرآنی معارف بھی زیادہ سے زیادہ کھلتے جا رہے ہیں۔ اب دنیا میں احمدیوں کی تفسیر قبول کی جائے گی کیونکہ وہ موجودہ تحقیقات کے اصولوں کے مطابق ہے۔

ہم پرانے مفسّرین کی کوششوں کی ناقدری نہیں کرتے لیکن ان کی تفسیر کو خدا کا کلام بھی نہیں جانتے۔ لہٰذا جب وہ عقلِ سلیم کی روشنی اور تحقیقات کے صحیح اصولوں کے خلاف ہو تو قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

(۷) مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک سورۃ جنّ کی آیت قُلْ

اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا میں جن جنّوں کا مخفی طور پر آکر کلام الٰہی سُننا مذکور ہے وہ غیر مرئی مخلوق تھے۔ مگر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف انسانوں کی طرف تھی نہ کسی غیر مرئی افسانوی جنوں کی طرف۔ اس لئے یہ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ بھی جن الناس ہی تھے جنہیں مخفی طور پر کلامِ الٰہی سن کر جانے سے الجن یعنی چھپ کر آنے والے لوگ قرار دیا گیا۔ احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّوں کا ایک وفد ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے بھی آیا تھا۔ اور اس نے نخلہ میں رات کے وقت ڈیرہ لگایا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کے لئے رات کے وقت گئے تھے۔ چونکہ صحابہؓ کو بتایا نہیں گیا تھا اسلئے وہ بڑے پریشان ہوئے۔ صبح کے وقت جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ اَتَانِيْ دَاعِيْ الْجِنِّ فَاَتَيْتُهُمْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ۔ راوی کہتا ہے فَانْطَلَقَ فَاَرَانَا اٰثَارَهُمْ وَاٰثَارَ نِيْرَانِهِمْ۔ یہ روایت ترمذی میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں کی طرف سے بلانے والا آیا تھا سو میں اُن کے پاس آیا اور انہیں قرآن سُنایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہم صحابہ کو ساتھ لے گئے اور ہمیں اُن کے آثار اور ان کے چولہے دکھائے جن میں آگ جلائی گئی تھی۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ ان جنوں کو کوئی غیر مرئی ہستیاں نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ غیر مرئی ہستیوں کا اپنے لئے آگ کا استعمال کوئی معنی نہیں رکھتا۔

تفسیر فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۲۵۵ پر لکھا ہے۔ كَانُوْا تِسْعَةَ نَفَرٍ مِّنْ اَهْلِ نَصِيْبِيْنَ فَجَعَلَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ۔ یعنی یہ نصیبین کے رہنے والے نو شخص تھے جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔

حضرت ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ وہ اہل نصیبین کے نو شخص تھے جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ (دُرِّ منثور)

لغت عربی سے ظاہر ہے کہ بڑے آدمیوں کو بھی جن کہتے ہیں۔ چنانچہ المنجد میں لکھا ہے :-

جِنُّ النَّاسِ: مُعْظَمُهُمْ لِاَنَّ الدَّاخِلَ فِيْهِمْ يَسْتَتِرُ بِهِمْ۔

کہ لوگوں میں سے جن ان کے بڑے آدمی ہیں کیونکہ جب کوئی اُن میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ بھی ان کے

ذریعہ (لوگوں کی نگاہوں سے) چھپ جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ بڑے آدمی عوام الناس سے چونکہ الگ تھلگ اور پوشیدہ رہتے ہیں اسلئے اس اخفاء کی وجہ سے جن کہلاتے ہیں۔

نصیبین کے ایسے ہی لوگوں کا وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا جو ایسے سعید طبع تھے کہ قرآن مجید سُنتے ہی ایمان لے آئے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تورات کے ماننے والے تھے۔

سورۃ جنّ میں بھی جن جنّوں کی آمد اور قرآن سُننے کی خبر دی گئی ہے قرآن مجید سے ہی ظاہر ہے کہ وہ تورات کے ماننے والے تھے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّ اس طرح دو دفعہ مدینہ منوّرہ میں آئے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مدینہ سے باہر مخفی طور سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور دوسری دفعہ وہ لوگ خود مخفی طور پر آئے اور قرآن مجید سُن کر واپس چلے گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اِس طرح آمد کا علم وحی الٰہی کے ذریعہ دیا گیا۔

احمدیت نے اسلام کو کیا دیا؟

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب کے آخریں فصل چہارم کے ذیل میں "قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا عطا کیا" کے عنوان کے تحت لکھا ہے :-

"اب جب ہم اپنی اس تحقیق کی آخری منزل تک پہنچ گئے ہیں اور اس کتاب کی آخری سطریں زیرِ تحریر ہیں ہم کو ایک عملی اور حقیقت پسند انسان کے نقطۂ نظر سے تحریکِ قادیانیت کا تاریخی جائزہ لینا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس نے اسلام کی تاریخ اصلاح و تجدید میں کیا کارنامہ انجام دیا اور عالمِ اسلام کی جدید نسل کو کیا عطا کیا۔ نصف صدی کی اس پُرشور اور ہنگامہ خیز مدت کا حاصل کیا ہے۔ تحریک کے بانی نے اسلامی مسائل اور متنازعہ فیہ امور پر جو ایک وسیع اور مہیب کتب خانہ یادگار چھوڑا ہے اور جو تقریباً ستّر برس سے موضوعِ بحث بنا ہوا ہے اُس کا خلاصہ اور ماحصل کیا ہے؟ قادیانیت عصرِ جدید کے لئے کیا پیغام رکھتی ہے؟" (قادیانیت صفحہ ۲۱۔)

"تہیب کتب خانہ" کے لفظ پر حاشیہ دیکر لکھتے ہیں :۔

"مرزا صاحب کی تصانیف کی تعداد ۸۴ سے کم نہیں۔
اُن میں اکثر نہایت ضخیم اور کئی کئی جلدوں کی کتابیں ہیں۔"

مولوی ابوالحسن صاحب کے نزدیک عالمِ اسلامی کی حالت اور روحانی شخصیّت کی ضرورت کا احساس۔

واضح ہو کہ ہمارے نزدیک بھی یہ سوال نہایت اہم ہے مگر افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن ندوی صاحب نے اِس باب میں بھی حقیقت پسندی سے کام نہیں لیا بلکہ متعصبانہ رویّہ اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اس موقعہ پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عالمِ اسلامی پر نظر ڈالی ہے تا یہ بتائیں کہ کن حالات میں تحریکِ احمدیت کا ظہور ہوا۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"یہ دیکھنا چاہیئے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں اس (عالمِ اسلامی۔ناقل) کی کیا حالت تھی اور اس کے کیا حقیقی مسائل و مشکلات تھے؟ اس عہد کا سب سے بڑا واقعہ جس کو کوئی مورخ اور کوئی مصلح نظر انداز نہیں کر سکتا یہ تھا کہ اسی زمانہ میں یورپ نے عالمِ اسلام پر بالعموم اور ہندوستان پر بالخصوص یورش کی تھی۔ اس کے جلو میں جو نظامِ تعلیم تھا وہ خدا پرستی اور خدا شناسی کی رُوح

سے عاری تھا۔ جو تہذیب تھی وہ الحاد اور نفس پرستی سے معمور تھی۔ عالمِ اسلام ایمان، علم اور مادی طاقت میں کمزور ہو جانے کی وجہ سے اس نوخیز و مسلح مغربی طاقت کا آسانی سے شکار ہو گیا۔ اس وقت مذہب میں (جس کی نمائندگی کے لئے صرف اسلام ہی میدان میں تھا) اور یورپ کی ملحدانہ اور مادہ پرست تہذیب میں تصادم ہوا۔ اس تصادم نے ایسے نئے سیاسی، تمدنی، علمی اور اجتماعی مسائل پیدا کر دیئے جن کو صرف طاقتور ایمان و راسخ و غیر متزلزل عقیدہ و یقین وسیع اور عمیق علم و غیر مشکوک اعتقاد و استقامت ہی سے حل کیا جا سکتا تھا۔ اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک طاقتور علمی و روحانی شخصیت کی ضرورت تھی جو عالمِ اسلام میں روحِ جہاد اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دے۔ جو اپنی ایمانی قوّت اور دماغی صلاحیّت سے دین میں ادنیٰ تحریف و ترمیم قبول کئے بغیر اسلام کے ابدی پیغام اور عصرِ حاضر کی بے چین روح کے درمیان مصالحت اور رفاقت پیدا کر سکے اور شوخ اور پر جوش مغرب سے آنکھیں ملا سکے۔

دوسری طرف عالمِ اسلام مختلف دینی و اخلاقی بیماریوں اور

کمزوریوں کا شکار تھا۔ اُس کے چہرہ کا سب سے بڑا داغ
وہ شرک جلی تھا۔ جو اس کے گوشہ گوشہ میں پایا جاتا ہے۔
قبریں اور تعزیے بے محابا پُج رہے تھے۔ غیر اللہ کے
نام کی صاف صاف دُہائی دی جاتی تھی۔ بدعات کا
گھر گھر چرچا تھا۔ خرافات و توہمات کا دَور دورہ تھا۔
یہ صورتِ حال ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کا تقاضا
کر رہی تھی جو اسلامی معاشرہ کے اندر جاہلیت کے
اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اُس کا
تعاقب کرے جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ
توحید و سُنت کی دعوت دے اور دین پوری قوت
کے ساتھ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ کا نعرہ بلند کرے

اسی کے ساتھ بیرونی حکومت اور مادہ پرست تہذیب
کے اثر سے مسلمانوں میں ایک خطرناک اجتماعی انتشار اور
افسوسناک اخلاقی زوال رونما تھا۔ اخلاقی انحطاط فسق و فجور
کی حد تک تعیش و اسراف نفس پرستی کی حد تک۔ حکومت اور
اہلِ حکومت سے مرعوبیت ذہنی غلامی اور ذلت کی حد تک۔
مغربی تہذیب کی نقالی اور حکمران قوم (انگریز) کی تقلید
کفر کی حد تک پہنچ رہی تھی۔ اس وقت ایک ایسے مصلح
کی ضرورت تھی جو اس اخلاقی و ذہنی انحطاط کی بڑھتی

ہوئی رَد کو روکے اور اس خطرناک رجحان کا مقابلہ کرے جو محکومیّت اور غلامی کے اِس دَور میں پیدا ہوگیا تھا۔

تعلیمی و علمی حیثیت سے حالت یہ تھی کہ عوام اور محنت کش طبقہ دین کے مبادیٔ اوّلیات سے ناواقف اور دین کے فرائض سے بھی غافل تھا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ شریعتِ اسلامی، تاریخِ اسلام اور اپنے ماضی سے بے خبر اور اسلام کے مستقبل سے مایوس تھا۔ اسلامی علوم رُو بزوال اور پرانے تعلیمی مرکز عالمِ نزع میں تھے۔ اس وقت ایک طاقتور تعلیمی تحریک اور دعوت کی ضرورت تھی۔ نئے مکاتب اور مدارس کے قیام، نئی اور موثر اسلامی تصنیفات اور نئے سلسلۂ نشر و اشاعت کی ضرورت تھی جو اُمّت کے مختلف طبقوں میں مذہبی واقفیت، دینی شعور اور ذہنی اطمینان پیدا کرے۔

اِس سب کے علاوہ اور سب سے بڑھ کر عالَمِ اسلام کی بڑی ضرورت یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقِ دعوت کے مطابق اِس اُمّت کو ایمان اور عملِ صالح اور اس صحیح اسلامی زندگی اور سیرت کی دعوت دی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت، دشمنوں پر غلبہ اور دین دنیا میں فلاح و سربلندی کا وعدہ فرمایا

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمِ اسلام کی ضرورت دینِ جدید نہیں ایمانِ جدید ہے۔ کسی دَور میں بھی اس کو نئے دین اور نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں تھی دین کے ان ابدی حقائق و عقائد اور تعلیمات پر نئے ایمان اور نئے جوش کی ضرورت تھی۔" (قادیانیت صـ۲۱۷ تا ۲۲۰)

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے مسلمانوں کی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ سراسر درست ہے۔ اِس کو بیان کرتے ہوئے انہیں بار بار یہ احساس ہوُا ہے کہ "یہ صورتِ حال ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کا تقاضا کر رہی تھی جو اسلامی معاشرہ کے اندر جاہلیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اُس کا تعاقب کرے اور جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ توحید و سُنّت کی دعوت دے۔" اُنہیں اِس بات کا بھی احساس ہوُا ہے کہ "عالمِ اسلام کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کے طریق کے مطابق اِس اُمّت کو ایمان اور عمل صالح اور صحیح اسلامی زندگی اور سیرت کی دعوت دی جائے جس پر اللہ تعالےٰ نے فتح و نصرت، دشمنوں پر غلبہ اور دین و دنیا میں فلاح و سعادت اور سربلندی کا وعدہ فرمایا ہے۔"

کتاب قادیانیت کے پچھلے کسی باب کے اقتباسات سے آپ معلوم کر چکے ہیں کہ مولوی ابوالحسن صاحب نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ میرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی بعثت سے بدیں وجہ انکار کیا ہے کہ

وہ مسلمانوں کے روحانی افلاس کی پیداوار ہیں۔ شکر ہے کہ اس کے برخلاف اپنی کتاب کے آخر میں اُمتِ محمدیہ کے روحانی افلاس کو بیان کرتے ہوئے انہیں اس امر کی ضرورت محسوس ہو گئی ہے کہ یہ صورتِ حال کسی مصلح اور داعی کی ضرور متقاضی تھی جو انبیاء علیہم السلام کے طریق کے مطابق دعوتِ اسلام کر کے اُن کی اصلاح کرتا۔

مولوی ابوالحسن صاحب کی ناشکر گزاری

مگر افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی سُنّت کے مطابق جس شخص کو اس وقت مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح و کامیابی کے لئے کھڑا کر دیا اُسے وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور لکھتے ہیں :-

"ایک ایسے نازک وقت میں عالمِ اسلام کے نازک ترین مقام ہندوستان میں جو ذہنی اور سیاسی کشمکش کا خاص میدان بنا ہوا تھا (گویا سب سے بڑا تقاضا یہ تھا کہ اس نازک ترین مقام ہندوستان میں کوئی روحانی شخصیت مامور کی جاتی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس سرزمین میں جو ذہنی و سیاسی کشمکش کا خاص میدان بنا ہوا تھا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کو اصلاح کے لئے مامور فرمایا مگر وہ مولوی ابوالحسن صاحب کی نظر میں نہیں جچتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں) مرزا غلام احمد صاحب اپنی دعوت اور تحریک کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ وہ عالمِ اسلام کے حقیقی

مسائل اور مشکلات اور وقت کے اصلاحی تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں علم و قلم کی طاقت ایک ہی موضوع اور مسئلہ پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ مسئلہ کیا ہے؟ وفات مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ۔ اس مسئلہ سے جو کچھ وقت بچتا ہے وہ حرمت جہاد اور حکومت وقت کی وفاداری اور اخلاص کی نذر ہو جاتا ہے۔" (قادیانیت ص ۲۲۱)

آگے ص ۲۲۲ پر لکھتے ہیں:۔

"انہوں نے عالم اسلام میں بلا ضرورت ایک ایسا انتشار اور ایک ایسی نئی تقسیم پیدا کر دی جس سے مسلمانوں کی مشکلات میں ایک نیا اضافہ اور عصر حاضر کے مسائل میں نئی پیچیدگی پیدا کر دی۔

مرزا غلام احمد صاحب نے درحقیقت اسلام کے علمی اور دینی ذخیرہ میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا جس کے لئے اصلاح و تجدید کی تاریخ ان کی معترف اور مسلمانوں کی نسل جدید اُن کی شکر گزار رہے۔ انہوں نے نہ تو کوئی عمومی خدمت دین انجام دی جس کا نفع دنیا کے سارے مسلمانوں کو پہنچے۔ نہ وقت کے جدید مسائل میں سے کسی مسئلہ کو حل کیا نہ اُن کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کے لئے جو سخت مشکلات اور موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے کوئی پیغام رکھتی

ہے۔ نہ اس نے یورپ اور ہندوستان کے اندر اسلام
کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔
اس کی جدوجہد کا تمام تر میدان مسلمانوں کے اندر ہے اور اس
کا نتیجہ صرف ذہنی انتشار اور غیر ضروری مذہبی کشمکش ہے۔
جو اس نے اسلامی معاشرہ میں پیدا کر دی۔" (قادیانیت صفحہ ۲۲۳)

مولوی ابوالحسن صاحب کی یہ سب عبارتیں اُس نعمت کی ناشکرگزاری پر مبنی ہیں جو خدا تعالیٰ نے تحریک احمدیت کے وجود میں اس زمانہ کو عطا کی ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے نزدیک دعویٰ مسیح موعود اور وفاتِ مسیح پر مضامین لکھنے اور حرمتِ جہاد کے سوا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے کوئی کام ہی نہیں کیا۔ یہ افسوسناک ناقدرشناسی ہے جو حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کا نتیجہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبلیغی کارنامے

(۱) آپ نے سب سے پہلے جو کتاب چار حصوں میں تصنیف فرمائی وہ "براہین احمدیہ" ہے۔ اس پر ریویو کرتے ہوئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں:-

"ہماری رائے میں یہ کتاب (براہین احمدیہ۔ ناقل)
اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب
ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور

آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔
اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی و
حالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر
پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صـــ)

مشہور صحافی جناب مولانا محمد شریف صاحب بنگلوری ایڈیٹر "منشور محمدی"
بنگلور مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:-

"کتاب براہین احمدیہ ثبوتِ قرآن و نبوت میں ایک
ایسی بے نظیر کتاب ہے جس کا ثانی نہیں۔ مصنف نے اسلام
کو ایسی کوششوں اور دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ ہر
منصف مزاج یہی سمجھے گا کہ قرآن کتاب اللہ اور نبوت
پیغمبر آخر الزمان حق ہے۔ دین اسلام منجانب اللہ اور اس
کا پیرو حق آگاہ ہے۔ عقلی دلیلوں کا انبار ہے۔ خصم کو نہ جائے
گریز اور نہ طاقتِ انکار ہے۔ جو دلیل ہے یقین ہے جو
برہان ہے روشن ہے۔ آئینۂ ایمان ہے۔ لبّ لبابِ
قرآن ہے۔ ہادی طریقِ مستقیم۔ مشعلِ راہِ قویم۔ مخزنِ
صداقت۔ معدنِ ہدایت۔ بوتۂ خرمنِ اعداء۔ عدو سوز
ہر دلیل ہے۔ مسلمانوں کے لئے تقویتِ کتاب الجلیل ہے۔
اُمّ الکتاب کا ثبوت ہے۔ بے دین حیران ہے۔ مبہوت

ہے۔" (منشور محمدی ۲۵ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ)

(۲) ۱۸۹۶ء میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے جلسہ مذاہب اعظم لاہور کے لئے ایک لیکچر تحریر فرمایا جو "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے اردو کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی، فرانسیسی، ہسپانوی، چینی، برمی، سنہالی اور گجراتی وغیرہ زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ لیکچر مندرجہ ذیل پانچ سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے:۔

۱۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں۔
۲۔ انسان کی زندگی کی بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔
۳۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے؟ وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟
۴۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟
۵۔ علم یعنی گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اسلام کی روشنی میں ان پانچ سوالات کا جامع جواب دیتے ہوئے اِس امر کو سختی سے ملحوظ رکھا کہ ہر دعویٰ اور اس کی دلیل اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید سے دی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت بذریعہ الہام آپؑ کو مطلع فرمایا کہ:۔

"یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔"

آپؑ نے اِس الہام کی اشاعت ایک اشتہار کے ذریعہ مورخہ ۲۱ دسمبر

۱۸۹۶ء کو فرمادی جس میں یہ بھی لکھا کہ :۔

"جو شخص اس مضمون کو اوّل سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جوابوں کو اخیر تک سُنے گا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا اور ایک نیا نور اس میں چمک اُٹھے گا اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ آجائے گی۔ یہ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف و گزاف کے داغ سے منزہ ہے۔ مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے پر مجبور کیا ہے کہ تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور نور سے نفرت رکھتے ہیں۔ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئیگا

یہ جلسۂ مذاہب عالم لاہور میں ۲۶۔۲۷۔۲۸؍دسمبر ۱۸۹۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے ہال میں منعقد ہوا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے مضمون کو مکمل کرنے کے لئے جلسے کا ایک دن اور بڑھانا پڑا۔ چنانچہ منتظمین جلسۂ مذاہب نے اپنی جلسہ مذاہب کی رپورٹ میں لکھا :۔

"پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل

اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا اسلئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔ اُس وقت کوئی سات ہزار کے قریب مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہونے والے شائقین میں بڑے بڑے رؤسا۔ عمائد پنجاب، علماء فضلاء، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ، ڈاکٹر۔ غرضیکہ اعلیٰ طبقے کی مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔ انہیں نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر پانچ گھنٹے اُس وقت ایک ٹانگ پر کھڑے رہنا پڑا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی مقرر تھے لیکن ناظرین جلسہ کو اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ ماڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جائے ... یہ مضمون

شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔"

[رپورٹ جلسہ مذاہب عالم (دھرم مہوتسو) لاہور]

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار "چودھویں صدی" اس جلسہ کے بارہ میں رقمطراز ہیں :۔

"ان لیکچروں میں سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا۔ جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ ۲۷ر دسمبر کو تقریباً چار گھنٹے اور ۲۹ر دسمبر کو دو گھنٹے تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹے میں یہ لیکچر تمام ہوا جو حجم میں سو صفحے کلاں تک ہو گا۔ غرضیکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہوتی تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین کی طرف سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دیئے سچ تو یہ ہے کہ وہ جلسہ کے

مستفسرہ سوالوں کے جواب بھی نہ تھے۔ عموماً سپیکر صرف چوتھے سوال پر ہی رہے اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی کم پیش کیا اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے ہی تھے جو بولتے تو بہت تھے لیکن اس میں جاندار بات کوئی بھی نہیں تھی۔ بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو ان سوالات کا علیحدہ علیحدہ مفصّل اور مکمّل جواب تھا اور جس کو حاضرین نے نہایت ہی توجّہ اور دلچسپی سے سُنا اور بڑا بیش قیمت اور عالی قدر خیال کیا۔

ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں اور نہ اُن سے ہم کو کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی سلیم الفطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے کُل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے اور تمام بڑے بڑے اصول و فروعات اسلام کو دلائل عقلیہ سے اور براہین فلسفہ کے ساتھ مُبرہن و مزیّن کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الٰہیات کے فلسفہ کو ثابت کرنا اُس کے بعد کلامِ الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان رکھتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائل قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظِ قرآن کی فلالوجی اور فلاسفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کا لیکچر بحیثیتِ مجموعی ایک مکمل اور حاوی لیکچر تھا جس میں بے شمار معارف و حقائق و حِکَم و اسرار کے موتی چمک رہے تھے۔ اور فلسفۂ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہلِ مذاہب ششدر ہو گئے تھے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال اُوپر نیچے سے بھر رہا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آ آ کر گری جس طرح شہد پر مکھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بے لطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اٹھ جاتے تھے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا وہی مُلّانی خیال تھے جن کو ہم ہر روز سُنتے ہیں۔ اس میں کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے لیکچر کے وقت کئی شخص اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ مولوی صاحب ممدوح کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے چند منٹ زائد کی اجازت بھی نہیں

دی گئی۔" (اخبار چودھویں صدی راولپنڈی مؤرخہ یکم فروری ۱۸۹۷ء)

اسی طرح جناب ایڈیٹر صاحب اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس مضمون کے متعلق اپنا تأثر ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

"سب مضمونوں سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا مضمون سُنا گیا جو اسلام کے بڑے بھاری مؤید اور عالم ہیں۔ اس لیکچر کو سننے کے لئے دُور و نزدیک سے ہر مذہب و ملّت کے لوگ بڑی کثرت سے جمع تھے۔ چونکہ مرزا صاحب خود شامل جلسہ نہیں ہو سکے اسلئے مضمون ان کے ایک قابل اور فصیح شاگرد مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھا۔ ۲۷ر تاریخ والا مضمون قریباً ساڑھے تین گھنٹے تک پڑھا گیا اور گویا ابھی پہلا سوال ہی ختم ہوا تھا۔ لوگوں نے اس مضمون کو ایک وجد اور محویت کے عالم میں سُنا اور پھر کمیٹی نے اس کے لئے جلسہ کی تاریخوں میں ۲۹ر دسمبر کی زیادتی کر دی۔" (سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور دسمبر ۱۸۹۷ء)

افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن ندوی صاحب کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتابوں میں وفاتِ مسیح اور دعویٰ مسیح موعود پر ہی زورِ قلم صرف کرنا

نظر آیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کا ایسا لکھنا حقائق سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں میں اسلامی علوم کا ایک بحرِ زخار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

(۳) کتاب "جنگ مقدس"۔ یہ کتاب ایک تحریری مباحثہ پر مشتمل ہے جس میں عیسائی پادری عبد اللہ آتھم اور ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے آپؑ کا عقائدِ مسیحیت پر تحریری مناظرہ ہوا جو امرتسر میں پندرہ دن تک جاری رہا۔ اس مناظرہ میں آپؑ نے نہایت گرانقیمت علمی حقائق اسلام کی تائید میں بیان فرمائے ہیں اور عیسائیوں کو دندان شکن جواب دیکر ساکت کیا ہے۔

پھر آپؑ نے عیسائیوں کے بالمقابل تائیدِ قرآن شریف میں کتاب "نور الحق" عربی زبان میں تالیف فرمائی اور عیسائیوں کو للکارا کہ وہ اس کے جواب دینے والے کو پانچ ہزار روپیہ انعام دینگے۔

(۴) سِرّ الخلافة ۔ اس کتاب میں آپؑ نے مسئلہ خلافت پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور خلفاءِ اربعہ کا برحق ہونا ثابت فرمایا ہے۔ یہ رسالہ بھی عربی میں تصنیف فرمایا اور اس کے جواب کے لئے شیعوں کو فصیح و بلیغ عربی میں رسالہ لکھ کر پیش کرنے کی دعوت دی۔ آپؑ کی یہ کتاب شیعہ اور سُنّی کے درمیان ایک حَکَم کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۵) مننُ الرحمٰن۔ یہ کتاب آپؑ کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اس میں آپؑ نے ثابت کیا ہے کہ عربی زبان اُمّ الالسنہ ہے اور اسی لئے خدائے قادر مطلق کی وحی آنحضرتؐ پر اسی زبان میں نازل ہوئی جس سے تمام زبانیں نکلیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :۔

”یہ کتاب ایک نہایت عجیب و غریب کتاب ہے جس کی طرف قرآن شریف کی بعض آیات نے ہم کو توجہ دلائی۔ ..... واضح ہو کہ اس کتاب میں تحقیق الالسنہ کی رُو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں صرف قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہے جو اُس زبان میں نازل ہوا ہے جو امّ الالسنہ اور الہامی اور تمام بولیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے۔“ (ضیاء الحق صٓ)

آپؑ نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے :۔

”اوّل :۔ عربی کے مفردات کا نظام کامل ہے۔

دوم :۔ عربی اعلیٰ درجہ کی وجوہِ تسمیہ پر مشتمل ہے۔

سوم :۔ عربی کا سلسلہ اطراد اور مواد اکمل و اتمّ ہے۔

چہارم :۔ عربی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں۔

پنجم :۔ عربی زبان انسانی ضمائر کا پورا نقشہ کھینچنے کیلئے پوری طاقت اپنے اندر رکھتی ہے۔“

پھر لکھا ہے :۔

"اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ ہماری کتاب چھپنے کے بعد اگر ممکن ہو تو یہ کمالات سنسکرت یا کسی اور زبان میں شائع کریں۔ ..... ہم نے اِس کتاب کے ساتھ پانچ ہزار کا انعامی اشتہار شائع کر دیا ہے جو فتح یابی کی حالت میں بغیر حرج کے وہ روپیہ ان کو وصول ہو جائے گا"

(منن الرحمٰن صفحہ ۳۲۰-۳۲۲)

(۶) **معیار المذاہب** - اِس رسالہ میں آپ نے تمام مذاہب کا فطرتی معیار کے لحاظ سے مقابلہ کیا ہے۔ خصوصاً آریہ اور عیسائی مذاہب نیز اسلام کی خدا تعالیٰ کے متعلق تعلیم بیان فرماتے ہوئے اسلامی عقیدہ کو فطرت کے مطابق ثابت فرمایا۔

(۷) **آریہ دھرم** - اِس کتاب کے لکھنے کی دو وجوہات تھیں :۔

اوّل یہ کہ قادیان کے آریہ سماجیوں نے عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چل کر آنحضرتؐ کی ذات بابرکات پر گندے الزام لگائے اور اس کی تشہیر کی۔

دوم یہ کہ پنڈت دیانند صاحب جو کہ آریہ سماج کے لیڈر تھے اپنی تالیفات میں آریہ سماج پر زور دے رہے تھے کہ وہ نیوگ کو اپنی بیویوں اور بہو بیٹیوں میں وید کے مسئلہ کے مطابق رائج کریں۔ اِس کتاب میں آپ نے کمال تحقیق کے بعد آریوں کو انکی غلطیوں

پر تنبیہ کیا اور واضح فرمایا کہ نیوگ قوی زنا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام کے مسئلہ طلاق و تعدد ازدواج پر روشنی ڈالی جن پر آریہ معترض تھے اور اسلامی تعلیم کی برتری ثابت فرمائی۔

(۸) ست بچن۔ آریہ سماج کے سرگردہ پنڈت دیانند نے باوا نانک صاحب پر بے جا الزامات لگائے تھے۔ اُن کے رد میں آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی اور اس میں ثابت کیا کہ باوا صاحب سچے اور مخلص مسلمان تھے۔ انہوں نے ویدوں سے اپنی برات کا اظہار کیا ہے اور تعلیماتِ اسلامی پر کاربند رہے ہیں۔

(۹) سراج منیر بر نشانہائے رب قدیر:۔ اس کتاب میں آپ نے بہت پہلے کی گئی سینتیس ۳۷ پیشگوئیوں کے ظہور پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس رسالہ کو شائع کرنے کی غرض یہ بیان کی ہے کہ:۔

"تا منکرین حقیقتِ اسلام و مکذبینِ رسالتِ حضرت خیرالانام علیہ و آلہ الف الف سلام کی آنکھوں کے آگے ایسا چمکتا ہوا چراغ رکھا جائے جس کی ہر ایک سمت سے گویا ہزار ہا کی طرح روشنی نکل رہی ہے اور بڑی بڑی پیشگوئیوں پر جو ہنوز وقوع میں نہیں آئیں مشتمل ہے۔"

(۱۰) برکات الدعاء۔ سر سید احمد خان صاحب نے غیر مسلموں کے اسلام پر اعتراضات اور حملوں سے گھبرا کر اسلام کے بعض متفقہ عقائد اور دینی تعلیمات کی تاویلیں شروع کر دیں۔ مثلاً انہوں نے

لفظی یا خارجی وحی اور وجودِ ملائکہ اور قبولیتِ دُعا کا انکار کر دیا۔ اس کتاب میں مسئلۂ دُعا پر روشنی ڈالی گئی ہے اور سر سیّد احمد خان کے دلائل کا معقول طور پر ردّ کیا گیا ہے۔ آپؑ نے برکات الدعاء کے صفحہ ۱۲ پر لکھا:-

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دعاؤں کی قبولیت سے
پیش از وقت سیّد صاحب کو اطلاع دوں گا بلکہ چھپوا دوں گا
مگر سیّد صاحب وعدہ کریں کہ بعد ثابت ہو جانے میرے
دعویٰ کے اس غلط خیال سے رجوع کریں گے۔"

اس کتاب کے آخر میں آپؑ نے پنڈت لیکھرام کے متعلق اپنی قبول شدہ دعا کا ذکر فرمایا اور سر سیّد صاحب کو لکھا:-

"از دُعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دعا
چوں علاج مے زِ مے وقتِ خمار و التہاب
اے کہ گوئی گر دُعاہا را اثر بودے کجاست
سُوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب
ہاں مکن انکار زیں اسرارِ قدرت ہائے حق
قصّہ کوتاہ کُن ببیں از ما دُعائے مستجاب"

یہ دُعائے مستجاب جس کا اس آخری مصرع میں ذکر ہے پنڈت لیکھرام کے متعلق تھی۔ چنانچہ سر سیّد مرحوم کی زندگی میں پیشگوئی کے مطابق ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو لیکھرام مشیّتِ ایزدی سے آنحضرتؐ کے خلاف گندہ دہنی کرنے کی پاداش میں پُر اسرار طور پر قتل ہو گیا اور اس کا قاتل حکومت

اور آریوں کی انتہائی کوشش کے باوجود نہ مل سکا۔

آپ نے سرسید احمد خان کی خواہش پر اِس کتاب میں قرآن کریم کی تفسیر کے سات معیار بھی تحریر فرمائے ہیں۔

(۱۱) حجۃ الاسلام۔ یہ کتاب آپ نے عیسائیت کے رد میں تحریر فرمائی اور عیسائی زعماء اور بعض دوسرے پادریوں کو اس عظیم الشان دعوت کے لئے بُلایا ہے کہ اب زندہ مذہب صرف اسلام ہی ہے اور آسمانی نور اور روشنی رکھنے والا دین یہی ہے اور عیسائی مذہب اس کے مقابلہ میں تاریکی میں پڑا ہوا ہے اور اس میں اب زندہ مذہب کی علامات مفقود ہیں۔ اِس کے بعد "جنگِ مقدس" کا مباحثہ وقوع میں آیا جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

(۱۲) آئینہ کمالاتِ اسلام۔ یہ کتاب بھی قرآنی معارف کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اِس میں آپ نے دینِ اسلام کے منجانب اللہ ہونے، اس کی حقانیت، افضلیت اور اکملیت کو ثابت فرمایا ہے اور اسلام کے محاسن ایسے رنگ میں پیش فرمائے ہیں جس سے ان تمام اوہام اور وساوس کا ازالہ ہو جاتا ہے جو موجودہ زمانہ کے دہریہ، عیسائی اور آریہ معترضین نے اسلام سے بدظن کرنے کے لئے تراش رکھے تھے۔

(۱۳) چشمۂ معرفت۔ یہ کتاب اسلام کی حقانیت پر ایک قیمتی مضمون پر مشتمل ہے اور اس میں آریوں کے اسلام پر اعتراضات کی معقول طور پر تردید

کی گئی ہے اور آریوں کے اصولوں کو باطل ثابت کیا گیا ہے۔

اسی طرح اور بہت سی کتابیں آپ نے اسلام کی تائید اور عیسائیت کی تردید میں لکھیں۔ جیسے "چشمۂ مسیحی" اور "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب"۔ آپ نے ۸۰ کے قریب کتب اور سینکڑوں اشتہار تحریر فرمائے ہیں جن میں اسلامی حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس جگہ صرف چند کتب سے قارئین کرام کو روشناس کرایا گیا ہے۔

چونکہ آپ کی بعثت بموجب احادیث نبویہ کسر صلیب اور اسلام کو ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے کے لئے تھی اس لئے تبلیغی مسائل کی طرف آپؑ کا توجہ کرنا ضروری تھا۔

وفاتِ مسیحؑ کے اثبات میں آپ کو اسلئے لکھنا پڑا کہ غلط فہمی سے مسلمانوں کی آنکھیں آسمان کی طرف حضرت عیسیٰؑ کی آمدِ ثانی کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ خدا نے اپنے الہام کے ذریعہ آپؑ پر ظاہر کیا کہ "مسیح بن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر خدا کے وعدہ کے موافق تو آیا ہے"۔ اسلئے آپؑ کے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ کریں کیونکہ یہ غلط فہمی ان کے آپؑ کو مسیح موعود قبول کرنے میں روک تھی۔ احادیث نبویہ میں اس موعود کو نبی اللہ بھی کہا گیا ہے اور اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کہہ کر امتیوں میں سے اُمت کا امام بھی قرار دیا گیا۔ اسلئے یہ امر بھی آپؑ کے لئے ضروری تھا کہ آپؑ اس بات پر روشنی ڈالتے کہ آیتِ خاتم النبیین

ایسے نبی کے آنے میں مانع نہیں جو ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہو۔ سو آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ نبی دیا ہے جس کی اُمت کا ایک فرد نبی ہو سکتا ہے اور عیسیٰ کہلا سکتا ہے حالانکہ وہ اُمتی ہے۔ آپؑ نے ثابت کیا کہ اُمتی نبی کا آنا حضرت خاتم النبیینؐ کے افاضۂ روحانی کی بدولت ہے اور آنحضرتؐ کے بعد جو نبوت منقطع ہوئی ہے وہ مستقلہ اور تشریعی نبوت ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب کو ضرورت کا احساس تو ہو چکا ہے کہ اس زمانہ میں ایک طاقتور علمی اور روحانی شخصیت کی ضرورت تھی۔ اور یہ بھی اُن کو اعتراف ہے کہ عالمِ اسلام کی سب کی بڑی ضرورت یہ تھی کہ:۔

"انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کے مطابق اس اُمت کو ایمان اور عملِ صالح اور صحیح اسلامی زندگی اور سیرت کی دعوت دی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت دشمنوں پر غلبہ اور دین و دنیا میں فلاح و سعادت اور سربلندی کا وعدہ فرمایا ہے۔" (قادیانیت صفحہ ۲۲۰)

مسیح موعودؑ کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح

واضح ہو کہ یہ کام تو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ نے کر دکھایا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے مسلمانوں میں ایسی جماعت پیدا کی ہے جو ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے متمتع ہے اور انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کے مطابق

ساری دنیا میں اس کے ذریعہ بڑے جوش اور ولولہ کے ساتھ دعوت اسلام کا فرض ادا کیا جا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو خالص توحید پر قائم کیا ہے۔ وہ شرک جلی مثلاً قبروں کو سجدہ کرنے، تعزیوں کی پوجا کرنے اور غیر اللہ کے نام کی دہائی دینے اور بدعات کا ارتکاب کرنے اور خرافات اور توہمات سے پاک ہے۔ وہ خدا کے فضل سے ایسی روحانی بیماریوں میں مبتلا نہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے عالم اسلام کی روحانی بیماریوں کا ذکر کرکے بھی ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کی ضرورت کا احساس کیا ہے جو "اسلامی معاشرہ کے اندر جاہلیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اس کا تعاقب کرے۔ جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ توحید و سنّت کی دعوت دے اور اپنی پوری قوّت کے ساتھ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ کا نعرہ بلند کرے۔" (قادیانیت صد ۲۱۹)

سو یہ کام حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ نے بطریق احسن سرانجام دیا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ مولوی ابوالحسن جیسے عالم اس داعی کی دعوت کو رد کرکے اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو آپؑ سے بدظن کریں۔ تا وہ اتحاد جس کے پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو بھیجا وجود میں نہ آئے۔ مولوی ابوالحسن صاحب تو صرف ایسی شخصیت چاہتے ہیں جو ان صفاتِ خاصّہ کے ساتھ تلوار کا جہاد کرکے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرے۔ مگر رسول کریمؐ مسیح موعود کے

حق میں فرماتے ہیں :-

يَضَعُ الْحَرْبَ

کہ وہ جنگ کو روک دے گا

مولوی ابوالحسن صاحب نے چونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو اپنے خیالِ باطل کے مطابق جنگ کی تلقین کرنے والا نہیں پایا اسلئے انہیں آپ کی مسیحیت سے انکار رہے۔ وہ سوچیں کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تو مثیلِ مسیح ہونے کا ہی ہے اور پہلے مسیح نے بھی تو جنگ نہیں کی تھی اور علمائے یہود کو اُن پر یہی اعتراض تھا کہ انہوں نے اسرائیل کی بادشاہت قائم نہیں کی اور ہمیں داؤد کا تخت نہیں دلایا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پروگرام لمبا تھا۔ اُن کا اصل مقصد قوم میں اعمال کی حقیقی رُوح پیدا کرنا تھا لیکن بدقسمتی سے علمائے یہود نے اُن کی شدید مخالفت کی۔ حتیٰ کہ انہیں صلیب دینے کی کوشش بھی کی۔ یہ تو محض خدا کا فضل تھا کہ وہ انہیں صلیب پر مارنے پر قادر نہ ہو سکے۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے پر قوم میں جو تفرقہ پیدا ہوا علماء کی مخالفت کی وجہ سے ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی غرض تو یہی تھی کہ اُن کی قوم کے سب لوگ اُن کے ہاتھ پر جمع ہوں پس مولوی ابوالحسن صاحب کا کسی ایسے مسیح اور مہدی کا انتظار کرنا جو آتے ہی سب مسلمانوں کو متحد کر دے اور پھر تلوار چلا کر تمام دنیا کو مسلمان بنا دے ایک طمعِ خام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اسلام اب

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی تحریک سے پُر امن طریقوں کے ذریعہ دُنیا پر غالب آئے گا نہ جنگ کے ذریعہ سے۔

مولوی ابوالحسن صاحب آپؑ کی تحریک کے متعلق لکھتے ہیں :-

"نہ اُن کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کے لئے جو سخت مشکلات اور موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے کوئی پیغام رکھتی ہے اور نہ اُس نے یورپ اور ہندوستان کے اندر تبلیغ و اشاعت کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کی جدوجہد کا تمام تر میدان مسلمانوں کے اندر ہے۔"

(قادیانیت صفحہ ۲۲۲)

تحریکِ احمدیّت کا مقصد

حضرت بانیٔ تحریک احمدیت کا بجز اِس کے اَور کوئی مقصد نہیں کہ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلایا جائے اور اس دین اور اس کی تہذیب و تمدّن کو دُنیا میں غالب کیا جائے۔ مولوی ابوالحسن صاحب سچائی کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے کارناموں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا بے نظیر نظام قائم ہو چکا ہے اور اگر وہ آنکھیں کھولیں تو یہ انہیں یہ نظام نظر آ سکتا ہے۔

نشرواشاعت کا کام:۔

جماعت احمدیہ کے ذریعہ ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جماعت ہذا مختلف ممالک میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر عیسائیوں اور دہریوں کی طرف سے جو رکیک حملے اور اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا جواب لوگوں تک پہنچانے کے لئے وسیع پیمانہ پر اسلامی لٹریچر شائع کرتی رہتی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کے ہر محاذ پر احمدی مبلغین اسلام کامیابی حاصل کر رہے ہیں اور ان کے ذریعہ لاکھوں افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔

تبلیغی مراکز:۔

اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے پاکستان سے باہر قریباً سات سَو تبلیغی مراکز مختلف ممالک میں قائم ہو چکے ہیں۔ ان ممالک میں پاکستانی مبلغین کے علاوہ مقامی مبلغ بھی تیار ہو کر تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اور مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ برٹش انگلینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، ناروے، ڈنمارک، سویڈن، اسپین، سکاٹ لینڈ، شمالی امریکہ، کینیڈا میں۔ اور جنوبی امریکہ میں برٹش گی آنا، ڈچ گی آنا۔ اور مشرقی افریقہ میں یوگنڈا، تنزانیہ، کینیا میں۔ اور مغربی افریقہ

میں سیرالیون، نائیجیریا، غانا، آئیوری کوسٹ، لائبیریا اور گیمبیا میں قائم ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ عدن، جاپان، انڈونیشیا، بورنیو، سنگاپور، سیلون، جزائر فیجی اور ماریشس میں بھی مشن قائم ہیں۔ اور ان مشنوں کے ذریعے خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں اور لاتعداد روحیں اسلام کی صداقت کی قائل ہو رہی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

تراجم قرآن کریم:۔

جماعت احمدیہ کے ذریعہ اِس وقت تک دُنیا کی قریباً سولہ زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم ہو چکے ہیں۔ جن میں سے انگریزی کے علاوہ جرمن، ڈچ، سواحیلی، اسپرانٹو اور انڈونیشین زبان کے تراجم اپنا وسیع حلقہ اثر اور شہرت قائم کر چکے ہیں۔ ہمارے موجودہ امام حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ترجمۃ القرآن کی اشاعت کے لئے ایک خاص ادارہ قائم فرمایا ہے تاکہ لکھوکھہا کی تعداد میں قرآن مجید کے تراجم کی اشاعت دُنیا کے مختلف حصّوں میں کی جائے اور نہایت معمولی ہدیہ پر یہ تراجم لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا دیئے جائیں۔ چنانچہ انگریزی ترجمۃ القرآن کے ہزارہا نسخے مختلف ممالک کے لئے شائع کئے اور بھجوائے جا رہے ہیں تاکہ غیر مسلم سعید روحیں کلامِ پاک کے نور سے منوّر ہو سکیں۔

مساجد :-

اِس وقت ہند و پاکستان سے باہر دوسرے ممالک میں قریباً چھ صد سے زائد مساجد تعمیر ہو چکی ہیں جن میں سے بعض ایسی ہیں جو پانچ پانچ چھ چھ لاکھ روپیہ سے تعمیر ہوئی ہیں - اور بعض مساجد کی تعمیر خالصتاً مستورات کے چندہ سے ہوئی ہے - ان مساجد میں پانچوں وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوتا ہے اور ہزارہا لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو کر انہیں آباد کر رہے ہیں - جماعت احمدیہ کی اِن تبلیغی کوششوں کا یہ اثر ہے کہ وہ لوگ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے اب پانچوں وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر درود بھیجتے ہیں -

تعلیمی ادارے :-

چونکہ تعلیمی اداروں کا لوگوں پر نہایت نیک اثر ہو سکتا تھا اسلئے مرکزی مردانہ و زنانہ سکولوں و کالجوں اور مشنری کالج بنام جامعہ احمدیہ کے علاوہ جماعت احمدیہ نے بیسیوں سکول اور کالج بیرونی ممالک بالخصوص مغربی افریقہ میں جاری کئے ہیں - جن میں دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے - لوگوں کا رجحان اِن سکولوں کی طرف روز بروز بڑھتا جا رہا ہے -

اخبارات :-

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مرکزی اخبارات و رسائل کے علاوہ جماعت کے بیرونی مراکز سے ۱۹ اخبارات و رسائل مختلف زبانوں میں باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں تاکہ اسلامی تعلیم کی حقانیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعتراضات کا مؤثر اور مکمل دفاع ہوتا رہے۔ یہ اخبارات بھی اپنا اچھا حلقۂ اثر پیدا کر رہے ہیں اور ان کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا کام مؤثر طریق پر سرانجام دیا جا رہا ہے۔

طبّی مراکز :-

یہ امر ضروری سمجھا گیا ہے کہ اسلامی تبلیغ کا فریضہ اُس وقت تک کماحقہ' ادا نہیں ہو سکتا جب تک خدمتِ خلق نہ کی جائے۔ سو اس غرض کے لئے ہمارے امام نے براعظم افریقہ میں مختلف مقامات پر طبّی مراکز کھولے ہیں جن میں ایسے ڈاکٹر کام کر رہے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں خدمتِ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے وقف کی ہیں اور وہ نہایت محنت اور توجہ سے اور دعاؤں سے کام لیکر اپنے مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ اُن کی اِس نیک نیتی کے ساتھ خدمتِ خلق کا یہ اثر ہے کہ جو مریض ان کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے جلد شفایاب

ہو جاتے ہیں۔ اور یہ طبی مراکز ایسی شہرت حاصل کر رہے ہیں کہ لوگ سرکاری ہسپتالوں کو چھوڑ کر ہمارے ہسپتالوں کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ان ڈاکٹروں کے شامل حال ہے جو ان مراکز میں کام کرتے ہیں۔ اس سے اُن لوگوں کے دل میں اسلام کی طرف رغبت پیدا ہو رہی ہے۔

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ "جد و جہد" لاہور، جماعت احمدیہ کی تین خوبیوں کے عنوان سے لکھتے ہیں :۔

"پاکستان اور بھارت میں بیسیوں فرقے موجود ہیں جن کو نام سے غرض ہے کام سے کوئی واسطہ نہیں۔ بحث و تحیص میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں لیکن عمل مفقود ـــــ حالانکہ صرف عمل کر کے دکھلانا ہی اسلام کی خوبی ہے ورنہ مسلمان کا ہر دعویٰ عاشقی ایک مجذوب کی بڑ سے کم نہیں۔ قطع نظر عقائد کے عملی طور پر مرزائی (احمدی۔ ناقل) فرقہ باقی تمام فرقوں سے تین باتوں سے فوقیت رکھتا ہے :۔

۱۔ اسلامی مساوات

ان میں اونچ نیچ شریف رذیل ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز کم ہے۔ سب کی عزت کرتے ہیں۔

۲۔ بیت المال کا قیام

یہ ایک باقاعدہ شعبہ ہے جس میں ہر مرزائی (احمدی ناقل)

کو اپنی ماہوار آمدنی کا ⅒ حصہ لازماً دینا پڑتا ہے۔
صدقات۔ خیرات۔ فطرانہ وغیرہ سب جمع کر کے یہ
رقم صدقاتِ جاریہ میں خرچ کی جاتی ہے۔

(نوٹ از مصنف کتاب ہذا:۔ آمدنی کے ⅒ حصہ کی ادائیگی
صرف وصیت کرنے والوں کے لیے لازمی ہے۔ جو وصیت
نہیں کرتے ان کے لیے ⅙ حصہ کی ادائیگی مقرر ہے۔)

۳۔ تبلیغ اسلام

یہ فخر صرف اسی فرقہ کو حاصل ہے کہ سنّی، شیعہ، وہابی،
دیوبندی، چکڑالوی فرقہ کے لوگوں سے تعداد میں
کم ہوتے ہوئے پھر بھی لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ
کر کے اپنے بل پر تبلیغی مشن غیر اسلامی ممالک کو بھیجتے
ہیں۔ اور خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام
غیر مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔

ہمارے دیس میں بڑے بڑے مخیّر لوگ موجود ہیں۔
اور فلاحی انجمنیں قائم ہیں۔ مثلاً انجمن حمایت اسلام
لاہور جو لاکھوں روپیہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے لیکن کوئی
اللہ کا بندہ یا انجمن اس طرف توجہ نہیں دے رہی۔"

(ماہنامہ جدوجہد لاہور۔ جولائی ۱۹۵۸ء)

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے ریمارکس

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے :-

"جماعت احمدیہ کا ایک وسیع تبلیغی نظام ہے، نہ صرف ہندوستان میں بلکہ مغربی افریقہ، ماریشس اور جاوا میں بھی ــــ اس کے علاوہ برلن، شکاگو اور لندن میں بھی ان کے تبلیغی مشن قائم ہیں۔ ان کے مبلغین نے خاص کوشش کی ہے کہ یورپ کے لوگ اسلام قبول کریں اور اس میں انہیں معتدبہ کامیابی بھی ہوئی ہے۔ ان کے لٹریچر میں اسلام کو اس شکل میں پیش کیا جاتا ہے کہ جو نو تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے باعث کشش ہے۔ اس طریق پر نہ صرف غیر مسلم ہی ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں بلکہ ان مسلمانوں کے لئے بھی یہ تعلیمات کشش کا باعث ہیں جو مذہب سے بیگانہ ہیں یا عقلیات کی رَو میں بہہ گئے ہیں۔ اُن کے مبلغین اُن کے حملوں کا دفاع بھی کرتے ہیں جو عیسائی مناظرین نے اسلام پر کئے۔"

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا
مطبوعہ ۱۹۴۷ء جلد ۱۲ صفحہ ۷۱۲

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
لائیڈن یونیورسٹی ہالینڈ کے ریمارکس

"جماعت کی مساعی پُرجوش اور مؤثر تبلیغ کرنے کے علاوہ سکول اور کالج قائم کرنے پر بھی مشتمل ہے۔ قادیان ہندوستان کا نمایاں اور سب سے تعلیم یافتہ شہر معلوم ہوتا ہے۔ جماعت احمدیہ کثیر لٹریچر شائع کرتی ہے۔ ان کی اپنی مساجد ہیں۔ ریڈکلف کے مختلف فیہ فیصلہ کی وجہ سے جماعت کو اپنا مرکز قادیان سے پاکستان میں ایک نئی جگہ قائم کرنا پڑا جو پہلے بیابان تھا۔ اس کا نام ربوہ ہے۔ اب وہاں ایک نیا شہر آباد کیا جا رہا ہے۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی پچھتر سے زیادہ کتابیں ہیں جو موجودہ جماعت کی طرف سے دوبارہ شائع کی جا رہی ہیں۔ غالباً سب سے اہم کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" ہے۔ جس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ .... جماعت نے قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع کئے ہیں۔ مزید برآں جماعت نے مختلف زبانوں میں روزانہ ہفتہ وار اور ماہوار اخبار

جاری کر رکھے ہیں۔" (زیر لفظ احمدیت)

مجلّۃ الازہر (مصر)

جولائی ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے:-

"فرزندانِ احمدیت کی سرگرمیاں تمام امور میں انتہائی طور پر کامیاب ہیں۔ ان کے مدارس بھی کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کے مدارس کے تمام طلباء ان کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔"

ہفت روزہ "ہماری زبان" علی گڑھ

نے لکھا:-

"موجودہ زمانہ میں احمدی جماعت نے منظم تبلیغ کی جو مثال قائم کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ لٹریچر، مساجد و مدارس کے ذریعہ سے یہ لوگ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے دُور دُور گوشوں تک اپنی کوششوں کا سلسلہ قائم کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے غیر مسلم جماعتوں میں ایک گونہ اضطراب پایا جاتا ہے۔ کاش دوسرے لوگ بھی ان کی مثال سے سبق لیتے۔" (ہماری زبان علی گڑھ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۸ء)

مولانا عبد الماجد دریا بادی "ایک تبلیغی خبر" کے زیرِ عنوان "صدق جدید"

لکھنؤ میں لکھتے ہیں :-

" مشرقی پنجاب کی ایک خبر ہے کہ اچاریہ ونوبھا بھاوے جب پیدل سفر کرتے کرتے وہاں پہنچے تو انہیں ایک وفد نے قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی اور سیرۃ النبوی پر انگریزی میں کتابیں پیش کیں۔ یہ وفد قادیان کی جماعت احمدیہ کا تھا۔ خبر پڑھ کر ان سطور کے راقم پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اچاریہ جی نے دورہ اودھ کا بھی کیا بلکہ خاص قصبہ دریاباد میں قیام کرتے ہوئے گئے لیکن اپنے کو اس قسم کا کوئی تحفہ پیش کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ نہ اپنے کو نہ اپنے کسی ہم مسلک کو نہ ندوی، دیوبندی، تبلیغی اسلامی جماعتوں میں سے۔ آخر یہ سوچنے کی بات ہے یا نہیں کہ جب بھی کوئی موقع تبلیغی خدمت کا پیش آتا ہے یہی خارج از اسلام جماعت "شاہ" نکل آتی ہے اور ہم دیدار منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" (صدق جدید لکھنؤ ۱۹ر جون ۱۹۶۹ء)

تحریکِ شُدھی

ہندوستان میں آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے تحریکِ شدھی کے نام سے (جو دراصل اشدھی تھی) ایک تحریک

چلائی۔ مسلمان فرقوں میں سے صرف جماعت احمدیہ نے اُس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آریوں کو اِس تحریک میں ناکام کر دیا۔ اِس موقعہ پر اخبار "زمیندار" لاہور نے لکھا :۔

"احمدی بھائیوں نے جس خلوص، جس ایثار، جس جوش اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصّہ لیا ہے وہ اِس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے۔"

(زمیندار ۸ر اپریل ۱۹۲۳ء)

پھر ۲۴ر جولائی ۲۳ء کی اشاعت میں لکھا :۔

"مسلمانانِ جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار، کمربستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ اُن کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزّت اور قدردانی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں اِس اولوا العزم جماعت نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کر کے دکھا دی۔"

پھر یہی اخبار اپنی اشاعت دسمبر ۱۹۲۶ء میں رقمطراز ہے :۔

"گھر بیٹھ کر احمدیوں کو بُرا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اِس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت

ہے جس نے اپنے مبلّغین انگلستان میں اور دیگر یوروپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء، دیوبند، فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغ و اشاعتِ حق کی سعادت میں حصّہ لیں؟" (زمیندار دسمبر ۱۹۲۶ء)

مولوی ابوالحسن ندوی صاحب کے لئے مقامِ غیرت وعبرت ہے کہ ندوۃ العلماء کو اور دیگر اسلامی اداروں کو آج ۱۹۷۲ء تک بھی احمدیہ جماعت کو بُرا بھلا کہنے کے سوا غیر ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی ایڈیٹر "دلگداز" لکھتے ہیں:-

"آج کل احمدیوں اور بہائیوں میں مقابلہ ومناظرہ ہو رہا ہے۔ باہم ردّ و قدح کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر دونوں میں اصل فرق یہ ہے کہ احمدی مسلک شریعتِ محمدیہ کو اُسی قوّت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے اور بہائی مذہب شریعتِ عرب (اسلام) کو ایک منسوخ شدہ غیر واجب الاتباع دین بتاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کو مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوّت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ

باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ اسلام کی سچی اور پُرجوش خدمت ادا کرتا ہے دوسرے مسلمان نہیں۔"

(رسالہ "دل گداز" لکھنؤ ماہ جون ۱۹۲۶ء)

مولانا محمد علی جوہر ایڈیٹر "ہمدرد" دہلی رقمطراز ہیں:۔

"ناشکرگزاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیرالدین محمود احمد اور اُن کی منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلافِ عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اِس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف تبلیغ اور مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی درجہ سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اِس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظمِ اسلام کے لئے بالعموم اور اُن اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدماتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔"

(ہمدرد دہلی ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۷ء)

شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔"

(ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر صفحہ ۱۸-۱۷)

علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں:۔

"اس وقت تمام اُن جماعتوں میں جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں صرف ایک جماعت ایسی ہے جو بانیٔ اسلام کی متعیّن کی ہوئی شاہراہِ زندگی پر پوری استقامت کے ساتھ گامزن ہے۔ گو اس کا احساس تنہا مجھ ہی کو نہیں بلکہ احمدی جماعت کے مخالفین کو بھی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مجھے اس کے اظہار میں باک نہیں اور اُن کو رعونتِ نفس یا احساسِ کمتری اس اعتراف سے باز رکھتا ہے۔" (رسالہ "نگار" ماہ نومبر ۱۹۵۹ء)

پھر رسالہ نگار بابت ماہ جولائی ۱۹۶۰ء میں لکھتے ہیں:۔

"اس وقت مسلمانوں میں ان کو (احمدیوں کو۔ ناقل) بے دین اور کافر کہنے والے تو بہت ہیں لیکن مجھے تو آج ان مدعیانِ اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آتی جو اپنی

پاکیزہ معاشرت، اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ، اپنی تاب مقاومت اور خم نہ ہونے والے صبرو استقامت میں احمدیوں کے خاک پا کو بھی پہنچتی ہو"۔

نیز وہ لکھتے ہیں :۔

"مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی اور اس وقت کی جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے سوتے ہوئے مسلمانوں کو جگایا اُٹھایا اور چلایا یہاں تک کہ وہ چل پڑے اور ایسا چل پڑے کہ آج روئے زمین کا کوئی گوشہ نہیں جو اُن کے قدم سے خالی ہو اور جہاں وہ اسلام کی صحیح تعلیم نہ پیش کر رہے ہوں"۔

(نگار ماہ اکتوبر ۱۹۶۰ء)

جناب اشفاق حسین صاحب مختار میونسپل ایگزیکیوٹو وسابق میونسپل کمشنر مراد آباد کا تاثر

وہ لکھتے ہیں :۔

"ہم سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ آدمیوں کی بھیڑ ہیں، ہم اپنے آپ کو جماعت نہیں کہہ سکتے۔ البتہ احمدی صاحبان اپنے آپ کو جماعت کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کی تنظیم اچھی ہے۔ مشہور عربی مقولہ[1] ہے یداللہ علی الجماعۃ یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت کے اُوپر ہوتا ہے۔ یعنی اللہ اُن کی مدد کرتا ہے جو منظم

[1] یداللہ علی الجماعۃ حدیث نبوی ہے۔ کسی اور کا مقولہ نہیں ؛

کر کے اپنی جماعت بنا لیتے ہیں۔ خدا بھیڑ کی مدد نہیں کرتا کیونکہ ہم بھیڑ ہیں اسئے خدا نے اپنا مددگار ہاتھ ہمارے اُوپر سے اٹھا لیا۔" (خون کے آنسو" صفحہ ۲۶ ناشر حافظ محمد دین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور)

جماعت احمدیہ اور عیسائی دُنیا کا تاثر

ایک امریکن پادری Jack Manholsonn ، نے حال ہی میں ایک کتاب "گاڈ۔ اللہ اینڈ جوجو" شائع کی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:۔

"اسلام کی روز افزوں ترقی میں احمدیت کے اثرات اس طرح داخل ہوئے ہیں کہ گویا یہ تانے بانے میں داخل ہیں۔ یہ بات بغیر تردّد کے کہی جا سکتی ہے کہ احمدیہ جماعت سب سے زیادہ کام کرنے والی اور سب سے زیادہ وسیع اسلامی جماعت ہے جو افریقہ میں کام کر رہی ہے۔"

انگلستان سے چھپنے والے ایک اخبار "ٹائمز برٹش کالونیز ریویو" نے لکھا ہے:۔

"اسلام کی روز افزوں ترقی کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا رہا اور یہ بات کچھ بعید نہیں کہ عیسائی اور مشرک علاقے بالآخر اسلام کے سمندر میں غرق ہو کر رہ جائیں گے۔"

برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری ریورنڈ جے۔ ٹی۔ واٹس نے کیپ ٹاؤن میں اس خیال کا اظہار کیا کہ:۔

"یہ بات عین ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں اسلام افریقہ کے عوامی مذہب کی حیثیت سے عیسائیت کو شکست دیکر اس کی جگہ لے لے۔"

انہوں نے مزید کہا:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام افریقہ میں برابر ترقی کر رہا ہے۔ اگر ایک شخص عیسائیت قبول کرتا ہے تو اسلام اس کے مقابلہ میں دو افراد کو حلقہ بگوش بنا لیتا ہے۔ ابھی موقعہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سنبھال لیں۔ ہمیں اس موقعہ سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ لیکن اس امر کا قوی امکان ہے کہ ہم اس موقعہ کو گنوا دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام عیسائیت سے بازی لے جائے گا۔"

سوئٹزرلینڈ کے ایک اخبار APPENSELLERSONTR GSBLAFT نے اپنی ۱۳ر مئی ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"عیسائی حلقے مسلسل اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ افریقہ میں اسلام عیسائیت کے لئے خطرہ بن گیا ہے اور یہ خطرہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔"

"ڈیلی ٹائمز" نائیجیریا اپنی اشاعت ۸ر دسمبر ۱۹۵۸ء میں پادریوں کی ایک میٹنگ

کی روئیداد پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"عیسائی تنظیم اسلام کی ترقی سے خائف ہے"۔

۱۲ر جنوری ۱۹۵۸ء کو اسی اخبار نے خبر دی کہ :-

"پادریوں کی ایک میٹنگ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ چند ہی سالوں میں افریقہ میں اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ عیسائیت یہاں باقی رہ سکے گی یا نہیں"۔

غانا یونیورسٹی کے ایک عیسائی پروفیسر ایس۔ جی ولیم سن لکھتے ہیں :-

"غانا کے شمالی حصہ میں رومن کیتھولک کے سوا عیسائیت کے تمام اہم فرقوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروؤں کے لئے میدان خالی کر دیا ہے۔ اشانٹی اور گولڈ کوسٹ کے جنوبی حصوں میں آجکل عیسائیت ترقی کر رہی ہے لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خصوصاً ساحل کے ساتھ احمدیہ جماعت کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہو رہی ہیں"۔

غیر ملکی اخباروں وغیرہ کے ان بیانات سے ظاہر ہے کہ تحریک احمدیت صرف مسلمانوں کی اصلاح ہی کا کام نہیں کر رہی بلکہ غیر مسلموں میں بھی اسلام کے غلبہ کے لئے بے نظیر خدمات انجام دے رہی ہے۔ اور اس تحریک کی برکت سے لاکھوں انسان سچائی کو قبول کر چکے ہیں اور کروڑوں انسان اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کا سمجھدار طبقہ جماعت احمدیہ کی ان مخلصانہ خدمات کو نہایت شکر گزاری کی نگاہ سے

دیکھ رہا ہے۔ اگر مولوی ابو الحسن صاحب چاند کی طرف پروپیگنڈے کی خاک اُڑانا چاہیں تو اُن کے پروپیگنڈے سے چاند کی روشنی میں فرق نہیں آسکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کیا گیا ہے۔ تا آنکہ ساری دنیا کو منور کردے۔ پس جوں جوں قلوب انسانی کی کھڑکیاں کھلتی چلی جائینگی اسلام کے اس بدر تمام کی روشنی اُن کے سینوں کو منور کرتی چلی جائے گی تا آنکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی پیشگوئی پوری شان کے ساتھ ظاہر ہو جائے اور قرآن کریم کی تعلیم دنیا کے ہر انسان تک پہنچ جائے۔

بالآخر عرض ہے کہ مولوی ابو الحسن صاحب نے يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا مرتکب ہو کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف اُن کی تکذیب کے لئے جو بہت سے غلط الزامات لگائے ہیں وہ ہمارے نزدیک قابلِ تعجب نہیں۔ کیونکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

اِذَا خَرَجَ هٰذَا الْاِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۲)

ترجمہ۔ جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے تو اس کے کھلے دشمن بالخصوص فقہاء ہی ہوں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:۔

"نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات اوراعلیٰ
نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از کمالِ دقّت وغموضِ ماخذ انکار
نمائند و مخالفِ کتاب وسُنّت دانند"
(مکتوباتِ امام ربّانی جلد۲ صفحہ ۵۵)

ترجمہ۔ قریب ہے کہ علمائے ظواہر امام موصوف کے اجتہادات کا
اس پر اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہو ان
کے ماخذ کی کامل باریکی اور گہرائی کی وجہ سے انکار کردیں اور
انہیں کتاب وسُنّت کے مخالف جانیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب کے ذریعہ بھی اِن دونوں بزرگوں کے اس
کلام کی تصدیق ہوگئی ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تکذیب
کے لئے آپؑ کی عبارتوں کو غلط رنگ دیکر پیش کیا ہے اور پڑھنے والوں
کو سچائی سے دُور رکھنے کے لئے محض غلط پروپیگنڈا سے کام لیا ہے۔ ہم تو
پھر بھی اُن کے لئے خدا سے ہدایت کے ہی طالب ہیں۔

جماعت کے روشن مستقبل کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں

اب مَیں اِس مضمون کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی دو پیشگوئیوں
پر ختم کرتا ہوں جو خدا سے علم پاکر آپؑ نے جماعت کے روشن مستقبل کے
متعلق فرمائی ہیں:-

(۱) "اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا اور حجت اور بُرہان کی رُو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اسکے معدوم کرنیکی فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (تذکرۃ الشہادتین ص ۶۴)

(۲) "خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دیگا اور میری محبت دلوں میں بٹھلائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کریگا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کرینگے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا مُنہ بند کر دیں گے اور ہر ایک

قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اُٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پُورا کرے گا..... سو اے سُننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیشخبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پُورا ہو گا۔"

(تجلیاتِ الٰہیہ)

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

خاکسار

قاضی محمد نذیر لائلپوری

۱۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء

(ضیاء الاسلام پریس - ربوہ)